گناہوں کے نقصانات اور اُن کا علاج

امام ابن قیم جوزیؒ کی مشہور عربی تصنیف
"الداء والدواء" کا سلیس اُردو ترجمہ

تالیف
امام ابن قیم جوزیؒ

مترجم
لجنۃ المصنفین لاہور

بیت العلوم
۲۰- نابھہ روڈ، پرانی انارکلی لاہور۔ فون: ۷۳۵۲۲۸۳

گناہوں کے نقصانات اور اُن کا علاج

امام ابن قیم جوزیؒ کی مشہور عربی تصنیف
"الداء والدواء" کا سلیس اُردو ترجمہ

تالیف
امام ابن قیم جوزیؒ

مترجم
لجنۃ المصنفین لاہور

مولانا محمد انس چترالی
مولانا خالد محمود صاحب
مولانا عبد العظیم ترمذی

بیت العلوم
۲۰۔ نابھہ روڈ، پرانی انارکلی لاہور۔ فون: ۷۳۵۲۴۸۳

کتاب: گناہوں کے نقصانات اور ان کا علاج

ترجمہ: "الداء والدواء"

مؤلف: امام ابن قیم جوزیؒ

مترجم: لجنۃ المصنفین

باہتمام: محمد ناظم اشرف

ناشر: بیت العلوم۔ ۲۰ نابھہ روڈ، چوک پرانی انارکلی، لاہور
فون: ۷۳۵۲۴۸۳

﴿ملنے کے پتے﴾

بیت العلوم = ۲۰ نابھہ روڈ، پرانی انارکلی، لاہور

ادارہ اسلامیات = ۱۹۰ انارکلی، لاہور

ادارہ اسلامیات = موہن روڈ چوک اردو بازار، کراچی

دار الاشاعت = اردو بازار کراچی نمبر ۱

بیت القرآن = اردو بازار کراچی نمبر ۱

ادارۃ القرآن = چوک لسبیلہ گارڈن ایسٹ کراچی

ادارۃ المعارف = ڈاک خانہ دار العلوم کورنگی کراچی نمبر ۱۴

مکتبہ دار العلوم = جامعہ دار العلوم کورنگی کراچی نمبر ۱۴

مکتبہ سید احمد شہید = الکریم مارکیٹ، اردو بازار، لاہور

مکتبہ رحمانیہ = غزنی سٹریٹ، اردو بازار، لاہور

﴿تقریظ﴾

شیخ الحدیث حضرت مولانا مشرف علی تھانوی دامت برکاتہم العالیہ

مہتمم جامعہ دارالعلوم الاسلامیہ۔ لاہور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

امابعد!

زیرنظر کتاب "الداء و الدواء" (گناہوں کے نقصانات اوران کا علاج) علامہ ابن القیم الجوزیؒ کی تصوف وسلوک کے موضوع پر مفید ترین کتاب ہے، آج کل امت مسلمہ جس اخلاقی پستی کا شکار ہے، اس کے سبب ضرورت اس امر کی ہے کہ اس جیسی کتابوں کو زیادہ سے زیادہ امت کے ہاتھوں میں پہنچایا جائے۔

یہ کتاب عربی زبان میں تھی۔ ادارہ اشرف التحقیق کی لجنۃ المصنفین کے اراکین مولوی محمد انس، مولوی خالد محمود اور مولوی عبدالعظیم سلمہم نے اس کا اردو ترجمہ کر کے اسے اردو قارئین کے لئے ممکن الاستفادہ بنادیا۔ فجزا ھم اللہ خیراً

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے عوام وخواص کے لئے مفید ونافع بنائیں اور شرف قبولیت عطا فرما کر ہم سب کے لئے ذخیرۂ آخرت بنائیں۔ آمین ثم آمین

وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد وآلہ و اصحابہ اجمعین

مشرف علی تھانوی

دارالعلوم الاسلامیہ۔ لاہور

۱۴۲۴/۶/۳ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تقدیم

تمام تعریفیں اسی ذات لم یزل کے لئے ہیں جس نے قلم کو پیدا فرما کر اس کی قسم اٹھائی اور صلوٰۃ وسلام ہوں اس آخری پیغمبر پر جس پر پہلا پیغام خداوندی یہ اترا:۔

''پڑھیے! اور آپ کا رب سب سے زیادہ کریم ہے جس نے قلم کے ذریعے تعلیم دی۔''

امابعد! کارخانہ عالم کے ہنگامہ ہائے روز وفردا میں جب بعض انتہائی حقیر وصغیر دکھائی دینے والی چیزیں بھی مرور زمانہ کے ساتھ ساتھ اپنی حیثیت کا لوہا منوا چکی ہیں تو ان چیزوں کی اہمیت جو ابتداء آفرینش ہی سے ضروری گردانی جاتی ہوں یقیناً ہزاروں گنا بڑھ چکی ہوگی۔ ذرائع ابلاغ بھی انہیں اہم اشیاء کا ایک ضروری فرد ہے۔ بالخصوص اگر آج کے اس پرفتن اور ہنگامہ خیز دور کو ''ذرائع ابلاغ کا دور'' کہہ دیا جائے تو شاید بے جا نہ ہوگا۔ کل تک کسے معلوم تھا کہ مبالغہ آرائی کو ایڈورٹائزمنٹ اور پبلسٹی کا نام دے کر اس کی تشہیر کو مستحسن اور ناگزیر قرار دیا جائے گا؟ کچھ عرصہ پہلے تک کون اس تلخ حقیقت سے آشنا تھا کہ میڈیا پر تسلط کے سبب پروپیگنڈہ کے عنوان سے جھوٹ کو اس ڈھٹائی کے ساتھ بار بار بولا جائے گا کہ خود جھوٹ بولنے والا بھی اس کے جھوٹ ہونے میں متذبذب ہو جائے گا؟ چند دن پہلے تک کون جانتا تھا کہ باہمی لڑی جانے والی جنگوں میں بھی ذرائع ابلاغ کلیدی حیثیت کا حامل ہوگا حتیٰ کہ لوگ جنگ کی ایک نئی قسم سے واقف ہونگے جس کا نام ہوگا میڈیا وار۔ الغرض اگر ان حقائق کی روشنی میں ہم اپنے ماحول کا تجزیہ کریں تو یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ عہد حاضر میں کامیاب وہی ہے جو ذرائع ابلاغ پر چھایا ہوا ہے ذرائع ابلاغ کی اہم ترین اور صدیوں باقی رہنے والی ایک قسم ''قلم'' ہے۔

جن لوگوں نے اس بات کا ادراک کیا آج بھی دنیا اسی بات کی شاہد ہے کہ انہوں نے زمانہ کی بے باک نگاہوں کو اپنے سامنے جھکنے پر مجبور کر دیا۔ قطع نظر اس سے کہ ان حضرات کا کام مثبت تھا یا منفی لیکن یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ جس شخص نے بھی اپنے خیالات دوسروں تک پہنچانے کے لئے قلم کا سہارا لیا اس نے حالات کے دھارے کو بدل کر رکھ دیا اور لوگوں میں اپنی تعلیمات کے ایسے گہرے اور انمٹ نقوش ثبت کیے کہ صدیوں بعد بھی ان اثرات کو زائل کرنا بہر حال کارے دارد ہوتا ہے۔

بڑے بڑے اساطین علماء کرام ومشائخ عظام اور مصنفین ومحررین فخام کی تعلیمات اگر

آج ہم میں موجود ہیں تو یقیناً یہ قلم ہی کا کرشمہ ہے بلکہ اس سے بڑھ کر۔ اگر قلم کا سہارا نہ لیا جاتا تو عالم اسباب میں وحی الٰہی، قرآن کریم اور تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت بھی آج کل کے معدوم الحافظہ لوگوں کے لئے انتہائی مشکل ہوتی۔

الاّ ان یقدر اللّٰہ و کان امر اللّٰہ قدرا مقدورا.

اسی کے پیش نظر اکابرین علماء امت کی دعاؤں کی بدولت، الحمدللہ ثم الحمدللہ ۱۱ رمضان المبارک ۱۴۲۳ھ کو مصنفین ومحررین، مترجمین اور محققین علماء پر مشتمل ایک جماعت تشکیل دی گئی ہے جسے "لجنة المصنفين" کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اس کے مستقل اراکین میں مولانا محمد انس چترالی (صاحب "خواب اور تعبیر") استاذ ادب عربی دار العلوم الاسلامیہ لاہور، مولانا خالد محمود صاحب (صاحب تراجم کثیرۃ) استاد جامعہ اشرفیہ لاہور اور احقر العباد شامل ہیں، اور یہ بات ہمارے لیے صد فخر ومباہات ہے کہ ہمیں الحمدللہ عارف باللہ راہ طریقت شیخ الحدیث حضرت مولانا مشرف علی صاحب تھانوی دامت برکاتہم، شیخ القراء استاذ الاساتذہ مولانا قاری احمد میاں صاحب تھانوی مدظلہم العالی اور محسن جامعہ "مولانا قاری خلیل احمد صاحب تھانوی زید مجدہم کی سرپرستی حاصل ہے جو ہمارے لیے باعث تسلی اور سبب حوصلہ افزائی ہونے کے ساتھ ساتھ اس بات کی بھی غماز ہے کہ موجودہ نازک حالات اور خطرناک موڑ پر انتہائی ضروری اور مستحسن قدم اٹھایا گیا ہے اور اس میں کیا ابہام وخفاء ہو سکتا ہے؟ چند موجیں مل کر بہرحال سیل رواں کا رخ دھار ہی لیا کرتی ہیں، چند پتھر مل کر بڑے بڑے طوفان کے آگے بند باندھ ہی دیا کرتے ہیں حتیٰ کہ اگر پانی کے چند چھوٹے چھوٹے قطرے بھی جمع ہو کر برسیں تو موسلا دھار اور طوفانی بارش کی صورت اختیار کر لیتے ہیں۔

قارئین کرام! آپ کے ہاتھوں میں موجود یہ کتاب "الـدّاء والـدّواء" (گناہوں کے نقصانات اور ان کا علاج) الجوزیؒ کا تصوف اور اخلاق کے موضوع پر عدیم النظیر اور بے مثال شاہکار ہے جس کی زود اثری کا اندازہ اس کے مطالعہ ہی سے کیا جا سکتا ہے۔ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ حضرت علامہ ابن قیم نے جس موضوع پر بھی قلم اٹھایا اسے عقلی ونقلی دلائل سے اس طرح مزین کیا کہ ایک طرف تو مضمون پڑھنے والے کے رگ میں سماتا چلا جائے اور دوسری طرف قاری اس کی فصاحت، ندرت اور جدت بیان سے بھی خوب محظوظ ہو سکے۔ زیر نظر کتاب میں بھی آپ حضرت علامہ ابن قیم الجوزیؒ کے اس انداز کا بخوبی مشاہدہ کر سکیں گے۔

اس کتاب کا اردو ترجمہ لجنة المصنفين کی پہلی کاوش ہے۔ ہم اپنی اس کوشش میں کس قدر کامیاب ہوئے؟ اس کا فیصلہ تو قارئین کرام ہی کریں گے۔ تاہم اتنا ضرور کہوں گا کہ یہ کتاب۔

بہر حال آپ کو پسند ضرور آئے گی۔

تحدیث بالنعمت کے طور پر یہ بھی عرض ہے کہ اس کتاب کے پایہ تکمیل تک پہنچنے کے بعد، اس کی طباعت کے مراحل کے دوران ہی الحمدللہ لجنة المصنفین نے آٹھ مزید کتابوں کا ترجمہ بھی مکمل کر لیا ہے۔ جن میں علامات یوم القیامہ (قیامت کی نشانیاں) از علامہ ابن کثیر، الطفل فی ضوء القرآن والسنہ (اولاد کی تربیت قرآن وسنت کی روشنی میں) از شیخ خلیل احمد جمعہ اور النساء المبشرات بالنار از شیخ منصور عبدالحکیم بطور خاص قابل ذکر ہیں۔

قارئین کرام سے یہی گزارش ہے کہ دینی خدمت میں مشغول تمام افراد کو، بالخصوص اراکین لجنة المصنفین کو اپنی مستجاب دعاؤں میں ضرور یاد رکھیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ ہماری کوششوں کو شرف قبولیت سے نواز کر ذخیرہ آخرت بنائیں اور ان کے نفع کو عام وتام بنائیں اور حاسدین کے حسد اور شریر لوگوں کے شر سے دور، بہت دور، اپنی حفظ وامان میں تاعمر سلامت وعافیت کے ساتھ دین کی خدمت میں مصروف رکھیں۔ آمین ثم آمین۔

آخر میں احقر، شیخ الحدیث حضرت مولانا مشرف علی تھانوی صاحب دامت برکاتہم کا انتہائی شکر گزار ہے جنہوں نے ہماری حوصلہ افزائی فرماتے ہوئے اس کتاب کے ترجمہ کا آغاز بھی اپنے دست مبارک سے فرمایا، بعدازں قدم بہ قدم ہماری راہنمائی بھی فرمائی اور کتاب کی تکمیل پر چند کلمات بابرکات بھی تحریر فرمائے جو ہمارے لیے سرمایہ افتخار ہیں اور آنجناب کی احقر پر عنایات ونوازشات کی ہلکی سی جھلک ہیں۔ ان ارشادات کو کتاب کے شروع میں بطور تقریظ منسلک کیا جا رہا ہے۔ ہم برادر محترم مولانا ناظم اشرف صاحب کے بھی شکر گزار ہیں جنہوں نے اس کتاب کی اشاعت اور مذکورہ صدر تینوں کتابوں کی اشاعت میں خصوصی دلچسپی لی۔ اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین

وصلی اللّٰہ علی النبیّ الکریم علیہ والٰہ الصلوٰۃ

والتسلیم واللّٰہ نسأل مرافقتھم فی دار النعیم.

برحمتک یاوھاب ، یاکریم، آمین ثم آمین

احقر عبدالعظیم کان اللہ لہٗ

(رکن لجنة المصنفین ومعین تحقیق ادارہ اشرف التحقیق

جامعہ دارالعلوم الاسلامیہ لاہور)

۸۔۵۔۱۴۲۴ھ

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

﴿حالاتِ مصنّف رحمہ اللہ﴾

اسم، لقب اور کنیت:

آپ کا اسمِ گرامی محمد بن ابی بکر بن ایوب بن سعد بن حریز الزرعی (دمشق کے علاقہ ''زرعہ'' کی نسبت سے) الدمشقی، لقب شمس الدین اور کنیت ابوعبداللہ ہے، آپ ابن قیم الجوزیہ کے نام سے معروف ہیں، یہ الجوزیہ ایک مدرسہ ہے جس کے سربراہ ان کے والد گرامی تھے۔

ولادت وتربیت:

آپ کی ولادت ماہ صفر ۶۹۱ھ بمقام دمشق ہوئی، اور تربیت وپرورش علم وفضل میں معروف ومشہور خاندان میں ہوئی، چنانچہ آپ نے چھ سال یا سات سال کی عمر میں علم کی تحصیل شروع کردی، اور مختلف علوم وفنون کو حاصل کرنے پر توجہ دینا شروع کردی۔ چنانچہ بہت سے علوم وفنون میں مہارت تامہ حاصل کی، خصوصاً علمِ تفسیر، علمِ حدیث، علمِ اصولِ تفسیر اور علمِ اصول حدیث میں کامل دسترس حاصل کی، حتی کہ آپ افادہ وتدریس کے اعلیٰ مقام ومرتبہ پر فائز ہوئے اور منصبِ افتاء وامامت کے اہل ہوئے، صدریہ میں تدریس اور جوزیہ میں ایک مدت تک امامت کی۔

شیوخ واساتذہ:

امام ابن قیم الجوزیہؒ نے علمِ عربیت مجد الدین ابوبکر بن محمد المرسی التونسی (المتوفی ۷۱۸ھ) اور محمد بن ابوالفتح البعلبکی الحنبلی (المتوفی ۷۰۹ھ) سے پڑھا، علم الفرائض اپنے والدِ گرامی سے خصوصیت سے حاصل کیا، علم فقہ مجد الدین اسماعیل الحرانی (المتوفی ۷۲۹ھ) اور تقی الدین احمد بن عبدالحلیم ابوالعباس بن تیمیہ الحنبلی (المتوفی ۷۲۸ھ) سے حاصل کیا، اور علم الاصول شیخ ابن تیمیہؒ اور صفی الدین محمد بن عبدالرحیم الھندی الشافعی (المتوفی ۷۱۵ھ) سے حاصل کیا، علم حدیث جن شیوخِ کرام سے حاصل کیا ان کے اسماء گرامی یہ ہیں۔

۱۔ علی زین الدین ابراہیم بن محمد ابونصر بن الشیرازی الشافعی (المتوفی ۷۱۴ھ)
۲۔ صدر الدین اسماعیل بن یوسف بن مکتوم السریدی الدمشقی (المتوفی ۷۱۶ھ)
۳۔ ابوبکر بن احمد بن عبدالدائم النابلسی (المتوفی ۷۱۸ھ)
۴۔ تقی الدین سلیمان بن حمزہ ابوالفضل المقدسی (المتوفی ۷۱۵ھ)
۵۔ عیسیٰ بن عبدالرحمٰن الصالحی الحنبلی المعروف بہ المطعم (المتوفی ۷۱۷ھ)
۶۔ امِ محمد فاطمہ بنتِ ابراہیم بن جوھر البطائحی (المتوفی ۷۱۱ھ)

جب شیخ تقی الدین بن تیمیہ دیارِ مصر سے ۷۱۲ھ میں واپس لوٹے تو آپؒ نے ان کے ساتھ علمی وابستگی تاحیات قائم کرلی اور ان سے علمِ کثیر حاصل کیا، دیگر مشاغل بھی جاری رہے، چنانچہ امام ابن قیمؒ لیل ونہار کی کثرت طلب کے ساتھ ساتھ فنونِ کثیرہ میں یکتائے روزگار بنے۔

شاگرد:

بعض تلامذہ کرام کے اسماء گرامی یہ ہیں:

۱۔ آپؒ کے بیٹے عبداللہ

۲۔ حافظ ابن کثیرؒ، صاحب البدایہ والنھایہ، وتفسیر القرآن العظیم

۳۔ حافظ ابن رجب الحنبلیؒ

۴۔ ابن عبدالھادیؒ

۵۔ شمس الدین محمد بن عبدالقادر النابلسیؒ

عبادت وعادات:

حافظ ابن کثیرؒ ''البدایہ والنھایہ'' میں رقمطراز ہیں۔ ''آپؒ خوش اخلاق، خوش الحان اور بہت محبت وتعلق والے تھے۔ کسی سے حسد نہیں رکھتے تھے، نہ اذیت دیتے نہ کینہ وبغض رکھتے اور نہ ہی عیب جوئی کرتے، میں نے ان کی سب سے زیادہ صحبت اٹھائی ہے، اور میں ان سے سب سے زیادہ محبت وتعلق رکھنے والا ہوں، میرے علم کے مطابق اس جہاں میں ان سے بڑھ کر کوئی عبادت گزار نہیں، نماز میں ایک خاص طریقہ ہوتا، نماز کو بہت طویل کرتے، رکوع اور سجدہ میں دیر لگاتے۔ اللہ تعالیٰ ان پر رحم کرے، خیر واخلاقِ حسنہ ان پر غالب تھے۔''

طور وطریق اور عقیدہ:

ابن القیم الجوزیہ رحمہ اللہ تعالیٰ پاک صاف عقیدہ کے مالک تھے۔ آپ عقیدہ کے ابواب ومفردات کو کتاب وسنت کے علم سے ڈھونڈتے اور چاہتے تھے، اصحابِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے طریق کو بھی سامنے رکھتے اور اس کے علاوہ آپؒ

فلاسفہ اور متکلمین کے منہج وطرز سے بھی واقف تھے۔ آپ کا اعتقاد تھا کہ حق صرف نصوص کی اتباع اور التزام میں ہے۔ آپؒ کسی قسم کی تاویل، تعطیل اور تشبیہ وتمثیل کے روادار نہ تھے۔ آپؒ گمراہ اور بدعت پسند فرقوں کے دشمن تھے۔ آپؒ اپنے ادلہ کے انوار سے ان فرقوں کی خواہشات کی ظلمت کی تصویب واصلاح کرتے تھے۔ ان کے بطلان وضلالت کا کشف واظہار کرتے تھے، آپؒ انسانی عقول کو بیدار کرنے، ان کی طلبِ دلیل وحجت پر حوصلہ افزائی کرنے اور نفوس کو مذموم عصبیت اور قابل نفرت خواہشات سے دور رکھنے کے داعی تھے، آپؒ کے منہج میں یہ تھا کہ آپؒ قرآن وسنت پر کسی چیز کو مقدم نہیں سمجھتے تھے، اور نہ ہی کسی کے اقوال کو اقوالِ صحابہؓ کے برابر ومساوی سمجھتے تھے، جب کسی مسئلہ میں قرآن وسنت اور قولِ صحابیؓ نہ پاتے تو پھر قیاس کی طرف رجوع فرماتے، آپؒ دو متماثل امور میں تفریق کو جائز نہیں قرار دیتے تھے اور نہ ہی دو مختلف الحکم میں جمع کے قائل تھے۔ آپؒ کا خیال یہ تھا کہ یہ ناممکن ہے کہ قیاس صحیح ثابت شدہ نص کے متعارض ہو، امام ابن قیمؒ نے اپنی ساری حیات راہ دعوت میں جہاد کرتے ہوئے، لوگوں کو عقیدۂ خیر القرون اور عشرہ مبشرہ بالجنۃ کی عبادت پر واپس لانے، فرقہ واختلاف کے ترک کرنے اور نزاع واختلاف کو اللہ ورسولؐ کے احکامات کے مطابق حل کرنے میں گزار دی۔ آپؒ کو اپنی دعوت اپنے اصول پر ثابت قدمی اور ہمعصر لوگوں کے خواہشات کے خلاف فتویٰ دینے کے سبب طرح طرح کی اذیتیں دی گئیں۔ اور آپ نے شیخِ عظیم ابن تیمیہؒ کے ہمراہ ایک قلعہ میں منفرداً قید وبند کی صعوبتیں اٹھائیں، شیخ کی وفات کے بعد ہی اس صعوبت گاہ سے خلاصی حاصل ہوئی۔

تالیفات:

امام ابن قیمؒ ان ممتاز علماء میں سے ہیں جنہیں تالیف کے میدان میں

حظ وافر نصیب ہوا، ایک بڑی تعداد میں چھوٹی بڑی تصانیف یادگار چھوڑیں، بہت سی کتب خوش خطی سے رقم کیں، آپؒ نے سلف وخلف کی کتب میں سے بہت سی ایسی کارآمد چیزیں جمع کیں جو دوسروں کے لئے ممکن نہ ہوسکیں، آپؒ کی نمایاں تالیفات وتصنیفات مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ زاد المعادفی هدی خیر العباد (طبع فی الهند۱۲۹۸ھ وفی مصر ۱۳۲٤و ۱۳٤۷ھ)

۲۔ حادی الارواح الی بلاد الافراح

۳۔ کتاب الداء والدواء (او) الجواب الکافی لمن سأل عن الدواء الشافی

٤۔ مدارج السالکین بین منازل ایاك نعبدوایاك نستعین (یہ کتاب شیخ الاسلام عبداللہ بن محمد انصاری ہروی کی ''منازل السائرین'' کی شرح ہے)

٥۔ تحفة الودود فی احکام المولود

٦۔ الروح (برھان الدین بقاعی نے اس کا ''سر الروح'' کے نام سے اختصار کیا ہے)

۷۔ عدة الصابرین وذخیرة الشاکرین ۸۔ بدائع الفوائد

۹۔ طریق الهجرتین وباب السعادتین

۱۰۔ مفتاح دار السعادة ومنشورولایة العلم والارادة

۱۱۔ الصواعق المنزلة علی الجهمیة والمعطلة

۱۲۔أعلام الموقعین عن رب العالمین

۱۳۔امثال القرآن ۱٤۔اغاثة اللهفان فی حکم طلاق الغضبان

۱٥۔أغاثة اللهفان فی مصائدالشیطان

۱۶۔التبیان فی أقسام القرآن

۱۷۔التحریر فیما یحل ویحرم من لباس الحریر

۱۸۔بطلان الکیمیاء من اربعین وجهاً

۱۹۔الرسالة الجلیة فی الطریقة المحمدیة

۲۰۔روضة المجین ونزهة المشتاقین

۲۱۔زاد المسافرین الی منازل السعدآء فی هدی خاتم الانبیآء

۲۲۔حرمة السماع

۲۳۔حکم تارك الصلاة

۲۴۔جوابات عابدی الصلبان وأن ماهم علیه دین الشیطان

۲۵۔جلاء الافهام فی ذکر الصلاة والسلام علی خیر الانام

۲۶۔تفسیر المعوذتین

۲۷۔تفسیر الفاتحة

۲۸۔تفضیل مکة علی المدینة

۲۹۔الصراط المستقیم فی احکام اهل الجحیم

۳۰۔الطاعون

۳۱۔شرح الأسماء الحسنی

۳۲۔شفاء العلیل فی القضاء والقدر والحکمة والتعلیل

۳۳۔السنة والبدعة

۳۴۔الصبر والسکن

۳۵۔الفوائد المشوق الی علوم القرآن وعلم البیان ("کشف الظنون" میں

"الایجاز" نام سے ان کی ایک کتاب مذکور ہے غالباً یہ وہی ہے)

۳٦۔المهدى

۳۷۔الکلم الطیب والعمل الصالح

۳۸۔الکبائر

۳۹۔معانى الادوات والحروف

٤٠۔نور المؤمن وحياته

وفات:

ابن قیم رحمہ اللہ تعالیٰ نے جمعرات کی شب ۱۳ رجب المرجب ۷۵۱ھ بوقتِ اذان عشاء وفات پائی۔ اگلے روز جامع اموی میں بعداز نماز ظہر نماز جنازہ ادا کی گئی، اور اپنی والدہ مکرمہ کے پہلو میں باب الصغیر کے قبرستان میں مدفون ہوئے، جنازہ میں کثیر تعداد میں لوگ جمع تھے۔ آپ کے جنازہ میں اکابرین وصالحین، عوام وخواص اور ہر طبقہ کے لوگ شریک تھے۔ جنازہ کے اٹھانے کے وقت لوگوں کا ازدحام کثیر تھا، وفات کے وقت عمرِ نفیس ساٹھ سال کی تھی رحمہ اللہ تعالیٰ۔

﴿کچھ اس کتاب کے متعلق﴾

یہ کتاب ''الداء والدواء'' یا ''الجواب الکافی لمن سأل عن الدواء الشافی '' امام ابن قیم رحمہ اللہ تعالیٰ کے رشحاتِ قلم اور قلمِ بصیر کا نتیجہ ہے۔ ان کی یہ تصنیف بہت عمدہ، باعثِ ہدایت اور ذریعہ شفاء ہے۔ اس کتاب کے پڑھنے سے معلوم ہوگا کہ صاحبِ کتاب، کتاب اللہ اور حدیثِ رسولؐ کے متعلق کس درجہ بصیرت ومہارت کے مالک تھے۔ کتاب وسنت کی نصوص کی مدد سے انسانی نفس کی حقیقت واصلیت جان کر کے اس کے علل وامراض اور عیوب وآفات کا کشف وبیان آپؒ کے بس میں تھا، اور پھر ان امراض وعیوب کے علاج کو مثالی طریقہ سے بلیغ عبارت اور شاندار سہل اسلوب میں پیش کرنا بھی آپ ہی کا کارنامہ تھا۔ اللہ تعالیٰ ان کی اس کتاب کو ان کے میزانِ حسنات میں سے بنائے اور اس کے ذریعہ تمام مسلمانوں کو نفع عطا فرمائیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم ط

استفتاء

کیا فرماتے ہیں علماء کرام اور ائمہ دین اس شخص کے بارے میں جو ایک مصیبت اور آزمائش سے دو چار ہے، اور اسے یقین ہے کہ اگر وہ مصیبت و آفت برقرار اور قائم رہی تو اس کی دنیا وآخرت تباہ ہوجائے گی جبکہ وہ اپنے طور پر اس کے دفعیہ میں ہر ممکن کوشش بھی کرتا ہے مگر اس آفت میں بجائے کمی آنے کے اضافہ اور شدت ہی آتی جاتی ہے، اس آفت ومصیبت کو دور کرنے کی تدبیر کیا ہو؟ کیا اس مشکل سے نکلنے کی کوئی راہ ہے؟ اللہ تعالیٰ گرفتار مصیبت کی اعانت کرنے والے کے ساتھ رحم وکرم کا معاملہ فرمائے۔ اور (حدیث مبارک بھی ہے کہ) جب تک بندہ اپنے بھائی کی مدد میں رہتا ہے اللہ تعالیٰ اس بندہ کی مدد میں رہتے ہیں۔ افتاء سے نواز کر ماجور ہوں۔ رحمکم اللہ تعالیٰ۔

☆جواب:

(اب یہاں سے ساری کتاب اسی استفتاء کا مفصل ومدلل جواب ہے)
شیخ، امام، عالم، شیخ الاسلام، مفتی المسلمین، ابوعبداللہ شمس الدین بن ابی بکر ایوب مدرسہ جوزیہ کے امام رحمہ اللہ تعالیٰ جواب دیتے ہیں۔

ہر مرض قابلِ علاج ہے:

الحمدللہ.........

أمابعد! صحیح بخاری میں حدیث ابی ھریرۃؓ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

﴿ مَاانُزَلَ اللّٰهُ دَاءً إِلَّا اَنُزَلَ لَهٗ شِفَاءً ﴾[1]
یعنی ”اللہ تعالیٰ نے ہر بیماری کی شفاء نازل کی ہے۔“

صحیح مسلم میں حدیث جابر بن عبداللہؓ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

﴿ لِكُلِّ دَآءٍ دَوَاءٌ ، فَاِذَا أَصَابَ دَوَاءُ الدَّاءِ بَرَأَبِإِذُنِ اللّٰهِ ﴾[2]
یعنی ”ہر بیماری کا علاج ہے، اور جب وہ دوا پہنچتی ہے تو اللہ کے حکم سے بیماری دور ہوجاتی ہے۔“

مسند احمد میں حدیث اسامہ بن شریکؓ ہے کہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

﴿ إِنَّ اللّٰهَ لَمُ يَنُزِلُ داءً إِلَّا اَنُزَلَ لَهٗ شِفَاءً، عَلِمَهٗ مَنُ عَلِمَه، وَجَهِلَهٗ مَنُ جَهِلَهٗ ﴾[3]

---

[1] بخاری (ج۱۰/۵۶۷۸۔ فتح الباری) [2] مسلم (ج۴/۶۹، السلام)
[3] مسند احمد (ج۴/۲۷۸) وترمذی (ج۴/۲۰۳۸)

یعنی ''یقیناً اللہ تعالیٰ نے ہر بیماری کی شفاء نازل کی ہے۔ جاننے والے اس کو جانتے ہیں اور نہ جاننے والے نہیں جانتے۔

ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں:

﴿إِنَّ اللّٰهَ لَمْ يَضَعْ دَاءً إِلَّا وَضَعَ لَهُ شِفَاءً اَوْدَوَاءً ، إِلَّا دَاءً وَّاحِدًا۔ قَالُوْا: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ مَاهُوَ؟قَال: " اَلْهَرِمُ"﴾

یعنی ''اللہ تعالیٰ نے ہر بیماری کی شفاء یا علاج رکھا ہے سوائے ایک بیماری کے، صحابہؓ نے عرض کیا یارسولؐ اللہ! وہ کونسی لاعلاج بیماری ہے؟ فرمایا: بڑھاپا۔

امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے۔

جہالت کا مرض اور اس کا علاج:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جہالت وناواقفیت کو ایک حدیث مبارک میں بیماری اور مرض قرار دیا، اور اہل علم سے پوچھ لینا اس کا علاج بتایا، اور یہ علاج قلب وروح اور جسم وبدن دونوں کے امراض کو شامل ہے، چنانچہ امام ابوداوٗدؒ نے ''سنن ابی داوٗد'' میں حدیث جابرؓ بن عبداللہ نقل کی ہے، حضرت جابرؓ فرماتے ہیں: ہم لوگ ایک سفر میں نکلے راستہ میں ہم میں سے ایک آدمی کو سر پر پتھر لگا جس سے اس کا سر زخمی ہوگیا، پھر اتفاق سے اسے احتلام بھی ہوگیا، اس نے اپنے ساتھیوں سے مسئلہ دریافت کیا کہ مجھے بتائیں کیا میں ایسے حال میں تیمّم کرسکتا ہوں؟ ساتھیوں نے کہا تمہیں تیمّم کی اجازت نہیں ہے، اس لئے کہ تم پانی استعمال کرسکتے ہو، چنانچہ اس نے غسل کیا اور اس صدمہ سے فوت ہوگیا، جب ہم لوگ سفر سے واپسی پر نبی محترم ومکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سارا واقعہ آنجناب علیہ السلام کو بتایا تو آپؐ نے فرمایا: ''ساتھیوں نے اس کو مار ڈالا، اللہ ان کو مارے، جب وہ مسئلہ نہیں جانتے تھے تو پوچھ ہی لیا ہوتا، کیوں کہ ناواقف کی شفاء پوچھ لینے ہی میں ہے، اس (بیچارے)

کے لئے تو بس تیمّم ہی کافی تھا اور زخم پر کوئی پٹی باندھ لیتا، پھر اس پٹی پر مسح کرلیتا، اور باقی جسم دھولیتا۔"[1] معلوم ہوا کہ جہالت یعنی ناواقفیت بھی ایک مرض ہے جس کا علاج اہل علم سے سوال کرلینا ہے۔

قرآنِ حکیم باعثِ شفاء ہے:

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں قرآنِ حکیم کا باعثِ شفاء ہونا ذکر فرمایا ہے، ارشادِ الٰہی ہے:

﴿وَلَوْ جَعَلْنَاهُ قُرْآناً أَعْجَمِياً لَقَالُوْا لَوْلَا فُصِّلَتْ ايٰتُهٗ ط ءَ اَعْجَمِیٌّ وَّعَرَبِیٌّ ط قُلْ هُوَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هُدًى وَّشِفَآءٌ ط﴾

یعنی "اگر ہم اس کو عجمی (زبان کا) قرآن بناتے تو یوں کہتے کہ اس کی آیتیں صاف صاف کیوں نہیں بیان کی گئیں۔ یہ کیا بات کہ عجمی کتاب اور عربی رسول، آپ کہہ دیجئے کہ یہ قرآن ایمان والوں کے لئے تو رہنما اور شفا ہے۔ (حم السجدہ:۴۴)

نیز فرمایا:

﴿وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْآنِ مَاهُوَ شِفَاءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ﴾

یعنی "اور ہم قرآن میں ایسی چیزیں نازل کرتے ہیں کہ وہ ایمان والوں کے حق میں تو شفاء اور رحمت ہے۔" (الاسراء:۸۲)

یہاں "مِــنْ" تبعیض کے لئے نہیں بلکہ بیانِ جنس کے لئے ہے، اس لئے کہ سارا قرآن پاک ہی باعث شفاء ہے، جیسا کہ دوسری آیت میں فرمایا گیا، لہٰذا یہ قرآن جہل اور ریب وشک جیسے امراضِ قلب کے لئے شفاء کا ذریعہ ہے، اللہ سبحانہ

---

[1] ابوداؤد (ج۱/۳۳۶، ۳۳۷)

وتعالیٰ نے ازالہء مرض کے لئے قرآن سے بڑھ کر کوئی چیز زیادہ نافع زیادہ عظیم اور کارگر دوا وشفاء نازل نہیں فرمائی۔ چنانچہ صحیحین میں حدیث ابی سعیدؓ موجود ہے۔حضرت ابوسعیدؓ فرماتے ہیں: ’’ایک مرتبہ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک سفر پیش آیا، سفر کے دوران عرب کے ایک محلّہ میں پڑاؤ ڈالا، اہل محلّہ سے ضیافت چاہی مگر انھوں نے مہمان بنانے سے انکار کردیا، اتفاق سے محلّہ کے سردار کو سانپ وغیرہ نے ڈس لیا، چنانچہ ان لوگوں نے ہر طرح کا علاج کیا مگر کوئی شے کارگر ثابت نہ ہوئی، کسی نے کہا کہ اگر اس محلّہ میں آئی ہوئی جماعت کے پاس جایا جائے تو بہتر ہوگا کیونکہ ہوسکتا ہے کہ ان کے پاس اس کا کوئی علاج ہو، چنانچہ اہل محلّہ صحابہ کی جماعت کے پاس آئے اور آکر کہنے لگے: اے جماعت کے لوگو! ہمارے سردار کو سانپ نے ڈس لیا ہے، ہم نے اس کے علاج میں سرتوڑ کوشش کرلی مگر کسی چیز سے اس کو نفع نہیں ہورہا ہے، کیا تم میں سے کسی کے پاس اس کے علاج کی کوئی صورت ہے؟ (ہم بہت پریشان ہیں) جماعت کے ایک فرد نے جواب میں کہا کہ بخدا! میں دم کرسکتا ہوں، لیکن واللہ (تم ایسے بے مروت ہو کہ) ہم نے ضیافت تم سے چاہی تھی پر تم نے ہمیں مہمان بنانا قبول نہیں کیا، لہٰذا جب تک تم اس پر اجرت مقرر نہیں کردوگے میں دم وغیرہ نہیں کروں گا، چنانچہ بکریوں کے ایک ریوڑ پر مصالحت ہوگئی۔ وہ صاحب اس سردار پر سورۃ الحمد شریف پڑھ کر دم کرتے رہے حتیٰ کہ وہ ایسا ٹھیک ہوگیا کہ جیسے رسی میں بندھا تھا اور اب دم کرنے سے وہ رسی کھل گئی، اور ساری بیماری دور ہوگئی، اور چلنے لگا، اور پھر ان لوگوں نے مصالحت کردہ اجرت پوری پوری ادا کردی، صحابہؓ کی جماعت میں سے کسی نے کہا کہ یہ مال آپس میں تقسیم کرلو، تو دم کرنے والے نے کہا کہ جب تک حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر سارا واقعہ ذکر نہیں کردیا جاتا اور آپ ﷺ کا حکم معلوم نہیں کرلیا جاتا ایسا نہیں کرنا

چاہئیے ، چنانچہ صحابہؓ کی وہ جماعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور سارا واقعہ بتایا تو آپؐ نے فرمایا: تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ یہ سورۂ فاتحہ بھی دم ہے؟ پھر فرمایا کہ تم نے ٹھیک کام کیا، یہ مال آپس میں بانٹ لو، اور میرا حصہ بھی اپنے ساتھ لگالو'' [۱]

دیکھئے اس دوا نے اس مرض میں اپنا اثر دکھایا، اس کو زائل اور کالعدم کردیا، یہ سورۂ فاتحہ سب سے سہل اور آسان دوا وعلاج ہے۔ اگر کوئی شخص سورۂ فاتحہ کے ذریعہ حسنِ علاج کرے تو وہ اس میں عجیب تاثیر دیکھے گا۔ خود میرے ساتھ واقعہ پیش آیا، مکہ مکرمہ میں امراض سے دو چار ہوا، یوں ہی ایک عرصہ تک پڑا رہا، نہ کوئی معالج تھا اور نہ ہی دوا، بس میں اپنا علاج سورۂ فاتحہ سے کرتا رہا چنانچہ میں ٹھیک ہوگیا۔ میں اس سورہ کی عجیب تاثیرات دیکھتا ہوں، جو کوئی میرے سامنے کسی بھی درد تکلیف کی شکایت کرتا ہے میں اسے سورۂ فاتحہ ہی کا بتاتا ہوں، بہت سوں کو بہت جلد اس کے ذریعہ شفائیں نصیب ہوئی ہیں۔ ☆ لیکن یہاں ایک امر قابل توجہ ہے کہ یہ اذکار وآیات اور دعائیں جن کے ذریعہ دم وغیرہ کیا جاتا ہے اور طلبِ شفاء کی جاتی ہے یہ آیات وادعیہ فی ذاتہ نافع اور باعثِ شفاء ہیں، درحقیقت یہ اذکار وغیرہ محل کی قبولیت اور فاعل کی ہمت وقوت اور اس کی تاثیر کا تقاضا کرتے ہیں، شفاء میں تخلف اصل میں فاعل کی تاثیر کے ضعف اور منفعل (محل) کے قبول نہ کرنے کی وجہ سے ہوتا ہے، یا پھر کوئی قوی مانع ہوتا ہے جو دوا کا اثر ظاہر ہونے میں رکاوٹ ہوتا ہے، جیسا کہ یہ امر دوسری حسی امراض وعلاج میں بھی واقع ہے۔ جس کا سبب کبھی تو طبیعت کا اس دوا کو قبول نہ کرنا ہوتا ہے اور کبھی کوئی قوی مانع موجود ہوتا ہے جو اس دوا کی تاثیر سے روکنے کا سبب ہوتا ہے، کیونکہ (یہ اصول ہے کہ) انسانی طبیعت جب مکمل طور پر دوا کو قبول کرلے تو بدن کو اس سے فائدہ اسی قبولیت کے مطابق حاصل ہوتا ہے۔ یہی حال قلب کا ہے کہ جب قلبِ انسانی تعویذ اور دم وغیرہ کو قبولیت تام کے ساتھ قبول

---

[۱] بخاری (ج ۶/۴، ۲۲۷، فتح الباری) ومسلم (ج ۶۵/۴، ۶۶)

کرتا ہے اور تعویذ دم کرنے والا باہمت وفعال ہوتا ہے تو یہ چیز اس مرض کے ازالہ میں مؤثر بن جاتی ہے۔

دُعا مصیبت کو دور کرتی ہے:

یہی حال دعا کا ہے، کیونکہ دُعا دفعِ مصیبت اور حصولِ مراد میں قوی ترین سبب کا درجہ رکھتی ہے لیکن کبھی دعا اپنا اثر چھوڑ دیتی ہے۔(۱) اس کی وجہ خود دعا کا ضعیف ہونا ہوتا ہے بایں صورت کہ وہ دُعا کسی زیادتی وناانصافی پر مبنی ہونے کی وجہ سے عنداللہ ناپسندیدہ ہوتی ہے۔(۲) یا پھر اس کی وجہ قلب کا ضعف، اس کا متوجہ الی اللہ نہ ہونا اور بوقتِ دعا خاطر جمعی حاصل نہ ہونا ہوتا ہے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی کمان بہت ہی ڈھیلی ہو، ظاہر ہے اس سے نکلنے والا تیر بھی زیادہ دور نہیں جاسکے گا۔ (۳) یا پھر قبولیتِ دعا سے کوئی چیز مانع ہے۔ جیسے حرام کھانا، دلوں کا زنگ آلود ہونا اس پر غفلت، شہوت اور لہو ولعب کا غلبہ ہونا۔ مستدرکِ حاکم میں حدیثِ ابی ھریرۃؓ ہے کہ نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''تم قبولیتِ دعا کا یقین رکھتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے دعا کیا کرو۔''[۱]

غافل کی دُعا:

یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ غافل اور لاپرواہ شخص کی دعا قبول نہیں فرماتے۔ دعا اگرچہ مرض کے ازالہ کے لئے نافع دوا ہے لیکن دُعا کی قوت اللہ سے غفلت کی وجہ سے ختم ہوکر رہ جاتی ہے، اسی طرح حرام خوری بھی دُعا کی قوت کو ضعیف کردیتی ہے، جیسے صحیح مسلم میں حدیث ابی ھریرۃؓ ہے کہ رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے ارشاد فرمایا:

''اے لوگو! بے شک اللہ تعالیٰ پاک ہیں، پاک چیز ہی قبول فرماتے ہیں''

---

[۱] مستدرک حاکم (ج ۱ ص ۴۹۳)

اور اللہ تعالیٰ نے جس بات کا حکم پیغمبروں کو دیا ہے۔ اسی کا حکم مسلمانوں کو بھی دیا ہے، اللہ جل شانہ فرماتے ہیں:

﴿یَآ اَیُّهَا الرُّسُلُ کُلُوْا مِنَ الطَّیِّبَاتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحاً اِنِّیْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِیْمٌ﴾ (المؤمنون:۵۱)

یعنی ''اے پیغمبرو! پاکیزہ چیزوں میں سے کھاؤ، اور نیک عمل کرو، میں بے شک تمہارے اعمال کو جاننے والا ہوں۔''

دوسری جگہ فرمایا:

﴿یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا کُلُوْا مِنْ طَیِّبَاتِ مَارَزَقْنٰکُمْ﴾

یعنی ''اے ایمان والو! ہمارے دیئے ہوئے پاکیزہ رزق میں سے کھاؤ۔'' (البقرۃ:۱۷۲)

اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آدمی کا ذکر فرمایا جو لمبے لمبے سفر کرتا ہے، پراگندہ بال وحال ہے، آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا اٹھا کر دعائیں کرتا ہے۔ پروردگار! پروردگار! حالانکہ اس کا کھانا حرام کا ہے، اس کا لباس حرام کا ہے، اس کا بدن حرام مال سے ہی پرورش پایا ہے۔ (بتاؤ) اس کی دعا کہاں اور کیسے قبول ہوگی؟[1] امام احمدؒ کے بیٹے عبداللہ نے کتاب الزھد میں یہ واقعہ ذکر کیا ہے کہ ایک دفعہ بنی اسرائیل کسی بلا و مصیبت میں مبتلا ہوئے اور توبہ کیلئے گھروں سے باہر نکلے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے پیغمبر پر وحی نازل کی کہ ان لوگوں کو بتا دیجئے کہ تم لوگ ناپاک بدن لے کر میدان میں نکل رہے ہو، ایسے ہاتھوں کو میری طرف اٹھا رہے ہوں جن کے ذریعہ تم نے خونریزیاں کیں اور جن کے ذریعہ تم نے اپنے گھروں کو حرام مال سے بھر

---

[1] صحیح مسلم (ج۲ص۶۵ الزکاۃ)

رکھا ہے، اب عقل آئی ہے جب میرا غضب شدت اختیار کر چکا ہے؟ اب تو ہمیشہ کے لئے تمہیں میری دوری ہی حاصل ہوگی۔'' ابوذرؓ فرماتے ہیں: جس قدر کھانے کے لئے نمک کافی ہوتا ہے اتنی ہی نیکی دعا کے لئے کافی ہوتی ہے۔

دُعا نافع ترین دوا ہے:

دُعا واقعی نافع ترین دوا ہے، یہ دعا بلاو آفت کی دشمن ہے، بلاو مصیبت کو دور کرتی ہے، نزولِ آفت میں مانع، اس کو رفع دفع اور کم از کم اس میں تخفیف کر دیتی ہے، دعا مومن کا ہتھیار ہے۔ حاکم نے اپنی صحیح میں حدیث علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نقل کی ہے کہ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''دعا مؤمن کا ہتھیار، دین کا ستون اور آسمانوں وزمین کا نور ہے۔''[1]

دُعا کے درجات:

دُعا کے بلاو مصیبت کے مقابلہ میں تین درجات ہیں: اوّل: دُعا اس مصیبت کے مقابلہ میں زیادہ قوی ہو، اس صورت میں وہ دعا اس بلاو مصیبت کو دور کر دے گی، ثانی: دعا اس بلاو مصیبت کے مقابلہ میں کمزور تر ہو، اس صورت میں بندہ پر بلاو مصیبت قوی ہوگی یعنی بندہ اس بلا سے دو چار ہو جاتا ہے، لیکن کبھی کمزور دعا اس بلا میں تخفیف بھی کر دیتی ہے۔ ثالث: دعا اور بلا دونوں باہم مزاحم ہوں، ہر ایک دوسرے کے مقابلہ میں مانع ہو۔ حاکم نے صحیح میں حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''تقدیر سے بچاؤ نہیں، اور دعا، بلا کے

[1] حاکم (ج ۱ ص ۴۹۲)

نزول اور عدم نزول (دونوں صورتوں میں) نافع و مفید ہے، اس لئے کہ بلا نازل ہوتی ہے تو دعا اس کے مقابل آجاتی ہے پھر دونوں روز قیامت تک باہم ٹکراتے رہتے ہیں۔[۱]

حاکم نے صحیح میں حدیث ابن عمرؓ بھی نقل کی ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے ارشاد فرمایا: ''دعا مصیبت کے نزول اور عدم نزول (دونوں حالتوں میں) فائدہ بخش ہے، لہٰذا اے اللہ کے بندو! دعا کو اپنے اوپر لازم کرلو۔[۲]

صحیح حاکم ہی میں حدیث ثوبانؓ بھی ہے کہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: '' تقدیر کو دعا کے علاوہ کوئی چیز ٹال نہیں سکتی، نیکی عمر میں اضافہ کا سبب ہے، انسان گناہ کے ارتکاب کی وجہ سے رزق سے محروم کردیا جاتا ہے۔''[۳]

دُعا میں آہ وزاری کرنا:

دُعا میں اصرار اور آہ وزاری بھی نافع ترین دوا وعلاج ہے۔ سنن ابن ماجہ میں حدیث ابی ھریرۃؓ منقول ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جو شخص اللہ تعالیٰ سے سوال نہ کرے، اللہ تعالیٰ اس پر غضبناک ہوجاتے ہیں۔''[۴] صحیح حاکم میں حدیث انسؓ مروی ہے کہ نبیِ مکرم رحمتِ مجسم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: '' دُعا سے تھک ہار کر بیٹھ نہ جایا کرو، کیوں کہ دعا کی (برکت) سے کوئی ہلاک نہیں ہوتا۔''[۵]

امام اوزاعیؒ نے عن الزھری عن عروۃ عن عائشہ رضی اللہ عنہا روایت ذکر کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: '' بے شک اللہ تعالیٰ دعا میں اصرار

---

[۱] حاکم (ج ۱ ص ۴۹۲) [۲] حاکم (ج ۱ ص ۴۹۳)
[۳] حاکم (ص ۴۹۳/۱) [۴] سنن ابن ماجہ (۳۸۲۷/۲) [۵] صحیح حاکم (۴۹۴/۱)

اور زاری کرنے والے سے محبت رکھتے ہیں۔'' امام احمدؒ کی کتاب الزھد میں روایت قتادہؒ موجود ہے کہ حضرت مورقؒ نے فرمایا: میں نے مومن کے لئے سوائے اس کے اور کوئی امر قابل عبرت نہیں پایا کہ ایک آدمی سمندر کے اندر ایک (تختہ یا) لکڑی پر ہو اور اے رب! اے رب! پکارے، شاید کہ اللہ تعالیٰ اسے اس مصیبت سے نجات دے دیں۔''

دُعا کی آفات:

وہ آفات جو دعا کا اثر مرتب ہونے میں مانع ہوتی ہیں۔ ان میں سے ایک اہم یہ ہے کہ بندہ جلد بازی سے کام لے، یعنی جب قبولیتِ دعا میں تاخیر ہونے لگے تو وہ حسرت کرتا ہوا دعا ہی کو ترک کر دے، یہ تو ایسا ہی ہوا جیسے کوئی شخص زمین میں بیج بوئے یا کوئی پودہ لگائے پھر اس کی دیکھ بھال کرے اور اسے پانی وغیرہ بھی دے، لیکن جب وہ لگائی ہوئی یا بوئی ہوئی چیز اپنے کمال کو پہنچنے میں تاخیر کرے تو اسے چھوڑ چھاڑ کر بیٹھ جائے۔ صحیح بخاری میں حدیث ابی ھریرہؓ مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: '' جب تک بندہ عجلت سے کام نہیں لیتا۔ اس کی دعا قبول ہوتی رہتی ہے یعنی وہ یہ کہے کہ میں نے دعا کی تھی وہ قبول نہیں ہوئی۔[۱]

صحیح مسلم میں ان ہی سے روایت ہے کہ ارشاد نبویؐ ہے: '' بندہ کی دعا ہمیشہ قبول ہی ہوتی رہتی ہے۔ جب تک کہ وہ کسی گناہ کی دعا نہ کرے، قطع رحمی کی دعا نہ کرے، اور جب تک جلد بازی کا مظاہرہ نہ کرے، عرض کیا گیا یا رسول اللہ! جلد بازی سے کیا مراد ہے؟ آپؐ نے فرمایا: یہی کہ وہ کہے کہ میں نے دعا کی تھی۔ میں نے دعا

---

[۱] بخاری (۶۳۴۰/۱۱)

کی تھی۔ مجھے نہیں لگتا کہ وہ قبول بھی ہوگی، بالآخر وہ کفِ حسرت ملتا ہوا دعا ہی ترک کرڈالتا ہے۔''[1]

مسند احمد میں حدیث انسؓ ہے کہ رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا ارشاد ہے:'' بندہ جب تک عجلت سے کام نہ لے ہمیشہ خیر میں رہتا ہے، صحابہؓ نے عرض کی یارسول اللہ ! عجلت کیسے کرے؟ فرمایا: بندہ کہے کہ میں نے اپنے رب سے دعا کی تھی لیکن وہ قبول ہی نہیں ہوئی۔''[2]

قبولیتِ دُعا کے اوقات:

اگر دُعا میں کامل حضور قلبی اور خاطر جمعی ہو اور وہ دعا قبولیت کی چھ ساعات میں سے کسی مقبول ساعت کے موافق بھی ہوجائے تو ایسی دُعا رد نہیں ہوتی۔ وہ چھ مقبول ساعات یہ ہیں:

۱۔ رات کا آخری تہائی حصہ
۲۔ اذان کا وقت
۳۔ اذان واقامت کے درمیان کا وقت
۴۔ فرض نمازوں کے بعد
۵۔ جمعہ کے دن امام کے منبر پر بیٹھنے سے نمازِ جمعہ کے اختتام تک کا وقت
۶۔ عصر کے بعد کی آخری ساعت

داعی کے قلب میں خشوع اور رب تعالیٰ کے سامنے عجز وانکساری اور ذلت ورقت کا اظہار ہو، نیز داعی قبلہ رخ ہو، باوضو ہو، اللہ کے سامنے اپنے ہاتھ اٹھائے، اللہ کی حمد وثناء سے ابتداء کرے۔ پھر حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم پر درود وسلام پڑھے، حاجت پیش کرنے سے پہلے توبہ واستغفار اور صدقہ وغیرہ کرے، اس کے

[1] مسلم (۴/۹۲۔ الذکر)
[2] احمد (۲/۳۹۶)

بعد اللہ جل شانہ کے سامنے حاضر ہوکر خوب لجاجت واصرار سے اپنی حاجت مانگے، اور اللہ سے رغبت ورہبت کے ساتھ دعا کرے، اور اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات کو وسیلہ بنائے تو کوئی بعید نہیں کہ اس کی دعا قبول ہوجائے، خصوصاً جب ماثور ومنقول دعاؤں کو شامل کرلیا جائے کیوں کہ ادعیہ ماثورہ قبولیت کے امکانات کو بڑھا دیتی ہیں اور اسمِ اعظم کو متضمن اور مشتمل ہوتی ہیں۔

منقول دُعائیں:

سنن اور صحیح ابن حبان میں حدیث عبداللہ بن بریدہ عن ابیہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو یہ کہتے ہوئے سنا:

﴿اَللّٰهُمَّ إِنِّیْ أَسْأَلُكَ بِاَنِّیْ أَشْهَدُ اَنَّكَ أَنْتَ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ، اَلْاَحَدُ الصَّمَدُ الَّذِیْ لَمْ یَلِدْوَلَمْ یُوْلَدْ وَلَمْ یَكُنْ لَّهٗ كُفُواً اَحَدٌ،﴾

یعنی "اے اللہ! میں آپ سے اس واسطہ سے سوال کرتا ہوں کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ ہی اللہ ہیں، آپ کے سوا کوئی معبود نہیں، آپ کی ذات اکیلی، بے نیاز ہے، نہ وہ کسی کا باپ ہے اور نہ کسی کا ولد، اور اس کا کوئی ہمسر نہیں ہے"

تو آپؐ نے فرمایا: اس شخص نے اللہ تعالیٰ سے ایسے اسم کے ذریعہ سوال کیا ہے کہ جب اس کے ذریعہ سے سوال کیا جاتا ہے تو وہ عطا کرتا ہے، اور جب اس کے واسطہ سے دعا کی جائے تو قبول کی جاتی ہے۔" ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں "یقیناً تو نے اللہ سے اس کے اسمِ اعظم کے ذریعہ سوال کیا ہے۔"[1]

---

[1] ترمذی (ج ۴/ ۳۴۷۵۔ ابوداؤد (ج ۲/ ۱۴۹۳، ۱۴۹۴)

سنن اور صحیح ابن حبان میں حدیث انس بن مالک بھی ہے کہ حضرت انسؓ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ بیٹھے ہوئے تھے، اور ایک آدمی نماز پڑھ رہا تھا، نماز پڑھنے کے بعد وہ یوں دُعا کرنے لگا:

﴿اَللّٰهُمَّ إِنِّیْ أَسْئَلُكَ بِاَنَّ لَكَ الْحَمْدُ۔ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ الْمَنَّانُ بَدِیْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ، یَاذَا الْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ، یَاحَیُّ یَا قَیُّوْمُ﴾

یعنی ''اے اللہ! میں آپ سے اس واسطہ سے سوال کرتا ہوں کہ تیرے لئے حمد وثناء ہے، تیرے سوا کوئی معبود نہیں، تو احسان کرنے والا، آسمانوں زمین کا پیدا کرنے والا ہے، اے ذوالجلال والاکرام! اے حیّ وقیوم۔ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس شخص نے اللہ تعالیٰ سے اس کے اسمِ اعظم کے ذریعہ دعا کی ہے، یہ اسمِ اعظم ایسا ہے کہ جب اس کے واسطہ سے دعا کی جاتی ہے تو قبول ہوتی ہے، اور جب اس کی ذریعہ سے سوال کیا جائے تو عطا کیا جاتا ہے۔''[1]

امام احمدؒ نے یہ دونوں حدیثیں اپنی مسند میں بھی نقل کی ہیں۔

جامع ترمذی میں حدیثِ اسماء بنت یزید منقول ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اسمِ اعظم ان دو آیتوں میں ہے:[2]

﴿وَاِلٰهُکُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَالرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ﴾ (البقرۃ:۱۶۳)

''اور آل عمران کی ابتدائی آیتِ کریمہ:'' ''الٓمّٓ ۔اَللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا

---

[1] ابوداؤد (ج ۲/۱۴۹۵) احمد (۲۴۵،۱۲۰/۳) [2] ترمذی (۳۴۷۸/۴)

هُوَ الْحَىُّ الْقَيُّوْمُ۔"

امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے۔

مسند امام احمدؒ اور صحیح حاکم میں احادیث ابی هریرةؓ، انس بن مالکؓ اور ربیعہ بن عامر مروی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ﴿يَاذَا الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ﴾ " کا ورد رکھو اور اس پر مداومت کرو"۔[1]

جامع ترمذی میں حدیث ابی هریرةؓ ہے کہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کبھی اہم امر پیش آتا تو سر مبارک آسمان کی طرف اٹھاتے، اور جب خوب دعا میں لگتے تو پڑھتے: يَاحَيُّ يَاقَيُّوْمُ"[2]

ترمذی میں ہی حدیث انس بن مالکؓ موجود ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کوئی امر درپیش ہوتا تو کہتے: "يَاحَيُّ يَاقَيُّوْمُ بِرَحْمَتِكَ أَسْتَغِيْثُ"[3]

صحیح حاکم میں حدیث ابی امامہؓ مروی ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: "اسمِ اعظم قرآن کی تین سورتوں میں ہے: بقرہ، آل عمران اور طٰـہٰ"[4] قاسم کہتے ہیں کہ میں نے تلاش کیا تو یہ وہ آیت تھی "اَلْحَیُّ الْقَيُّوْمُ"۔

جامع ترمذی اور صحیح حاکم میں حدیث سعد بن ابی وقاصؓ ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے ارشاد فرمایا: "مچھلی والے (حضرت یونس علیہ السلام) نے شکمِ ماہی میں جو دعا کی تھی وہ یہ ہے۔

لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحَانَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ (الانبیاء: ۸۷)

جب بھی کوئی مسلمان کسی بھی امر میں یہ دعا پڑھتا ہے تو اس کی دعا قبول کی جاتی ہے۔[5]

امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے۔ مستدرک حاکم میں بھی حدیث

---

[1] احمد (۱۷۶/۴) حاکم (۴۹۹/۱) [2] ترمذی (۳۴۳۶/۴)
[3] ترمذی (۳۵۲۴/۴) [4] حاکم (۵۰۵/۱) [5] صحیح الجامع الصغیر (۲۶۰۲)

سعدؓ مروی ہے کہ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے ارشاد فرمایا: "کیا میں تمہیں ایسی چیز نہ بتادوں کہ جب کوئی شخص فکر و پریشانی کی صورت میں اس کے ذریعہ دُعا کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی پریشانی کو دور فرمادے، وہ چیز مچھلی والے نبی (حضرت یونس علیہ السلام) کی دعا ہے۔[1]

نیز صحیح حاکم میں ہے کہ حضرت سعدؓ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے سنا کہ آپؐ نے فرمایا: "کیا میں تمہیں اللہ کا اسمِ اعظم بتادوں؟ وہ دعائے یونسؑ ہے، کسی نے عرض کیا یارسول اللہ! کیا وہ دعا حضرت یونس علیہ السلام کے لئے خاص تھی؟ آپؐ نے فرمایا: کیا تمہیں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان معلوم نہیں:

﴿فَاسْتَجَبْنَا لَهُ وَنَجَّيْنَاهُ مِنَ الْغَمِّ وَكَذٰلِكَ نُنْجِي الْمُؤْمِنِينَ﴾

یعنی "ہم نے ان کی دعا قبول کرلی اور انھیں غم سے نجات دی اور ہم اسی طرح مومنوں کو نجات دیا کرتے ہیں۔" (الانبیاء: ۸۸)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"جو کوئی مسلمان مرض کی حالت میں چالیس مرتبہ اس دعا کو پڑھے اور اسی مرض میں انتقال کرجائے تو اسے شہید جیسا اجر عطا ہوگا، اور اگر اس مرض سے براءت ہوئی تو اس حال میں براءت ہوگی کہ وہ مغفرت سے نوازا جاچکا ہوگا۔"[2]

صحیحین میں حدیث ابن عباسؓ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کرب و بلا کے وقت یہ دعا پڑھا کرتے تھے:

﴿لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ الْعَظِيمُ الْحَلِيمُ، لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ، لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ رَبُّ السَّمٰوَاتِ السَّبْعِ

---

[1] حاکم (۱/۵۰۵) [2] حاکم (۱/۵۰۵، ۵۰۶)

وَرَبُّ الْاَرْضِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيْمِ﴾

مسند امام احمدؒ میں حدیث علی بن ابی طالبؓ منقول ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نزولِ آفت و بلا کے موقع پر یہ دُعا پڑھنے کو فرمایا:

﴿لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ الْحَلِيْمُ الْكَرِيْمُ، سُبْحَانَ اللّٰهِ وَتَبَارَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ، وَالْحَمْدُلِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ﴾[1]

نیز مسند احمد میں حدیث عبداللہ بن مسعودؓ مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جب کسی کو کوئی غم وحزن پیش آئے اور وہ یہ دعا پڑھے:

﴿اَللّٰهُمَّ إِنِّىْ عَبْدُكَ ابْنُ عَبْدِكَ ابْنُ اَمَتِكَ نَاصِيَتِىْ بِيَدِكَ، مَاضٍ فِىَّ حُكْمُكَ، عَدْلٌ فِىَّ قَضَاؤُكَ، اَسْأَلُكَ اَللّٰهُمَّ بِكُلِّ اسْمٍ هُوَلَكَ، سَمَّيْتَ بِهٖ نَفْسَكَ، اَوْعَلَّمْتَهٗ أَحَدًا مِنْ خَلْقِكَ، اَوْاَنْزَلْتَهٗ فِىْ كِتَابِكَ اَوِ اسْتَأْثَرْتَ بِهٖ فِىْ عِلْمِ الْغَيْبِ عِنْدَكَ، اَنْ تَجْعَلَ الْقُرْآنَ الْعَظِيْمَ رَبِيْعَ قَلْبِىْ، وَنُوْرَ صَدْرِىْ، وَجِلَاءَ حُزْنِىْ، وَذِهَابَ هَمِّىْ﴾

تو اللہ تعالیٰ اس کے غم وحزن کو دور فرمادیتے ہیں، اور اس غم وحزن کی جگہ اسے فرحت وخوشی عطا فرماتے ہیں۔ عرض کیا گیا یارسول اللہ! کیا یہ دعا ہم سیکھ نہ لیں؟ فرمایا: ''کیوں نہیں ضرور سیکھو، سننے والے کو چاہئیے کہ اس دُعا کو سیکھے۔[2]

ابن مسعودؓ فرماتے ہیں: ''ہر نبی اور پیغمبر نے کرب و بلا میں مبتلا ہونے کے وقت تسبیح سے مدد لی ہے۔''

[1] مسند (۲۰۶/۱) [2] مسند احمد (۳۹۱/۱)

حافظ ابن ابی الدنیا نے ''کتاب المجابین'' میں حضرت حسن کے حوالہ سے یہ واقعہ ذکر کیا ہے، فرماتے ہیں: ''ایک انصاری صحابیؓ تھے، جن کی کنیت ابو معلق تھی، وہ اپنے اور دوسروں کے مال کے ذریعہ تجارت کیا کرتے تھے، تجارتی سفروں پر جایا کرتے، بڑے عابد وزاہد اور متقی تھے، ایک مرتبہ وہ سفر پر نکلے، راستہ میں ایک مسلح ڈاکو سے واسطہ پڑگیا، اس ڈاکو نے کہا کہ جو کچھ ہے رکھ دو، میں تجھے قتل کروں گا، صحابیؓ نے کہا: میری جان لے کر تو کیا کرے گا؟ یہ مال ہے یہ لے لو، اس نے کہا کہ مال تو میرا ہے ہی، میرا ارادہ تیری جان لینے (قتل کرنے) ہی کا ہے، صحابیؓ نے کہا: اگر تو نہیں مانتا تو اتنی تو مجھے اجازت دے دو کہ میں چار رکعت نماز پڑھ لوں، اس نے کہا: ہاں ٹھیک ہے جتنی نماز پڑھنی ہے پڑھ لو، چنانچہ ان صحابیؓ نے وضو کر کے چار رکعت نماز ادا کی، اور نماز کے آخری سجدہ میں یہ دعا پڑھی:

﴿یَا وَدُوْدُ یَا وَدُوْدُ، یَا ذَا الْعَرْشِ الْمَجِیْدِ، یَا فَعَّالًا لِمَا تُرِیْدُ، أَسْأَلُكَ بِعِزِّكَ الَّذِیْ لَا یُرَامُ، وَبِمُلْكِكَ الَّذِیْ لَا یُضَامُ، وَبِنُوْرِكَ الَّذِیْ مَلَأَ أَرْكَانَ عَرْشِكَ﴾

مجھے اس ڈاکو کے شر سے بچا لیجئے، یَا مُغِیْثُ اَغِثْنِیْ (تین مرتبہ پڑھی) تو اچانک دیکھا کہ ایک شہسوار اپنے ہاتھ میں نیزہ لے کر آ رہا ہے جو نیزہ اس نے اپنے گھوڑے کے دو کانوں کے درمیان رکھا ہوا ہے، جب اس کی ڈاکو پر نظر پڑی تو اس کی جانب متوجہ ہوا اور اسے نیزہ مار کر قتل کر دیا، پھر وہ شہسوار ان صحابیؓ کے پاس آیا اور کہا کہ اٹھو! صحابیؓ نے پوچھا کہ تم کون ہو؟ میرے ماں باپ تجھ پر فدا ہوں، اللہ تعالیٰ نے آج تیرے ذریعہ میری امداد فرمائی ہے۔ اس نے کہا: میں چوتھے آسمان کا فرشتہ ہوں، جب تو نے پہلی دفعہ دعا کی تھی تو میں نے آسمان کے دروازوں کی زوردار آواز سنی، پھر جب تو نے دوسری دفعہ دعا کی تو مجھے آسمان والوں کی چیخ وپکار سنائی دی، اور

پھر جب تو نے تیسری مرتبہ دعا کی تو مجھے کہا گیا کہ یہ مکروب کی دُعا ہے، میں نے اللہ تعالیٰ سے درخواست کی کہ اس ڈاکو کے قتل کی ذمہ داری مجھے دی جائے،، حضرت حسن فرماتے ہیں: لہٰذا جو شخص وضو کر کے چار رکعت نماز پڑھ کر مذکورہ دعا پڑھے تو اس کی دعا قبول ہوگی، خواہ وہ غمزدہ ہو یا نہ ہو۔''[1]

دُعا کے احوال

بسا وقات ایسا ہوتا ہے کہ ایک قوم نے کچھ دعائیں کیں اور وہ قبول ہوگئیں، تو اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ اس دعا میں کبھی تو صاحبِ دعا کی اضطراری کیفیت اور توجہ الی اللہ شامل ہوجاتی ہے، اور کبھی اس شخص کی سابقہ کوئی نیکی ہوتی ہے جس کی جزا میں اللہ تعالیٰ اس کی دعا کو قبول فرمالیتے ہیں، یا وہ دُعا اتفاقاً کسی مقبول ساعت میں مانگ لی گئی ہوتی ہے، جس کی بناء پر اس کی دعا شرفِ قبولیت سے مشرف ہوجاتی ہے۔ خیال کرنے والا یہ خیال کرلیتا ہے کہ اصل راز اس دعا کے الفاظ میں ہے، چنانچہ وہ محض ان ہی کو اخذ کرلیتا ہے اور اہم امور کو ترک کردیتا ہے، اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص کوئی مفید دوا مناسب وقت اور مناسب طریقہ سے استعمال کرے اور اسے اس دوا سے نفع ہوجائے اور دوسرا یہ سمجھے کہ محض اس دوا کا استعمال حصولِ مطلوب میں کافی ہے، تو ظاہر ہے کہ وہ غلطی پر ہے، یہ ایسا مقام ہے جہاں بہت سے لوگ مغالطہ کھا جاتے ہیں، اسی طرح اگر کبھی کسی قبر کے پاس اضطراری کیفیت سے دعا ہوجائے تو سمجھا جاتا ہے کہ اصل راز قبر میں ہے، حالانکہ حقیقت یہ تھی کہ یہاں دعا کی قبولیت کا سبب اس شخص کا اضطرار اور صدقِ دل سے متوجہ الی اللہ ہونا ہے، اور جب

---

[1] دیکھئے ''مجابو الدعوۃ'' (۲۳) از حافظ ابن ابی الدنیاؒ

دُعا اللہ تعالیٰ کے کسی گھر میں بیٹھ کر مانگی جائے تو یہ اللہ تعالیٰ کے ہاں تو بہت افضل اور پسندیدہ ہے۔

فصل

قبولیت دُعا کی شرط:

یہ دُعائیں اور تعویذات وغیرہ اسلحہ وہتھیار کی مانند ہیں اور ہتھیار کا صرف تیز ہونا کافی نہیں بلکہ ضارب بھی قوی ہو، لہٰذا جب اسلحہ وہتھیار کامل وتام ہو، بازو میں قوت ہو اور کوئی مانع موجود نہ ہوتو دشمن زیر ہوگا، لیکن جب ان تین چیزوں میں سے کوئی چیز بھی متخلف (متروک) ہوگی تو تاثیر بھی نہ ہوگی، لہٰذا دُعا جب بذات خود اچھی نہ ہو یا دُعا کرنے والا دُعا کے دوران زبان ودل کے درمیان تطبیق ویکسانیت نہ رکھتا ہو یا دُعا کی قبولیت سے کوئی امر مانع ہوتو ظاہر ہے کہ دُعا میں اثر وتاثیر پیدا نہیں ہوگی۔

دُعا اور تقدیر:

یہاں ایک مشہور اعتراض ہے۔ وہ یہ ہے کہ جس امر کے لئے دُعا کی جاتی ہے اگر وہ مقدر ہے تو ضرور واقع ہوگا۔ خواہ بندہ دُعا کرے یا نہ کرے، اور اگر وہ امر مقدر نہیں تو پھر بھی واقع نہیں ہوگا۔ بندہ سوال اس امر کا کرے یا نہ کرے، چنانچہ ایک گروہ نے اس اعتراض کی صحت کو تسلیم کرکے دُعا ہی کو ترک کردیا، اور یہ کہا کہ دُعا بالکل غیر مفید ہے، حالانکہ ان جاہلوں اور گمراہوں کے اپنے قول میں تناقض وتضاد موجود ہے، کیونکہ اگر ان کے اس قول کو مان لیا جائے تو پھر سلسلہ اسباب کا تعطل اور

نفی لازم آئے گی، ہم الزامی جواب کے طور پر انھیں کہہ سکتے ہیں کہ اگر سیرابی اور شکم سیری مقدر ہیں تو کھائی پئے بغیر ہی واقع ہوکر رہیں گی، کھانا کھاؤ یا نہ کھاؤ، اور اگر مقدر نہیں تو کبھی واقع نہیں ہونگی، کھاؤ یا نہ کھاؤ، اسی طرح یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ اگر بچہ ہونا مقدر ہے تو ہوکر رہے گا، خواہ زوجہ سے ہمبستر ہو یا نہ ہو، اگر مقدر نہیں تو نہ ہوگا، لہٰذا نکاح وغیرہ کی کوئی حاجت نہیں،علی ھذا القیاس۔ بہرحال کیا ایسے شخص کو عاقل یا انسان کہہ سکتے ہیں؟ بالکل نہیں، بلکہ ایسا شخص ایک حیوانِ مطلق ہے جو فطرۃً اس سلسلہ اسباب کے استعمال پر مجبور ہے جس سے اس کی زندگی کی جان وسہارا وابستہ ہے، بلکہ حیوانات ایسے لوگوں سے زیادہ عقل وفہم رکھتے ہیں۔ أُولٰئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ سَبِيْلًا۔

انھیں لوگوں کے قریب تر وہ لوگ ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ دعا صرف ایک قسم کی عبادت ہے، جس پر دُعا کرنے والے کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجروثواب ملتا ہے، مگر حصولِ مراد سے اس کا کوئی تعلق نہیں، ان لوگوں کے نزدیک دل وزبان کے ساتھ دعا کرنا یا دعا نہ کرنا عدمِ تاثیر میں برابر ہے، دونوں میں کوئی فرق نہیں، ان سے بھی دو قدم آگے وہ لوگ ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ دعا صرف ایک قسم کی علامت ہے جو اللہ نے حصولِ مطلوب کے لئے قائم کردی ہے، لہٰذا جب بندہ کو من جانب اللہ دعا کی توفیق ملتی ہے تو یہ امر حصولِ مراد کے لئے بمنزلہ علامت سمجھا جاتا ہے۔ ان کے نزدیک اس کی مثال ایسی ہے۔جیسے کالا سیاہ ٹھنڈا بادل سردی کے زمانہ میں بارش ہونے کی دلیل وعلامت ہوتا ہے۔اسی طرح یہ لوگ عبادات کو ثواب کے لئے اور کفرو معاصی کو عذاب کے لئے اسی قسم کی علامتیں خیال کرتے ہیں۔ عبادت اور کفر ثواب اور عذاب کے لئے اسباب نہیں خیال کرتے، جس طرح توڑنا ٹوٹنے کا، جلانا جلنے کا اور قتل کرنا موت کا سبب نہیں ہوسکتا، کیونکہ کسی عمل سے کسی خاص اثر کا مرتب ہونا محض ایک قسم

کی عادت ہے، نہ یہ کہ اس عمل کو نتیجہ پیدا کرنے میں کسی قسم کا دخل ہے، حقیقت یہ ہے کہ ایسے لوگ اپنے اس قول و مذہب میں حس، عقل وفطرت اور شرع کی مخالفت کرتے ہیں، بلکہ عقلاء کو اپنے اوپر ہنسنے کا موقع فراہم کرتے ہیں۔ اس مسئلہ میں حق یہ ہے کہ یہاں مذکورہ دو اقسام کے علاوہ ایک تیسری قسم بھی ہے، اور وہ یہ ہے کہ ہر امرِ مقدر کے لئے اسباب ہوا کرتے ہیں، اور دعا بھی ان اسباب میں سے ایک سبب ہے، کیونکہ کوئی امرِ مقدر سببِ کامل کے بغیر وقوع پذیر نہیں ہوتا، بلکہ اس کا کوئی نہ کوئی سبب ضرور ہوتا ہے، چنانچہ جب بندہ اس سبب سے کام لیتا ہے تو امرِ مقدر واقع ہوجاتا ہے، اور اگر سبب سے کام نہ لے تو واقع نہیں ہوتا، جیسے سیرابی اور شکم سیری کھانے پینے پر، تولد جماع پر، پیداوار کا حصول بیج بونے پر، حیوان کی موت قتل کرنے پر، دخولِ جنت اعمالِ صالحہ پر اور دخولِ دوزخ اعمالِ سیئہ پر موقوف ہے، اس مسئلہ میں یہی حق ہے، جس سے بعض محروم رکھے گئے ہیں، انھیں اس کی توفیق نہیں دی گئی۔

دُعا حصولِ مطلوب کا قوی سبب ہے:

دُعا حصولِ مطلوب کا ایک قوی ترین سبب ہے، کیونکہ جب حصولِ مراد دُعا کے ساتھ مقدر ہے تو یہ کہنا صحیح نہ ہوگا کہ دُعا غیر مفید ہے، کیونکہ کوئی صاحبِ عقل یہ نہیں کہہ سکتا کہ کھانے پینے اور دیگر اعمال وحرکات میں کوئی فائدہ نہیں، دعا تو حصولِ مطلوب ومراد کے لئے ایک اعلیٰ درجہ کا نافع اور قوی سبب ہے۔

عمر بن الخطابؓ دُعا سے سہارا لیتے تھے:

چونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تمام امت سے بڑھ کر حقیقتِ دین سے واقف تھے۔ اس لئے سب سے بڑھ کر اس سبب اور شرائط وآداب کو بجالاتے تھے، چنانچہ حضرت عمرؓ دشمن کے مقابلہ میں دُعا ہی کا سہارا لیتے اور اسی کو اپنا عظیم لشکر سمجھا کرتے

تھے، اور صحابہؓ سے یوں فرمایا کرتے کہ ''تم اپنی کثرتِ تعداد سے دشمن پر غالب نہیں آتے، بلکہ تمہاری نصرت آسمان سے کی جاتی ہے؟'' نیز فرماتے کہ ''مجھے دُعا کی قبولیت کی کوئی فکر نہیں، ہاں البتہ دعا کی فکر ہمیشہ دامن گیر رہتی ہے، اور جب مجھے دُعا کے بارے الہام ہوتا ہے تو قبولیت اس کے ساتھ شامل ہوتی ہے۔'' چنانچہ اس مضمون کو کسی شاعر نے یوں نظم کیا ہے:

لولم ترد نیل ما ارجوا طلبه   من جود کفیك ماعودتنی الطلبا

''اے ممدوح! تیرے دونوں ہاتھوں کی بخشش سے جس عطا کی میں امید رکھتا ہوں اور اسے مانگتا ہوں اگر تو نے اس کے دینے کا ارادہ نہ کیا ہوتا تو مجھے مانگنے کی عادت ہی نہ ڈالتا، (ایک نسخہ میں **علمتنی**'' ہے یعنی مجھے مانگنا ہی نہ سکھاتا)

معلوم ہوا کہ جسے دعا کے بارے الہام ہوا ہو تو اسے سمجھ لینا چاہیئے کہ اس کی دعا ضرور قبول ہوگی، کیوں کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿اُدْعُوْنِیْ اَسْتَجِبْ لَکُمْ﴾

یعنی ''تم مجھ سے دعا کرو میں تمہاری دعا قبول کروں گا۔ (غافر: ٦٠)

نیز فرمایا:

﴿وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ﴾

یعنی ''جب میرے بندے میرے بارے میں آپ سے پوچھیں تو (کہدو) میں بہت قریب ہوں، جب پکارنے والا مجھے پکارتا ہے تو میں اس کی پکار کا جواب دیتا ہوں'' (البقرة: ۱۸٦)

سنن ابن ماجہ میں حدیث ابی ھریرۃؓ مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

﴿مَنْ لَمْ يَسْأَلِ اللّٰهَ يَغْضَبْ عَلَيْهِ﴾[1]

یعنی ”جو شخص اللہ تعالیٰ سے نہیں مانگتا اللہ تعالیٰ اس سے ناراض ہوجاتے ہیں۔“

معلوم ہوا کہ اللہ جل شانہٗ کی رضاو خوشنودی سوال کرنے اور عبادت بجالانے میں ہے، اور اس کی رضا میں ہر قسم کی خیر داخل ہے، جس طرح اس کی ناراضگی معصیت و نافرمانی کرنے میں ہے۔ امام احمدؒ نے کتاب الذھد میں یہ اثر ذکر کیا ہے:

﴿اَنَا اللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنَا اِذَا رَضِيْتُ بَارَكْتُ، وَلَيْسَ لِبَرَكَتِيْ مُنْتَهٰى، وَاِذَا غَضِبْتُ لَعَنْتُ وَلَعْنَتِيْ تَبْلُغُ السَّابِعَ مِنَ الْوُلْدِ﴾

یعنی ”میں ہی حقیقی ایک معبود ہوں، میرے سوا کوئی معبود نہیں، جب میں راضی ہوتا ہوں تو خیر و برکت نازل کرتا ہوں، اور میری خیر و برکت کا کوئی ٹھکانا نہیں، اور جب میں ناراض ہوتا ہوں تو میں لعنت (رحمت سے دور) کرتا ہوں، اور میری لعنت ساتویں پشت تک اپنا اثر دکھاتی ہے۔“

اور اس امر پر عقل و نقل، فطرتِ الٰہی اور مختلف اقوام کے تجربات شاہد ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا قرب، اس کی رضامندی حاصل کرنا اور مخلوق کے ساتھ نیکی اور حسنِ سلوک ہر طرح کی خیر و برکات حاصل کرنے کے لئے قوی اور عظیم سبب ہے۔ اور اللہ تعالیٰ سے دوری اس کی ناراضگی اور مخلوق کے ساتھ برائی اور بدسلوکی ہر قسم کے شر کا

موجب ہیں، ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی تحصیل اور بلاو مصائب کے دفع کرنے میں عبادت وطاعت، قربِ خداوندی اور مخلوق کے ساتھ حسنِ سلوک جیسی کوئی چیز نہیں۔

خیر وشر کا اعمال سے تعلق:

اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں دنیاو آخرت میں ہر قسم کی خیر وشر کو اعمال سے اس طرح وابستہ کیا ہے جس طرح جزا شرط سے، معلول علت سے اور مسبب سبب سے متعلق ووابستہ ہوتا ہے۔ اس کی مثالیں قرآن پاک میں بے شمار ہیں، چنانچہ کبھی تو حکمِ خبری اور امرِ شرعی کسی ایسے وصف پر مرتب ہوتا ہے جو اس خیر یا حکم کے مناسب ہو، جیسے:

﴿فَلَمَّا عَتَوْا عَمَّا نُهُوْا عَنْهُ قُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا قِرَدَةً خَاسِئِيْنَ﴾

یعنی ''جب انھوں نے ممنوع امر سے سرکشی کی تو ہم نے انھیں کہا کہ تم ذلیل بندر بن جاؤ۔'' (الاعراف:۱۶۶)

نیز جیسے فرمانِ خداوندی ہے:

﴿وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْا اَيْدِيَهُمَا جَزَاءً بِمَا كَسَبَا﴾

یعنی ''چور مرد اور چور عورت کے ہاتھ کاٹ ڈالو، اس کام کی سزا میں جو انھوں نے کیا۔'' (المائدۃ:۳۸)

نیز جیسے فرمانِ الٰہی ہے:

﴿إِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ وَالْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ

وَالْقٰنِتِيْنَ وَالْقٰنِتَاتِ وَالصَّادِقِيْنَ وَالصَّادِقَاتِ وَالصَّابِرِيْنَ وَالصَّابِرَاتِ وَالْخَاشِعِيْنَ وَالْخَاشِعَاتِ وَالْمُتَصَدِّقِيْنَ وَالْمُتَصَدِّقَاتِ وَالصَّائِمِيْنَ وَالصَّائِمَاتِ وَالْحَافِظِيْنَ فُرُوْجَهُمْ وَالْحَافِظَاتِ وَالذَّاكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَالذَّاكِرَاتِ، اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا﴾

''مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں...................اللہ کا ذکر کثیر کرنے والے مرد اور ذکر کرنے والی عورتیں، ان کیلئے اللہ تعالیٰ نے مغفرت اور اجر عظیم تیار کر رکھا ہے۔'' (الاحزاب:۳۵)

اس قسم کی بہت سی مثالیں ہیں، اور کبھی اس مضمون کو صیغہ شرط وجزا سے ادا کیا جاتا ہے، مثلاً:

﴿إِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ يَجْعَلْ لَكُمْ فُرْقَانًا، وَيُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ﴾

یعنی ''اگر تم اللہ سے ڈرو گے تو وہ تمہیں غلبہ دے گا، اور تمہارے گناہوں کو تم سے دور کر دے گا، اور تم کو بخش دے گا۔'' (الانفال:۲۹)

اسی طرح فرمانِ رب العالمین ہے:

﴿وَاَنْ لَوِ اسْتَقَامُوْا عَلَى الطَّرِيْقَةِ لَاَسْقَيْنَاهُمْ مَاءً غَدَقًا﴾

یعنی ''اگر وہ صراطِ مستقیم پر ٹھیک چلتے تو ہم انھیں آبِ کثیر سے

سیراب کرتے، اور کبھی لام علت سے اس مفہوم کو ادا کیا جاتا ہے۔'' (الجن:١٦)

مثلاً:

﴿لِيَدَّبَّرُوا اٰيَاتِهٖ وَلِيَتَذَكَّرَ اُولُو الْاَلْبَابِ﴾

یعنی'' تاکہ اس کی آیات میں غور کریں اور تاکہ صاحبانِ عقل نصیحت حاصل کریں'' (ص:۲۹)

نیز فرمانِ رب دو جہاں ہے:

﴿لِتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا﴾

یعنی'' تاکہ تم لوگوں پر شاہد بنو اور پیغمبرؐ تم پر شاہد ہوں'' (البقرة:۱۴۳)

اور کبھی حرفِ کَیْ جس میں علت کا معنی پایا جاتا ہے، لایا جاتا ہے، مثلاً:

﴿كَيْلَا يَكُوْنَ دُوْلَةً بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ﴾

یعنی'' تاکہ تم میں سے دولتمندوں کے لینے دینے میں نہ آئے، کبھی باءِ سببیہ استعمال کرتے ہیں'' (الحشر:۷)

مثلاً:

﴿ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ﴾

یعنی'' یہ تمہارے ہاتھوں کے اعمال کے سبب ہے۔'' (آل عمران:۱۸۲)

اسی طرح فرمانِ خداوندی ہے:

﴿بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴾

اور ایک جگہ

﴿بِمَا كُنتُم تَكسِبُونَ﴾ (المائدۃ:۱۰۵)

اور

﴿ذٰلِكَ بِاَنَّهُم كَانُوا يَكفُرُونَ بِآيَاتِ اللّٰهِ﴾ (آل عمران:۱۱۲)

اور کبھی مفعول لہ کے ذریعہ اس مفہوم کو ادا کیا جاتا ہے، وہ مفعول لہ مذکور ہو یا محذوف، جیسے:

﴿فَرَجُلٌ وَامرَأَتَانِ مِمَّن تَرضَونَ مِنَ الشُّهَدَاءِ اِن تَضِلَّ اِحدَاهُمَا فَتُذَكِّرَ اِحدَاهُمَا الاُخرَىٰ﴾

یعنی ''ایک مرد اور دو عورتیں ان لوگوں میں سے جن کو تم شہادت (گواہی) میں پسند کرتے ہو، اگر ان دونوں عورتوں میں سے ایک غلطی کر جائے تو دوسری اس کو یاد دلا دے۔'' (البقرۃ:۲۸۲)

اسی طرح یہ مثال:

﴿اَن تَقُولُوا يَومَ القِيَامَةِ اِنَّا كُنَّا عَن هٰذَا غَافِلِينَ﴾

یعنی ''اس لئے کہ کہیں تم یوں کہنے لگو کہ ہم تو اس سے غافل تھے'' (الاعراف:۱۷۲)

اسی طرح یہ فرمان:

﴿اَن تَقُولُوا اِنَّمَا اُنزِلَ الكِتَابُ عَلٰى طَائِفَتَينِ مِن قَبلِنَا﴾

یعنی ''اس لئے کہ کہیں تم یہ کہنے لگو کہ ہم سے پہلے دو گروہوں پر کتاب نازل کی گئی، اور کبھی فاء سببیہ استعمال کرتے ہیں۔'' (الانعام:۱۵۶)

مثلاً:

﴿فَكَذَّبُوْهُ فَعَقَرُوْهَا فَدَمْدَمَ عَلَيْهِمْ رَبُّهُمْ بِذَنْبِهِمْ فَسَوّٰاهَا﴾

یعنی ''انہوں نے اس کی تکذیب کی پس کوچیں کاٹ ڈالیں، پس اللہ نے ان کے گناہ کے بدلہ میں انھیں ہلاک کردیا۔'' (الشمس:۱۴)

یا جیسے:

﴿فَعَصَوْا رَسُوْلَ رَبِّهِمْ فَاَخَذَهُمْ اَخْذَةً رَّابِيَةً﴾

یعنی ''انھوں نے رسول کی نافرمانی کی تو اللہ نے ان کو سخت پکڑا'' (الحاقۃ:۱۰)

نیز فرمانِ پروردگارِ عالم ہے:

﴿فَكَذَّبُوْهُمَا فَكَانُوْا مِنَ الْمُهْلَكِيْنَ﴾

یعنی ''انھوں نے ان دونوں کو جھٹلایا اس لئے وہ ہلاک کیے گئے۔'' (المؤمنون:۴۸)

اور کبھی حرفِ لَمَّا جو جزا پر دلالت کرتا ہے، لایا جاتا ہے۔ مثلاً:

﴿فَلَمَّآ اٰسَفُوْنَا انْتَقَمْنَا مِنْهُمْ﴾ (الزخرف:۵۵)

علی ھذا القیاس۔ کبھی حرفِ اِنَّ استعمال ہوتا ہے، جیسے:

﴿اِنَّهُمْ كَانُوْا يُسَارِعُوْنَ فِي الْخَيْرَاتِ﴾

یعنی ''بے شک وہ لوگ نیک کاموں میں جلدی کیا کرتے تھے۔'' (الانبیاء:۹۰)

اسی طرح:

﴿إِنَّهُمْ كَانُوا قَوْمَ سَوْءٍ فَأَغْرَقْنَاهُمْ أَجْمَعِينَ﴾

یعنی ''بے شک وہ برے لوگ تھے، سو ہم نے ان سب کو غرق کردیا۔'' (الانبیاء: ۷۷)

کبھی ''حرفِ لَوْلَا'' لایا جاتا ہے۔ جو ماقبل کے مابعد کے ساتھ مربوط ہونے پر دلالت کرتا ہے، جیسے:

﴿فَلَوْلَا أَنَّهُ كَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِينَ لَلَبِثَ فِي بَطْنِهِ إِلَى يَوْمِ يُبْعَثُونَ﴾

یعنی ''اگر وہ تسبیح کرنے والوں میں سے نہ ہوتا تو قیامت کے دن تک مچھلی کے پیٹ میں رہتے۔'' (الصافات: ۱۴۳، ۱۴۴)

اور کبھی صرف ''حرفِ لَوْ'' جو شرط پر دلالت کرتا ہے، لایا جاتا ہے۔ جیسے:

﴿وَلَوْ أَنَّهُمْ فَعَلُوا مَا يُوعَظُونَ بِهِ لَكَانَ خَيْرًا لَهُمْ﴾

یعنی ''اگر وہ لوگ نصیحت پر عمل کرتے تو ان کے لئے بہتر ہوتا۔'' (النساء: ٦٦)

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ قرآن کریم از اوّل تا آخر خیروشر کی جزا اور شرعی وتکوینی احکام کے، ان کے اسباب پر مرتب ہونے کو نہایت صراحت کے ساتھ بیان کرتا ہے، بلکہ دنیا وآخرت کے تمام احکام، مصالح اور مفاسد کو اسباب اور اعمال کے متعلق قرار دیتا ہے، اور جو شخص اس مسئلہ میں خوب غوروفکر کرے گا۔ اسے انتہائی نفع حاصل ہوگا، اور تقدیر پر محض جہالت، عجز اور کوتاہی کی بناء پر بھروسہ کرکے نہیں بیٹھے گا، کیونکہ اس طرح تو توکل عجز اور عجز توکل ہوجاتا ہے، اعلیٰ درجہ کا دانشمند شخص وہ ہے جو تقدیر کا مقابلہ تقدیر سے کرے، بلکہ انسان کی زندگی اس طریق کے بغیر محال ہے، کیونکہ بھوک، پیاس، سردی اور ہر طرح کا خوف وغیرہ امور بھی تقدیر کا حصہ ہیں،

اور ہر ایک ان امور سے بچنے کی کوشش کرتا ہے، اسی پر اس شخص کو قیاس کر لینا چاہئیے جسے اللہ تعالیٰ نے نیکی کی توفیق عطا کی ہو اور ہدایت کا راستہ دکھایا ہو، کیونکہ وہ ضرور توبہ، ایمان اور اعمال صالحہ کے ذریعہ عذابِ اخروی سے خود کو بچانے کی کوشش کرے گا۔ پس دنیا وآخرت دونوں کے لئے یکساں طور پر کوشش کرنی چاہیئے، کیونکہ دونوں جہانوں کا پروردگار ایک اللہ ہے۔ اس کی حکمت بھی ایک ہے۔ اس کے احکام ایک دوسرے سے متعارض نہیں ہیں، اور نہ ہی اس ابطال کرتے ہیں، مسئلہ تقدیر نہایت اہم اور اشرف مسئلہ ہے، بشرطیکہ اس کو اچھی طرح سمجھا جائے اور اس کی قدر پہچانی جائے، اللہ تعالیٰ مدد گار ہے، مگر یہاں دو امور باقی ہیں۔ جن پر سعادت وفلاح کا اتمام مبنی ہے۔

امرِ اوّل:

یہ ہے کہ خیر وشر کے اسباب تفصیلی طور پر جاننا ضروری ہیں، نیز عالم موجودات میں اپنے اور دوسروں کے تجربات، مشاہدات اور گذشتہ اور موجودہ اقوام کے حالات سے واقفیت حاصل کرنا بھی امرِ لابدی ہے۔

تاریخ، قرآنی واقعات کی تفصیل ہے:

ان ضرورتوں کے پورا کرنے کے لئے قرآن مجید سے بڑھ کر کوئی چیز مفید نہیں، کیونکہ اس میں خیر وشر کے تمام اسباب کامل طور پر تفصیل سے بیان کئے گئے ہیں۔ اس کے بعد سنتِ رسولؐ ہے، جو اس بارے میں قرآن حکیم ہی کے مشابہ اور وحیِ ثانی کا درجہ رکھتی ہے، لہٰذا جو شخص ان دونوں پر اپنی توجہ مرکوز کر لیتا ہے۔ اس کو کسی اور جانب رجوع کرنے کی حاجت نہیں پڑتی، کیونکہ ان سے اس کو خیر وشر کی حقیقت اور ان کے اسباب کا یقینی علم حاصل ہوتا ہے۔ جس میں کسی قسم کے شک وشبہ کو دخل نہیں۔ کتاب وسنت سے کامل واقفیت حاصل ہونے کے بعد مختلف اقوام کے

حالات، مطیع اور نافرمان لوگوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے سلوک کو اگر بنظرِ عمیق دیکھا جائے تو واضح ہو جائے گا کہ یہ سب واقعات آیاتِ قرآنی کی تفصیل ہیں۔ جن کے متعلق اس نے مفصل خبر دے دی ہے، نیز واضح ہو جائے گا کہ عالم موجودات میں ہم جو کچھ دیکھتے ہیں ان کی ہرایک چیز اس امر کی قطعی حجت ودلیل ہے کہ قرآن حکیم برحق ہے، رسول کریمؐ برحق ہیں اور اللہ تعالیٰ ضرور اپنے وعدے پورا کیا کرتے ہیں، معلوم ہوا تاریخ ان جزوی امور کی تفصیل کا نام ہے۔ جن کے کلی اسباب کا علم ہمیں کتاب وسنت میں دیا گیا ہے۔

امرِ ثانی: اسباب کی نسبت نفس کا مغالطہ:

یہ کہ مذکورہ اسبابِ خیر وشر کی نسبت مغالطہ سے بچنا چاہیئے، اور یہ بہت ضروری ہے، کیونکہ انسان اس بات کو تو جانتا ہے کہ گناہ اور غفلت وغیرہ ایسے اسباب ہیں جو دنیا وآخرت میں اس کے لئے مضر ہیں لیکن کبھی اس کا نفس اسے دھوکہ دیتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی مغفرت اور عفو ودرگزر پر بھروسہ کرلیتا ہے، اور کبھی یہ ارادہ کرلیتا ہے کہ بعد میں توبہ واستغفار کرلوں گا، اور کبھی یوں ٹھان لیتا ہے کہ نوافل ومستحبات کو بجالاؤں گا، کبھی کہتا ہے کہ تقدیر میں ہی ایسا لکھا تھا یا یہ کہ فلاں فلاں بھی جو میری طرح کے ہیں ایسا ہی کرتے ہیں، یا فلاں بڑے بزرگ بھی ایسا ہی کیا کرتے تھے۔

استغفار کا مفہوم سمجھنے میں غلطی:

اکثر لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ خواہ کچھ بھی کرلیا جائے، جب بعد میں توبہ کرلے اور یہ کہدے ''استغفر اللہ'' تو گناہ کا اثر بالکل زائل ہو جاتا ہے، چنانچہ ایک فقیہ بنے شخص نے مجھ سے کہا کہ میں جو چاہتا ہوں کرلیتا ہوں، بعد میں سو مرتبہ ''سبحان اللہ وبحمدہٖ'' کہہ لیا کرتا ہوں، جس سے سب کچھ معاف ہو جاتا ہے، کیونکہ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی حدیث صحیح میں آچکا ہے کہ ''جو شخص ''سبحان اللہ وبحمدہٖ'' دن میں سو مرتبہ کہہ دے اس کے گناہ معاف کردیئے جاتے ہیں، اگرچہ وہ گناہ دریا کی

جھاگ کے برابر ہوں۔[1]

ایک اور شخص نے جو اہل مکہ سے تھا میرے پاس آکر کہا کہ ہم جو چاہتے ہیں کر لیتے ہیں۔ اس کے بعد غسل کر کے بیت اللہ کا طواف ہفتہ بھر کرنے سے ہمارے گناہ بالکل ختم ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح ایک اور شخص سے میں نے یوں سنا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ "ایک شخص گناہ کر کے یوں کہتا ہے کہ پروردگار! میں نے گناہ کیا ہے، تو میرے گناہ کو معاف فرمادے، اللہ تعالیٰ اس کے گناہ کو بخش دیتا ہے، پھر کبھی وہ کوئی اور گناہ کرتا ہے اور اسی طرح کہتا ہے تو اللہ کریم فرماتے ہیں: میرے اس بندہ نے جان لیا ہے کہ میرا بھی کوئی رب ہے جو گناہ کو کبھی معاف اور کبھی اس پر مؤاخذہ کیا کرتا ہے۔ سو میں نے اس کے گناہ بخش دیئے، وہ جو چاہے کیا کرے۔[2]

اور اس نے کہا کہ مجھے یقین ہے کہ میرا ایک رب ہے جو گناہ کو کبھی معاف اور کبھی اس پر مؤاخذہ کرتا ہے۔ اس قسم کے لوگ ان آیات واحادیث کو جن میں امیدِ رحمت کا ذکر ہے، نہایت زور شور سے پیش کیا کرتے ہیں، اور ان پر پورا پورا بھروسہ کر بیٹھتے ہیں۔ اگر انھیں گناہ کے ارتکاب پر کسی قسم کی سرزنش کی جائے تو فوراً اللہ تعالیٰ کی وسعتِ رحمت ومغفرت کی آیات واحادیث سنانے لگ جاتے ہیں، چنانچہ اس قسم کے جُہال کی اس مسئلہ میں عجیب وغریب باتیں سنی جاتی ہیں، مثلاً ذیل کا شعر انھی میں سے کسی نے کہا ہے:

وَكَثِّرْ مَا اسْتَطَعْتَ مِنَ الخطايا ۔۔۔ اِذَا كَانَ الْقُدُوْمُ عَلٰى كَرِيْم

یعنی "جس قدر تو گناہ کر سکتا ہے کر لے، کیوں کہ بالآخر ہمیں

---

[1] احمد، بخاری، مسلم، ترمذی اور ابن ماجہ عن ابی ھریرۃ [2] دیکھو صحیح الاحادیث القدسیۃ (۲۴۹، ۲۵۰)

بڑے صاحبِ کرم کے حضور جانا ہے۔''

ان ہی میں سے بعض کا یہ قول ہے کہ گناہوں سے اجتناب اللہ تعالیٰ کی وسعتِ عفو سے جاہل ہونا ہے، کسی نے یوں کہا کہ ترکِ گناہ اللہ تعالیٰ کی مغفرت کے حق میں جسارت ہے، محمد بن حزمؒ کہتے ہیں کہ میں نے ایک شخص کو دُعا میں یہ الفاظ کہتے ہوئے سنا:

﴿اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الْعِصْمَةِ﴾

یعنی ''اے اللہ! میں عصمت سے تیری پناہ لیتا ہوں۔ (مطلب یہ کہ میں عصمت نہیں چاہتا)''

جبریہ:

بعض ایسے بھی فریب خوردہ ہیں جو جبر کے قائل ہیں، کہتے ہیں کہ انسان اپنا اختیار کچھ بھی نہیں رکھتا، بلکہ وہ گناہ کرنے پر مجبور کیا گیا ہے۔

مرجئہ:

اور بعض ارجاء کے مسئلہ کے سبب فریب خوردہ ہیں، اور کہتے ہیں کہ ایمان صرف تصدیق کا نام ہے، یعنی اللہ اور اس کے رسولؐ کے احکام پر ایمان لے آنا کافی ہے، اعمال کا ایمان میں کوئی دخل نہیں، چنانچہ وہ خیال کرتے ہیں کہ فاسق تر آدمی کا ایمان بھی جبرئیل ومیکائیل علیہما السلام کے ایمان کے برابر ہے۔

محبت میں غلطی:

بعض یہ کہتے ہیں کہ فقراء، مشائخ اور صالحین سے محبت، ان کی قبور پر آمدورفت، طلبِ شفاعت، تضرّع وتوسل اور مشائخ کے حق وحرمت سے سوال

کرنے سے گناہ معاف ہوجاتے ہیں۔ (یعنی ان امور کے خیال پر گناہ کی جرأت کرنا ایک سخت مغالطہ ہے) بعض لوگ اپنے آباء واجداد کے صلاح وتقویٰ اور ان کی فضیلت ومقام سے دھوکہ کھا جاتے ہیں، چنانچہ سلاطین کے ہاں یہ طریقہ ہے کہ اپنے مقربین کے رشتہ داروں اور قریبوں کے جرائم معاف کردیا کرتے ہیں۔ اس لئے انھیں یقین ہوتا ہے کہ اگر ان سے کوئی جرم سرزد ہوا تو اپنے بڑوں کے توسط سے بچ جائیں گے۔

اللہ تعالیٰ کی رحمت پر بھروسہ:

بعض یوں دھوکہ کھاتے ہیں کہ نہ تو عذاب دینے سے اللہ تعالیٰ کی سلطنت میں کوئی اضافہ ہوتا ہے، اور نہ رحمت کرنے پر کوئی کمی واقع ہوتی ہے۔ اس لئے وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ ہم اس کی رحمت کی طرف مجبور ہیں اور وہ غنی مطلق ہے۔ اگر بالفرض کوئی فقیر محتاج شخص ایسے شخص کے پاس بیٹھے جس کے گھر کے اندر نہر جاری ہو، اور اس فقیر کو پیاس لگ جائے تو وہ اس کو ہرگز پانی پینے سے نہیں روکے گا، اللہ تعالیٰ تو اس سے بھی زیادہ وسیع الرحمت ہیں، کیونکہ نہ رحمت سے اس کے خزانہ میں کمی آتی ہے، اور نہ عذاب سے کچھ زیادتی۔

آیات واحادیث کے متعلق کم فہمی:

بعض لوگ اپنی کم فہمی کی وجہ سے قرآن وسنت کا مفہوم غلط سمجھ کر بھروسہ کر بیٹھتے ہیں، چنانچہ آیت: وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى (الضحیٰ: ۵) کے معنی یہ لیا کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت تک راضی نہیں ہوں گے جب تک کہ امت کا ایک فرد بھی دوزخ میں ہوگا، حالانکہ یہ اعلیٰ درجہ کی جہالت اور کذب بیانی ہے، کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رضامندی اسی امر میں ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی رضامندی ہے، اور چونکہ اللہ تعالیٰ ظالموں، فاسقوں، خائنوں اور گناہ پر

اصرار کرنے والوں کے عذاب سے راضی ہوتا ہے، اس لئے یہ صریح بہتان ہوگا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کسی ایسی بات پر راضی اور خوش ہوں جس سے اللہ تعالیٰ ناراض اور ناخوش ہوتا ہے۔ اسی طرح بعض لوگ آیت: اِنَّ اللّٰہَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا (الزمر:۵۳) کا مفہوم غلط سمجھا کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ بلا امتیاز ہر ایک کی مغفرت ہوجائے گی، حالانکہ یہ انتہائی قبیح جہل ہے، کیونکہ شرک بھی (بظاہر) اس آیت کے مفہوم میں داخل ہے، جو تمام گناہوں کا اصل الاصول ہے، یقیناً یہ آیت ان لوگوں کے حق میں ہے جو گناہوں سے توبہ کرنے والے ہوتے ہیں، کیونکہ اللہ جل جلالہ توبہ کرنے والوں کو بخش دیتا ہے، کوئی بھی گناہ ہو۔ اگر (بالفرض) یہ آیت توبہ کرنے والوں کے حق میں نہ ہوتو تمام وعیدیں باطل ٹھہرتیں، نیز وہ احادیث بھی (نعوذ باللہ) باطل ٹھہرتیں جن میں بذریعہ شفاعت بعض گنہگار اہل دوزخ کا عذابِ جہنم سے خلاصی پانا مذکور ہے، اور یہ غلط فہمی محض قلتِ علم وفہم کا نتیجہ ہے۔ جو غلط فہمی اس طرح پیدا ہوئی کہ آیت کو عام اور مطلق سمجھ لیا گیا۔ سورۂ نساء کی آیت: اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَكَ بِهٖ وَیَغْفِرُ مَادُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ یَّشَآءُ۔ (النساء۴۸) کو شرک کے ساتھ مقید ومخصوص خیال کرکے یہ نتیجہ نکالا گیا کہ اللہ نے صرف شرک معاف نہ ہونے کی خبر دی ہے، شرک کے سوا باقی گناہوں کی معافی کا وعدہ کیا ہے، اگر مذکورہ آیت صرف توبہ کرنے والوں کے ساتھ مخصوص ہوتی تو سورہ نساء کی اس آیت میں شرک اور دیگر گناہوں میں کیوں فرق کیا جاتا؟ اور بعض جاہلین اس آیت:

﴿یٰاَیُّهَا الْاِنْسَانُ مَاغَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِیْمِ﴾

یعنی ''اے انسان! تجھے کسی چیز نے تیرے رب کریم کے متعلق دھوکہ میں ڈالا ہے۔''

کے متعلق کہتے ہیں کہ اس کے فضل وکرم نے اور یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے (العیاذ باللہ) خود مجرموں کو حجت سکھائی ہے۔ حالانکہ یہ صریح وقبیح جہالت ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ شیطان نفس امارہ اور جہالت وہوائے نفس نے اس کو دھوکہ دے رکھا ہے، کیونکہ لفظ ''الکریم'' کا معنی سید، عظیم اور واجب الاطاعت کے ہیں۔ جس کی نسبت دھوکہ کھا جانا اور اس کے حقوق کی نگہداشت میں غفلت کرنا ہرگز شایانِ شان نہیں۔ سو اس جاہل نے لفظ غرور کو بے محل استعمال کیا، اور نامناسب طور پر اللہ تعالیٰ کی نسبت دھوکہ میں پڑ گیا، اور بعض جاہل، آیت:

﴿لَا يَصْلَاهَا اِلَّا الْاَشْقَى الَّذِىْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى﴾[1]

یعنی ''آتشِ دوزخ کی شدت کو وہی شخص برداشت کرے گا جس نے تکذیب کی اور اعراض کیا۔''

اور آیت: ﴿اُعِدَّتْ لِلْكَافِرِيْنَ﴾ (البقرۃ:۲۴) سے دھوکہ کھا جاتے ہیں اور نہیں جانتے کہ اس آتش سے وہ مخصوص آتش مراد ہے جو آیت ﴿فَاَنْذَرْتُكُمْ نَارًا تَلَظّٰى﴾ (الیل:۱۴) میں مذکور ہے۔ اگر تمام دوزخ کی آگ مراد ہوتی تو ''لَا يَصْلَاهَا'' کے بجائے ''لَا يَدْخُلُهَا'' کا لفظ ہوتا، اور پھر آتشِ دوزخ کی شدت برداشت نہ کرنے سے یہ ہرگز لازم نہیں آتا کہ وہ آتشِ دوزخ میں داخل بھی نہیں ہوگا، کیونکہ ''لَا يَصْلٰهَا'' بہ نسبت ''لَا يَدْخُلُهَا'' کے خاص ہے، اور خاص کی نفی سے عام کی نفی لازم نہیں آتی ہے، اگر یہ جاہل مابعد کی آیت میں غور کرتا تو اس پر واضح ہو جاتا کہ ''لَا يَصْلَاهَا'' ایسے مجرموں کو شامل نہیں ہے، اور آیت: ''اُعِدَّتْ لِلْكَافِرِيْنَ'' سے ہرگز یہ نہیں سمجھا جاتا کہ فاسق اور ظالم لوگ اس میں داخل نہیں ہوں گے، کیونکہ جنت کے متعلق بھی اللہ تعالیٰ نے ''اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ'' فرمایا ہے جس سے ہرگز یہ نہیں سمجھا جاتا کہ جن لوگوں کے دلوں میں ذرہ بھر بھی ایمان ہوگا جنت

---

[1] اللیل:۱۵، ۱۶

میں داخل نہیں ہوں گے، اور بعض جاہل یوم عاشورہ اور یومِ عرفہ کے روزوں سے دھوکہ کھاجاتے ہیں، چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ یومِ عاشورہ اور کا روزہ سال بھر کے گناہوں کا کفارہ بن جاتا ہے اور عرفہ کا روزہ ثواب میں الگ زائد رہا، حالانکہ یہ جاہل نہیں جانتا کہ ماہ رمضان کے روزے اور پانچوں نمازیں جو یوم عاشورہ اور یوم عرفہ کے روزوں سے بڑھ کر موجبِ اجرِ عظیم ہیں صرف اسی صورت میں گناہوں کا کفارہ ہوسکتے ہیں کہ جب انسان کبیرہ گناہوں سے اجتناب کرتا رہے، تو ماہِ رمضان اور ایک جمعہ آئندہ جمعہ تک کے گناہوں کا کفارہ اسی صورت میں ہوسکتا ہے جبکہ کبائر کو ترک کردیا جائے، پس نماز جمعہ ادا کرنا اور کبائر سے بچنا دونوں مل کر ہفتہ بھر کے گناہوں کا کفارہ ہوسکتے ہیں۔ لہٰذا یہ کیسے کہا جاسکتا ہے کہ اس قسم کے نفلی روزے تمام بڑے بڑے گناہوں کو ساقط کرسکتے ہیں، جبکہ وہ روزہ دار کبائر پر مصر ہو؟ اور توبہ تائب بھی نہ ہو، یہ محض خام خیالی ہے، بالفرض والمحال اگر یہ بات تسلیم کرلی جائے کہ یوم عاشورہ اور یوم عرفہ کا روزہ سال بھر کے گناہوں کے لئے موجبِ کفارہ ہیں تو ہم کہتے ہیں کہ ممکن ہے کہ اس قسم کے وعدوں کے لئے کچھ شرائط وموانع ہوں، چنانچہ کبائر پر اصرار بھی ایک مانع ہوسکتا ہے۔ اس لئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ یوم عاشورہ اور یوم عرفہ کا روزہ صرف اسی صورت میں باعثِ کفارہ ہوتا ہے جبکہ کبائر پر اصرار نہ کیا جائے، جس طرح ماہ رمضان کے روزے اور پانچوں نمازیں صغیرہ گناہوں کے لئے صرف اسی صورت میں کفارہ ہوسکتے ہیں جبکہ کبائر سے اجتناب کیا جائے، اللہ تعالیٰ کا ارشادِ عالی ہے:

﴿اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَائِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّأٰتِكُمْ﴾

یعنی "تم اگر کبائر سے برطرف رہو گے جن سے تمہیں منع کیا گیا

ہے تو ہم تمہارے صغائر تم سے ساقط کردیں گے۔" (النساء:٣١)

معلوم ہوا کہ کسی امر کو دوسرے امر کے لئے سبب مقرر کرنا اس امر سے مانع نہیں ہوسکتا کہ اس سبب کے ساتھ کوئی دوسرا امر بطور سبب کے ملحوظ نہ ہو جن کا مجموعی عمل ہر ایک کے جداگانہ عمل کی بہ نسبت زیادہ قوی اور کامل سمجھا جاتا ہے، اور یہ امر مسلم ہے کہ جس قدر کفارۂ گناہ کا موجب قوی ہوگا اسی قدر اسقاطِ گناہ کا عمل بھی قوی، اتم اور اعم ہوگا۔

اللہ تعالیٰ کے ساتھ حسنِ ظن رکھنا:

بعض لوگ اس حدیث سے فریب خوردہ ہیں: ﴿اَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِیْ بِیْ فَلْیَظُنَّ بِیْ مَاشَاءَ﴾[1] جس کے معنی یہ ہیں کہ میں (اللہ تعالیٰ) اپنے بندے کے ساتھ اس کے ظن کے مطابق سلوک کرتا ہوں، سو وہ جو چاہے میرے حق میں ظن کرے۔ یعنی بندہ جس طرح مجھے سمجھے گا میں اسی طرح اس کے ساتھ سلوک کروں گا، اور اس میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ اگر حسنِ ظن پر ہی مدار ہے تو اللہ تعالیٰ کی نسبت حسنِ ظن صرف نیک آدمی رکھ سکتا ہے، کیونکہ نیک آدمی یہ ظن رکھ سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو اس کے نیک اعمال پر جزائے خیر دے گا، اور وہ کبھی اپنے وعدہ کے برخلاف نہیں کرے گا، اور وہ اس کی توبہ کو قبول فرمائے گا۔ جبکہ برے آدمی کا معاملہ اس کے برخلاف ہے جو کبائر پر اصرار کرتا چلا جاتا ہے۔ بُرا شخص معاصی کی ظلمت اور ظلم وحرام کی کدورت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی نسبت نیک گمان نہیں کرسکتا۔ یہ ایک ایسا امر ہے جس کا ہر شخص مشاہدہ اور تجربہ کرسکتا ہے، کیونکہ سرکش اور خدمت سے بھاگا ہوا غلام اپنے آقا کی نسبت کبھی بھی حسن ظنِ نہیں رکھ سکتا۔ اس کی بدعملی کی وحشت اور حسنِ ظن دونوں کبھی جمع نہیں ہوسکتے۔ کیونکہ یہ دونوں چیزیں متضاد ہیں۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ اس قسم کا آدمی ہمیشہ اپنے اندر بری حرکتوں کی وجہ سے وحشت زدہ رہتا ہے۔ بھلا

[1] صحیح الاحادیث القدسیۃ (٢٥٧، ٢٦٦)

ایسی حالت میں اس کو حسنِ ظن کیوں ہونے لگے؟ اللہ تبارک وتعالیٰ کی نسبت سب سے زیادہ حسن ظن رکھنے والا وہی شخص ہوسکتا ہے جو اس کا سب سے زیادہ مطیع وفرمانبردار ہو، چنانچہ حضرت حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ''ایماندار آدمی اللہ تعالیٰ کے حق میں نیک گمان رکھتا ہے۔ اسی لئے وہ نیک اعمال بجالاتا ہے، اور فاسق آدمی اللہ تعالیٰ کے حق میں بدگمان رہتا ہے۔ اسی لئے وہ برے اعمال کرتا ہے''۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ جو شخص گم گشتہ راہ ہو، ہمیشہ موجبِ غضبِ خداوندی امور بجالاتا ہو، خود کو اس کے عتاب کا مورد بناتا ہو، اس کے اوامر ونواہی کا خیال نہ رکھتا ہو، انہیں خفیف سمجھ کر ترک کردیتا ہو اور اصرار کرتا چلا جاتا ہو، ایسا شخص اللہ تعالیٰ کی نسبت حسنِ ظن رکھے؟ اور یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ جنگ کرتا ہو، اس کے مقبول بندوں سے عداوت اور اس کے دشمنوں سے دوستی رکھتا ہو اور اس کی صفاتِ کمالیہ کا منکر ہو اور جن کمالات واوصاف کے ساتھ اس نے اور اس کے رسولوں نے اسے موصوف کیا ہو، ان کی نسبت بدگمان ہو اور اپنی جہالت کی بنا پر یہ گمان کرتا ہو کہ یہ باتیں ظاہراً کفر وضلال ہیں۔ ایسا آدمی اللہ تعالیٰ کی ذات کے حق میں نیک گمان رکھ سکے؟ اور یہ کیونکر ہوسکتا ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی نسبت یہ زعم رکھتا ہو کہ وہ نہ متکلم ہے اور نہ امر ونہی کرتا ہے اور نہ خوش وناخوش ہوتا ہے۔ وہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی ذات کے بارے میں حسن ظن رکھتا ہو؟ حالانکہ اللہ جل جلالہٗ تمام جزئیات کے سننے اور دیکھنے کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں:

﴿وَذٰلِكُمْ ظَنُّكُمُ الَّذِي ظَنَنتُم بِرَبِّكُمْ أَرْدَاكُمْ فَأَصْبَحْتُم مِّنَ الْخَاسِرِينَ﴾

یعنی ''تمہارا گمان اپنے رب کے بارے میں باطل تھا جس نے تمہیں ہلاک کیا، سو تم نقصان اٹھانے والوں میں سے ہوگئے۔'' (حم السجدہ: ۲۳)

جب یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی نسبت یہ گمان رکھتے ہیں کہ وہ ان کے اعمال کا علم نہیں رکھتا تو یہ باری تعالیٰ کے حق میں سوءظن ہے جس ظن نے انہیں ہلاک کرڈالا، اور یہی حالت ان تمام لوگوں کی ہوا کرتی ہے جو اللہ تعالیٰ کی صفاتِ کمالیہ اور صفاتِ جلالیہ کا انکار کیا کرتے ہیں۔ اس ذات کو ایسی صفات سے متصف سمجھتے ہیں جو اس کی شایانِ شان نہیں، ایسا شخص جب یہ یقین کر بیٹھے کہ اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں داخل کردیں گے تو یہ اس کے نفس امارہ کا دھوکہ اور شیطان کا فریب ہے، نہ کہ رب تعالیٰ کے ساتھ حسنِ ظن، اس مقام پر خوب غور وفکر اور اس کی حاجت پر آگاہ ہونا چاہیے، کیونکہ یہ ایک نہایت ضروری امر ہے،غور کیجئے کہ یہ بات کس طرح ممکن ہے کہ کوئی شخص یہ یقین رکھ کر کہ اللہ تعالیٰ اس کے تمام حالات کو دیکھتا، سنتا اور اس کے ظاہر وباطن کو جانتا ہے اور یہ یقین رکھ کر کہ اسے ایک نہ ایک دن احکم الحاکمین کے حضور اپنے اعمال کا جوابدہ ہونا ہے، وہ ایسے امور میں غلطان رہے جو اس کے غضب کا موجب ہیں۔ اس کے احکام کو ضائع کرے، اور اس کے حقوق کی کچھ بھی پرواہ نہ کرے اور بایں ہمہ یہ کہا جائے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حق میں حسن ظن رکھتا ہے۔ بے شک یہ اس کے نفس کا دھوکہ اور محض خام خیالی ہے۔ ابوامامہؓ سہل بن حنیف فرماتے ہیں کہ ”میں اور عروہ بن زبیرؒ ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تو آپؓ نے اثنائے کلام فرمایا کہ کاش تم لوگ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس حالت میں دیکھتے جبکہ وہ بیمار تھے، اور میرے پاس چھ یا سات دینار پڑے تھے، حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ تم انھیں فی سبیل اللہ تقسیم کردو، ام المؤمنینؓ فرماتی ہیں کہ میں حضور علیہ السلام کی بیماری کی فکر میں لگی رہی اور تعمیلِ ارشاد کا مجھے موقع نہ ملا، جب حضور پرنور علیہ السلام صحت یاب ہوئے تو مجھ سے ان دیناروں کے متعلق دریافت فرمایا کہ کیا تم نے وہ دینار تقسیم کردیئے تھے؟ میں نے عرض کیا کہ

واللہ! میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی بیماری کی وجہ سے اس حکم کو بجانہ لاسکی۔ تب حضورؐ نے ان دیناروں کو منگوایا اور یوں فرمایا:

﴿مَاظَنُّ نَبِيِّ اللّٰهِ لَوْلَقِيَ اللّٰهَ وهٰذِه عِنْدَهٗ﴾

یعنی ''ایک اللہ کے نبیؐ کا خدا تعالیٰ کے ساتھ کیا حسن ظن ہوگا جبکہ وہ ایسے حال میں احکم الحاکمین کے حضور حاضر ہو کہ یہ دینار اس کے پاس جمع تھے۔

مجھے سخت تعجب ہے کہ جب ایک اللہ کے نبیؐ کی یہ حالت ہے کہ وہ مذکورہ امر کو خدا تعالیٰ کی ذات کے حق میں سوء ظن سمجھتا ہے تو ان ظالموں اور فاسقوں کی خدا کے سامنے کیا حالت ہوگی؟ جو ہزاروں بندگان خدا کے حقوق کا بوجھ اپنی گردنوں پر لے کر حاضر ہونگے؟ اگر احکم الحاکمین کے بحضور ان کا یہ جواب ہوگا کہ اے اللہ! ہم تیرے حق میں نیک گمان رکھا کرتے تھے۔ اس لئے ہم نے یہ سب کچھ کرلیا تو پھر یقیناً کوئی فاسق اور ظالم آدمی عذاب الٰہی میں گرفتار نہیں ہوگا۔ اس لئے ہر شخص جو چاہے کرتا پھرے، اوامر ونواہی کی مطلق پرواہ نہ کرے، کیونکہ اس کے لئے اللہ تعالیٰ کے حق میں حسنِ ظن رکھنا آتشِ دوزخ سے بچنے کے لئے کافی ہے۔ سبحان اللہ! انسان کو دھوکہ کہاں تک لے جاتا ہے؟ دیکھو! حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم کو کن لفظوں میں خطاب کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿أَئِفْكًا اٰلِهَةً دُوْنَ اللّٰهِ تُرِيْدُوْنَ فَمَا ظَنُّكُمْ بِرَبِّ الْعَالَمِيْنَ﴾ (الصافات:۸۶،۸۷)

یعنی ''کیا تم ایسے معبودوں کو جو غیر اللہ ہیں جھوٹ موٹ چاہتے ہو؟ پس تم رب العالمین کے ساتھ کیسا گمان رکھتے ہو؟''

حسنِ ظن ہی حسنِ عمل پر آمادہ کرتا ہے:

الغرض جو شخص اس مسئلہ میں مکمل غور کرے گا اس پر یہ حقیقت واضح ہوجائے گی کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ حسن ظن رکھنے سے مراد صرف نیک اعمال بجالانا ہے، کیونکہ انسان کو نیک اعمال کی طرف صرف یہ خیال راغب کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو نیک اعمال پر جزائے خیر اور اجرِ عظیم عطا فرمائیں گے، تو حسن عمل پر یہی حسن ظن متوجہ کرتا ہے۔ جس قدر اس کا حسنِ ظن زیادہ ہوگا اسی قدر اس کے حسنِ عمل میں اضافہ ہوگا، ورنہ خواہشات نفس کی پیروی کرکے حسن ظن رکھنا ایک طرح کا عجز ہے، چنانچہ ترمذی اور مسند میں بحدیثِ شداد بن اوسؓ مروی ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے ارشاد فرمایا:

﴿اَلْکَیِّسُ مَنْ دَانَ نَفْسَهٗ وَعَمِلَ لِمَا بَعْدَ الْمَوْتِ، وَالْعَاجِزُ مَنْ اَتْبَعَ نَفْسَهٗ هَوَاهَا وَتَمَنّٰی عَلَی اللّٰهِ﴾[1]

یعنی ”دانا آدمی وہ ہے جو اپنے نفس کا محاسبہ کرے (یعنی اس کا نفس اس کے قابو میں ہو) اور مابعدالموت کے لئے نیک اعمال کرتا ہو، اور عاجز وہ ہے جو خواہشات نفس کی پیروی کرکے آرزوؤں کا خداتعالیٰ سے طالب ہو۔“

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ حسن ظن اسی وقت صحیح ہوسکتا ہے جبکہ نجات کے اسباب بھی تیار کرے، ورنہ اسبابِ ہلاکت تیار کرنے سے حسنِ ظن بالکل بے معنی بات ہے۔

حسنِ ظن اور فریب خوردگی میں فرق:

اگر کوئی شخص یوں کہنے لگے کہ ایسی صورت میں بھی حسن ظن ممکن ہے، کیونکہ

---

[1] ضعیف الجامع الصغیر (۴۳۱۰)

حسنِ ظن کا تعلق اللہ تعالیٰ کی وسعتِ مغفرت ، رحمت اور عفو وکرم سے ہے، اور اس کی رحمت اس کے غضب پر مقدم ہے، اللہ تعالیٰ کو نہ عذاب سے فائدہ ہوتا ہے اور نہ ہی رحمت سے نقصان ،تو اس کا جواب یہ ہے کہ بے شک بات اسی طرح ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور جود وکرم اس سے بھی بڑھ کر ہے، مگر حق یہ ہے کہ وہ ان امور کو وہیں استعمال کرتا ہے جہاں ان کا محل مناسب ہو، کیونکہ وہ ذات حکمت ،عزت ، انتقام، شدّتِ بطش اور مستحقِ عذاب کو عذاب دینے کے ساتھ (بھی) موصوف ہے، اگر حسن ظن کا مدار صرف اللہ کریم کے اسماء وصفات مثلاً رحیم وکریم وغیرہ پر ہوتا تو اس میں تمام نیک وبد اور مومن وکافر یکساں طور پر شامل وشریک ہوتے ، اور اس کے اعداء اور اولیاء میں کوئی فرق نہ ہوتا، لہٰذا مجرم کو محض اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات سے اس حال میں کچھ بھی نفع حاصل نہیں ہوسکتا جبکہ اس نے خود کو اس ذات کے قہر وغضب کے مقام میں لا کھڑا کیا ہے، اور تمام محارم کا ارتکاب کرتا ہے، اور ممنوعات سے اجتناب نہیں کرتا، بلکہ حق یہ ہے کہ حسن ظن اسی شخص کے لئے مفید ہے جو سچی توبہ کرے، کئے پر پچھتائے اور آئندہ بھی باز رہے، اور اپنی برائیوں کو اچھائیوں سے بدل لے ، اور بقیہ زندگی کو نیکی اور عبادت میں پورا کرے اور اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی رحمتِ کاملہ اور مغفرتِ تامہ کا امیدوار رہے، یہ حقیقت میں حسن ظن ہے، اس کے بغیر محض دھوکہ ہے، واللہ المستعان۔

مذکورہ تقریر کو سرسری نظر سے نہیں دیکھنا چاہئے ، کیونکہ ہر ایک کو اس بات کی سخت ضرورت ہے کہ وہ حسن ظن اور فریب خوردگی میں امتیاز اور فرق سمجھے، دیکھئے! اللہ تعالیٰ کیا ارشاد فرما رہے ہیں:

﴿إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا، وَالَّذِينَ هَاجَرُوا، وَجَاهَدُوا فِي

سَبِیۡلِ اللّٰہِ اُولٰٓئِکَ یَرۡجُوۡنَ رَحۡمَۃَ اللّٰہِ وَاللّٰہُ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ﴾

یعنی ”بے شک وہ لوگ جو ایمان لائے اور جنہوں نے اللہ کی راہ میں ہجرت کی اور جہاد کیا، وہی رحمتِ خداوندی کے امیدوار ہیں۔“ (البقرۃ:۲۱۸)

دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

﴿ثُمَّ اِنَّ رَبَّکَ لِلَّذِیۡنَ ھَاجَرُوۡا مِنۡۢ بَعۡدِ مَا فُتِنُوۡا ثُمَّ جٰھَدُوۡا وَصَبَرُوۡۤا ، اِنَّ رَبَّکَ مِنۡۢ بَعۡدِھَا لَغَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ﴾

یعنی ”بے شک تیرا پروردگار ان لوگوں کے لئے جنہوں نے فتنہ میں پڑنے کے بعد ہجرت کی، پھر انھوں نے جہاد کیا اور صبر کیا، بڑا بخشنے والا اور بڑا مہربان ہے۔“ (النحل:۱۱۰)

ان آیاتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ وہ مذکورہ اعمال بجالانے کے بعد غفور رحیم ہے جو وہ شخص بجالاتا ہے۔ پس عالِم تو برمحل امیدِ رحمت رکھتا ہے اور جاہل فریب خوردہ بے محل امیدِ رحمت رکھتا ہے۔

رحمت پر بھروسہ کر کے اعمال کو ضائع کرنا جہالت ہے:

اکثر جاہلوں نے اللہ تعالیٰ کی رحمت، عفوودرگزر اور فضل وکرم پر بھروسہ کر کے اوامرونواہی کو ضائع کردیا، اور اس بات کو بھول گئے کہ وہ شدید العقاب بھی ہے، اس کا عذاب مجرم لوگوں سے کبھی ٹلا نہیں کرتا، اور جو شخص اللہ تعالیٰ کے عفووکرم پر بھروسہ کر کے گناہوں پر اصرار کرتا ہے وہ خدا تعالیٰ کا دشمن ہے۔ حضرت معروف

فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کا امیدوار ہونا اور اس کی اطاعت نہ کرنا رسوائی اور بیوقوفی ہے، اور بعض علماء فرماتے ہیں کہ وہ ذات جس نے تین درہم کے سرقہ (شافعیہ کے نزدیک) پر اس دنیا میں قطعِ عضو کی سزا مقرر کی ہے۔ اس کی نسبت یہ کیسے خیال کیا جاسکتا ہے کہ وہ آخرت میں اسی طریق پر گناہوں پر سزا نہ دے گا۔ حضرت حسن سے کسی نے کہا کہ ہم آپ کو بہت روتے دیکھتے ہیں؟ تو آپ نے فرمایا کہ مجھے ڈر ہے کہ اللہ تعالیٰ کہیں مجھے دوزخ میں نہ پھینک دے اور کچھ پرواہ بھی نہ کرے، آپ فرمایا کرتے: لوگوں کو مغفرت کی آرزوؤں نے غافل کر رکھا ہے۔ دنیا سے توبہ کئے بغیر گزر جاتے ہیں اور یوں کہتے ہیں کہ مجھے اپنے رب کے ساتھ نیک گمان ہے۔ وہ جھوٹ بولتا ہے، کیونکہ اگر اسے اپنے رب کے ساتھ حسنِ ظن ہوتا تو یقیناً حسن عمل بھی کرتا، کسی نے حضرت حسنؒ سے سوال کیا اے ابوسعید! ان لوگوں کی مجالس میں بیٹھنے کے بارے میں آپ ہمیں کیا حکم دیتے ہیں جو ہمیں عذاب الٰہی سے اس قدر ڈراتے ہیں کہ جس سے ہمارے دل پھٹ جاتے ہیں؟ آپ نے فرمایا واللہ! تمہارا ایسے لوگوں کے پاس بیٹھنا جن کے ڈرانے کا نتیجہ امن ہو، ان لوگوں کے پاس بیٹھنے سے کہیں زیادہ بہتر ہے جو تمہیں عذابِ الٰہی سے بے خوف کردیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہو کہ تم خود کو عذاب کے خطرات میں مبتلا دیکھو۔ صحیحین میں حدیثِ اسامہ بن زیدؓ مروی ہے کہ انھوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ و السلام کو ارشاد فرماتے سنا: ’’ قیامت کے روز ایک شخص پیش کیا جائے گا۔ اس کے بعد وہ دوزخ میں ڈالا جائے گا۔ پس اس کی انتڑیاں اس کے پیٹ سے باہر نکل پڑیں گے، اور وہ دوزخ میں یوں گھومے گا جیسے چکی کے گرد گدھا گھومتا ہے، اہل دوزخ اس کے پاس جمع ہوکر اس سے پوچھیں گے کہ اے فلاں تیری کیا حالت ہے؟ کیا تو ہمیں نیکی کا حکم اور برائی سے منع نہیں کیا کرتا تھا؟ وہ کہے گا کہ ہاں، نیکی کا حکم تو دیتا تھا مگر خود نہیں کرتا تھا، برائی سے روکتا تھا اور خود اس کا

ارتکاب کیا کرتا تھا۔'' [۱]

امام احمدؒ نے حدیث ابی رافعؓ ذکر کرتے ہیں کہ ایک روز نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم مقامِ بقیع کے پاس سے گزرے، تو آپؐ نے فرمایا:

﴿أفٍ لَكَ فظننت يريدني، فقال: لا، ولكن هذا قبر فلانٍ بعثه ساعياً اِلىَ ال فلانٍ، فغلّ نمرةً فدرّع الآن مثلها من نارٍ﴾ [۲]

یعنی ''میں نے سمجھا کہ شاید یہ (اُف کا) کلمہ میری نسبت ہے، آپؐ نے فرمایا: نہیں یہ فلاں شخص کی قبر ہے، جس کو میں نے فلاں قبیلہ کے لوگوں کے پاس زکوٰۃ کا محصل بنا کر بھیجا تھا۔ اس نے ایک دھاریدار چادر خیانۃً رکھ لی تھی۔ اس لئے آج اسی طرح اس کے بدلہ میں آگ کی چادر اس کو پہنائی گئی ہے۔''

نیز مسند احمد میں بروایت انس بن مالکؓ مروی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا: ''میں معراج کی رات ایک قوم کے پاس سے گزرا جن کے ہونٹ آگ کی قینچیوں سے کاٹے جارہے تھے۔ میں نے پوچھا یہ کون لوگ ہیں؟ جواب ملا آپؐ کی امت کے دنیا دار خطیب لوگ ہیں جو لوگوں کو تو نیکی کا حکم دیتے تھے لیکن خود کو فراموش رکھتے تھے۔'' [۳]

نیز مسند احمد میں انھی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: '' میرا معراج کی رات ایک قوم کے پاس سے گزر ہوا، جن کے ناخن تانبے کے تھے، اور وہ ان ناخنوں سے اپنے چہروں اور سینوں کو چھیل رہے تھے، میں

---

[۱] بخاری (۶/۳۲۶۷ فتح الباری) [۲] احمد (۶/۳۹۳)

[۳] احمد (۳/۱۸۰)

نے پوچھا کہ جبرئیلؑ ! یہ کون ہیں؟ اس نے جواب دیا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو لوگوں کی غیبت اور آبرو ریزی کیا کرتے تھے۔[۱]

نیز مسند احمد میں انہی سے مروی ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم اکثر یہ دعا پڑھا کرتے تھے:

﴿یَامُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ وَالْاَبْصَارِ ثَبِّتْ قَلْبِیْ عَلٰی دِیْنِكَ﴾

یعنی ''اے دلوں اور نگاہوں کے پھیرنے والے میرے دل کو دین پر قائم رکھو۔''

ہم نے عرض کیا یارسول اللہ! ہم لوگ آپؐ پر اور قرآن پاک پر ایمان لائے ہیں۔ کیا آپ کو ہماری نسبت کچھ خوف واندیشہ ہے؟ آپؐ نے فرمایا: ہاں! کیونکہ لوگوں کے دل اللہ تعالیٰ کی دو انگلیوں کے درمیان میں ہیں، وہ انھیں جس طرح چاہتا ہے پھیر دیتا ہے۔[۲]

نیز مسند میں انہی کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جبریل علیہ السلام سے پوچھا کیا وجہ ہے کہ میں نے میکائیل علیہ السلام کو کبھی ہنستے نہیں دیکھا؟ انھوں نے جواب دیا کہ جب سے دوزخ پیدا ہوئی ہے، وہ نہیں ہنسے۔[۳]

صحیح مسلم میں حدیث انس بن مالکؓ ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''قیامت کے روز اہل دوزخ میں سے ایسا شخص جو دنیا میں سب سے زیادہ نازونعمت میں رہا ہوگا پیش کیا جائے گا۔ اس کو آگ میں رنگنے کے بعد پوچھا جائے گا کہ اے ابن آدم! کیا تو نے مال ودولت اور نازونعمت کو کبھی دیکھا بھی تھا؟ وہ کہے گا کہ واللہ! نہیں دیکھا تھا۔ اے میرے پروردگار! پھر اہل جنت میں سے بھی ایسا شخص جو دنیا میں سب سے بڑھ کر سختی میں مبتلا رہا تھا، پیش کیا جائے گا اور اس کو جنت

---

[۱] احمد (۲۲۴/۳) [۲] احمد (۱۱۲/۳، ۲۵۷) [۳] احمد (۲۲۴/۳)

میں رنگنے کے بعد پوچھا جائے گا کہ اے ابنِ آدم! کیا تو نے کبھی سختی اور مصیبت کو دیکھا بھی تھا؟ وہ کہے گا واللہ! پروردگار! نہ تو کبھی مجھ پر سختی آئی تھی اور نہ میں نے کوئی مصیبت دیکھی۔"[1]

مسند احمد میں حدیث براء بن عازبؓ منقول ہے[2] کہ" ہم لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ ایک انصاری کا جنازہ پڑھنے کے لئے نکلے، اور قبر تک پہنچے، قبر ابھی تیار نہیں ہوئی تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہوگئے، ہم بھی آپؐ کے اردگرد چپ چاپ بیٹھ گئے، حضورؐ کے ہاتھ میں ایک لکڑی تھی جس سے آپؐ زمین کو کرید رہے تھے۔ تھوڑی دیر کے بعد حضورؐ نے سر مبارک اٹھایا اور دو یا تین مرتبہ فرمایا: عذابِ قبر سے اللہ کی پناہ مانگو، پھر فرمایا: مومن جب دنیا کو خیر باد اور آخرت کی طرف متوجہ ہونے لگتا ہے تو آسمان سے آفتاب کی طرح چمکتے چہروں والے فرشتے اہلِ جنت کا کفن اور خوشبو لے کر حاضر ہوتے ہیں اور میت کی حد نگاہ کے فاصلہ تک بیٹھ جاتے ہیں۔ پھر ملک الموت اس شخص کے سرہانے آکر بیٹھ جاتا ہے، اور اس کی روح کو یوں خطاب کرتا ہے: اے نفسِ مطمئنہ! اللہ کی مغفرت اور خوشنودی کی طرف باہر نکل، پس وہ اس طرح بہہ نکلتی ہے جس طرح مشک کے دہانہ سے پانی کا قطرہ، ملک الموت فی الفور اس کو لے لیتا ہے، اس کے بعد حاضر فرشتے فوراً ان کے ہاتھ سے لیکر کفن اور خوشبو میں لپیٹ لیتے ہیں۔ جس سے مشک کی ایسی بہترین پاکیزہ خوشبو نکلتی ہے جو روئے زمین کی تمام خوشبوؤں سے بڑھ کر ہوتی ہے، پھر اس کو اوپر لے چلتے ہیں فرشتوں کی جس جماعت کے پاس سے گزرتے ہیں وہ جماعتِ ملائکہ ان سے پوچھتی ہے کہ یہ کس شخص کی پاک روح ہے۔ وہ اس کو اس کے سب سے اچھے نام سے ظاہر کرتے ہیں جس سے وہ دنیا میں موسوم ہوتا تھا کہ یہ فلاں بن فلاں کی روح ہے، آسمان پر پہنچ کر فرشتے آسمان کا دروازہ کھلوانا چاہتے ہیں دروازہ کھولا جاتا

[1] مسلم (۴/۵۵) صفات المنافقین [2] احمد (۴/۲۸۷، ۲۸۸)

ہے۔ آسمان کے فرشتے احتراماً دوسرے آسمان تک ساتھ ہو لیتے ہیں۔ اسی (اکرام) کے ساتھ ساتویں آسمان تک پہنچتے ہیں، پھر اللہ تعالیٰ حکم دیتے ہیں کہ میرے اس بندے کی کتاب علیین میں لکھ دو، اور اس کو دوبارہ زمین کی طرف واپس لے جاؤ، کیوں کہ میں نے بنی آدم کو زمین ہی سے پیدا کیا، اور اسی میں انھیں لوٹاتا ہوں، اور پھر بالآخر اسی سے دوبارہ باہر نکالوں گا، پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اس شخص کی روح زمین کی طرف لوٹائی جاتی ہے، دو فرشتے آکر اس کو بٹھاتے ہیں اور اس سے پوچھتے ہیں کہ تیرا رب کون ہے؟ وہ جواب دیتا ہے کہ میرا رب اللہ عزوجل ہے، پھر اس سے پوچھتے ہیں کہ تیرا دین کیا ہے؟ وہ کہتا ہے کہ میرا دین اسلام ہے، وہ پھر اس سے پوچھتے ہیں کہ یہ شخص (حضور علیہ السلام) جو تم میں مبعوث ہوئے تھے، کون ہیں؟ وہ جواب دیتا ہے کہ یہ محمد رسول اللہ ہیں، پھر وہ اس سے پوچھتے ہیں کہ تو نے کیسے جانا؟ وہ کہتا ہے کہ میں نے اللہ عزوجل کی کتاب کو پڑھا، اور اس پر ایمان لایا، اور اس کی تصدیق کی تھی، اس کے بعد ایک پکارنے والا آسمان سے پکارتا ہے کہ میرے بندے نے سچ کہا ہے۔ جنت کے نرم وگداز بستر اس کے لئے بچھا دو، اور فاخرہ لباس پہنا دو، اور جنت کی جانب ایک دروازہ اس کے لئے کھول دو، آپؐ نے فرمایا: پھر جنت کی نہایت پاکیزہ اور خوشبودار ہوا اس کے پاس آتی ہے اس کی قبر حد نگاہ تک وسیع کردی جاتی ہے، پھر آپؐ نے فرمایا: ایک نہایت خوبصورت، خوش لباس پاکیزہ خوشبو آدمی اس کے پاس آتا ہے اور آکر اسے کہتا ہے: خوشخبری ہو اس خوشی کی جو تجھے حاصل ہے، یہی وہ دن ہے جس کا تجھ سے وعدہ کیا گیا تھا۔ وہ اس سے پوچھتا ہے کہ تو کون ہے کہ جس کے چہرے مہرے سے خیر کے آثار نمایاں ہیں؟ وہ جواب دیتا ہے کہ میں تیرا نیک عمل ہوں، تب وہ یوں کہنے لگتا ہے الٰہی! قیامت جلدی برپا کردے، تاکہ میں اپنے اہل وعیال کی طرف لوٹ کر جاؤں، پھر آپؐ نے فرمایا: کافر

آدمی جب دنیا چھوڑنے اور آخرت کی طرف متوجہ ہونے لگتا ہے تو آسمان سے سیاہ چہروں والے فرشتے ٹاٹ یا کمبل لے کر اترتے ہیں، اور اس کے پاس حدنگاہ کے فاصلہ تک بیٹھ جاتے ہیں۔ پھر ملک الموت آتا ہے اور سرہانے بیٹھ کر اسے یوں کہتا ہے: اے نفسِ خبیث! اللہ کے غیظ وغضب کی طرف نکل، آپؐ نے فرمایا: اس کی روح اس کے جسم میں متفرق ہوجاتی ہے۔ ملک الموت اس کو اس طرح کھینچتا ہے جس طرح تر اُون سے لوہے کی گرم سیخ، ملک الموت اس کو قابو کرلیتا ہے، اس کے بعد حاضر فرشتے فی الفور اسے لیکر اس کمبل میں ڈال دیتے ہیں، جس سے نہایت گندی مردار کی سی بدبو آنے لگتی ہے، پھر وہ اس کو اوپر کی طرف لے جاتے ہیں، فرشتوں کی جس جماعت سے ان کا گزر ہوتا ہے وہ جماعت ان سے پوچھتی ہے کہ یہ کس کی خبیث روح ہے؟ وہ اس شخص کو نہایت برے سے برے نام سے یوں ظاہر کرتے ہیں کہ یہ فلاں بن فلاں کی روح ہے۔ پس اس کے لئے آسمان کا دروازہ کھولنے کی استدعا کی جاتی ہے لیکن دروازہ نہیں کھولا جاتا، پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت کی:

﴿لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَاءِ وَلَا يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِيْ سَمِّ الْخِيَاطِ﴾

یعنی ''ان کے لئے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جائیں گے اور نہ جنت میں داخل ہوں گے، جب تک کہ اونٹ سوئی کے ناکے سے گزر نہ جائے۔'' (الاعراف:۴۰)

پھر اللہ تعالیٰ حکم دیتے ہیں کہ اس شخص کا نامہ اعمال سب سے نچلی زمین کے مقام سجین میں لکھ دو، پھر اس کی روح پھینک دی جاتی ہے۔

آپؐ نے یہ آیت پڑھی:

﴿وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَكَاَنَّمَا خَرَّمِنَ السَّمَاءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ اَوْتَهْوِىْ بِهِ الرِّيْحُ فِىْ مَكَانٍ سَحِيْقٍ﴾

یعنی ''جو شخص اللہ کے ساتھ شرک کرتا ہے اس کی مثال ایسی ہے کہ جیسے وہ آسمان سے گر پڑے اور اس کو پرندے اچک لیں یا ہوا اس کو دور دراز مقام میں اُڑا کر لے جائے۔'' (الحج:۳۱)

پھر اس کی روح اس کے جسم میں لوٹائی جاتی ہے اور دو فرشتے آ کر اس کو بٹھاتے ہیں، اور اس سے پوچھتے ہیں کہ تیرا رب کون ہے؟ وہ کہتا ہے کہ آہ آہ میں نہیں جانتا، پھر اس سے پوچھتے ہیں تیرا دین کیا ہے؟ وہ کہتا ہے آہ آہ، مجھے معلوم نہیں، پھر اس سے پوچھتے ہیں کہ یہ شخص (حضور علیہ السلام) جو تم میں مبعوث ہوئے کون ہیں؟ وہ کہتا ہے آہ آہ میں نہیں جانتا، تب آسمان سے ایک پکارنے والا پکارتا ہے، میرے بندے نے تکذیب کی ہے۔ اس کے لئے آگ کا بستر بچھا دو۔ آگ ہی کا لباس پہنا دو اور دوزخ کی جانب اس کے لئے ایک دروازہ کھول دو، جہاں سے اس کو سخت حرارت اور گرم ہوا پہنچتی ہے، اور قبر اس پر اتنی تنگ ہو جاتی ہے کہ اس کی پسلیاں باہم مل جاتی ہیں اور ایک نہایت بدصورت، بدلباس اور بدبودار آدمی اس کے پاس آ کر کہتا ہے: خوشخبری ہو اس غم والم کی جو تجھے غمناک کرتی ہے، یہ وہی دن ہے جس کا تجھ سے وعدہ کیا گیا تھا۔ وہ کہتا ہے تو کون ہے؟ جس کے چہرے سے آثارِ شر نمایاں ہو رہے ہیں؟ وہ کہتا ہے کہ میں تیرا عمل بد ہوں، وہ کہنے لگتا ہے، خدایا! قیامت قائم نہ کیجیو۔ مسند احمد کی ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں: پھر ایک اندھے، بہرے اور گونگے کو اس پر مقرر کیا جاتا ہے جس کے ہاتھ میں ایک ایسا گرز ہوتا ہے کہ اگر پہاڑ پر مارا جائے تو وہ مٹی ہو جائے، وہ اسے مارتا ہے جس سے وہ چکنا چور ہو جاتا ہے پھر اللہ تعالیٰ اس کو اصلی حالت پر لاتے ہیں اور اسی طرح پھر وہ مارتا ہے اور وہ اس زور سے چیختا چلاتا ہے کہ جس کو جن وانس کے سوا ہر چیز سنتی ہے، حضرت براءؓ فرماتے

ہیں کہ اس کے بعد دوزخ کی طرف ایک دروازہ کھول دیا جاتا ہے، اور آگ کا بستر اس کے لئے بچھایا جاتا ہے، نیز مسند احمد میں انہی سے مروی ہے کہ ہم لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے، آپؐ نے چند آدمیوں کو ایک جگہ رکھ کر پوچھا: یہ لوگ کیوں جمع ہو رہے ہیں، کسی نے جواب دیا کہ قبر کھود رہے ہیں، نبی علیہ السلام بے چین سے ہو کر صحابہؓ سے آگے نکل گئے، اور اس قبر تک پہنچ کر گھٹنوں کے بل بیٹھ گئے، میں آپؐ کے سامنے کی جانب ہو کر دیکھنے لگا کہ آپ کیا کرتے ہیں، میں نے دیکھا کہ آپؐ رو رہے ہیں، آنسوؤں سے خاک تر ہوگئی، پھر آپؐ ہماری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا:

﴿اَیْ اِخْوَانِیْ لِمِثْلِ هٰذَا الْیَوْمِ فَاَعِدُّوْا﴾[1]

یعنی ''اے بھائیو! ایسے دن کے لئے تمہیں بھی تیاری کرنی چاہئے۔''

مسند احمد میں حدیث بریدہؓ مروی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ایک روز ہماری طرف تشریف لائے، اور تین دفعہ پکار کر فرمایا: ''اے لوگو! جانتے ہو، میری اور تمہاری مثال کیا ہے؟ صحابہؓ نے کہا کہ اللہ اور اس کے رسولؐ خوب جانتے ہیں، آپؐ نے فرمایا: میری اور تمہاری مثال بعینہ ان لوگوں کی سی ہے جو کسی آنے والے دشمن سے خوف زدہ ہوں، اور کسی کو دشمن کے دیکھنے کے لئے بھیجیں، اور وہ دشمن کو دیکھ لے اور انھیں دشمن سے ڈرانے کے لئے واپس لوٹے اور اسے یہ بھی خوف ہو کہ ان لوگوں کو ڈرانے سے پہلے ہی کہیں دشمن ان کو آنہ پکڑے، پس وہ وہیں اپنے کپڑے سے اشارہ کر کے یوں کہنے لگے: لوگو! دشمن آ گیا، لوگو! دشمن آ گیا، یہ آپؐ نے تین مرتبہ فرمایا۔''[2]

صحیح مسلم میں بحدیث جابرؓ مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

---

[1] مسند احمد (۲۹۴/۴) [2] احمد (۳۴۸/۵)

ارشاد فرمایا: ''ہر نشہ آور چیز حرام ہے، اور اللہ تعالیٰ نے یہ عہد کرلیا ہے کہ جو شخص نشہ آور چیز پیئے گا اس کو ''طینۃ الخبال'' پلائے گا۔ صحابہؓ نے پوچھا ''طینۃ الخبال'' کیا ہے؟ فرمایا: دوزخیوں کا پسینہ یا ان کی پیپ ہے۔[1]

نیز مسند احمد میں بروایت ابی ذرؓ مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''میں ایک ایسی حالت دیکھتا ہوں جس کو تم نہیں دیکھتے، اور ایسی باتیں سنتا ہوں جن کو تم نہیں سن سکتے، اور آسمان سے اونٹ کے کجاوہ کی طرح آواز آرہی ہے، اور ضروری ہے کہ وہ ایسی آواز کرے (کیونکہ) اس میں چار انگل کی بھی جگہ خالی نہیں جس میں کوئی فرشتہ سجدہ میں پڑا اللہ کی تسبیح نہ کررہا ہو، اگر تم لوگ اس حالت کو جانتے جس کو میں جانتا ہوں تو تم کبھی نہ ہنستے اور ہمیشہ رویا کرتے، اور بستروں پر عورتوں سے لطف اندوز نہ ہوتے، اور یقیناً گھروں سے باہر میدانوں میں نکل جاتے، اور اللہ کے سامنے گڑگڑاتے، ابوذرؓ فرماتے ہیں کہ واللہ! میں نے چاہا کہ میں درخت بن جاؤں جو کاٹ دیا جائے۔''

نیز مسند احمد میں بروایت حذیفہؓ مروی ہے کہ ہم لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک جنازہ میں تھے۔ جب ہم قبر پر پہنچے تو حضور علیہ السلام پنڈلیوں کے بل بیٹھ گئے، اور اس قبر کو بار بار دیکھتے رہے، پھر فرمایا: ''مومن کو قبر میں زور سے بھینچا جاتا ہے، جس سے اس کی خصیتین کی رگیں علیحدہ ہوجاتی ہیں، اور کافر کو آگ میں دبا دیا جاتا ہے۔''[2]

نیز مسند احمد میں حدیث جابرؓ مروی ہے کہ ہم لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ سعد بن معاذؓ کے جنازہ کے لئے نکلے، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کا جنازہ پڑھ چکے اور انہیں قبر میں رکھ کر مٹی برابر کردی گئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] مسلم (۲/۴۷) الاشربۃ [2] مسند احمد ۴۰۷

نے تسبیح پڑھی، ہم لوگ بھی دیر تک تسبیح پڑھتے رہے، پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تکبیر کہی، ہم نے بھی تکبیر کہی، آپؐ سے دریافت کیا گیا کہ یارسول اللہ! آپؐ نے کیوں تسبیح پڑھی اور پھر تکبیر کہی؟ آپؐ نے فرمایا:

﴿لَقَدْ تَضَايَقَ عَلٰى هٰذَا الْعَبْدِ الصَّالِحِ قَبْرُهٗ حَتّٰى فَرَّجَ اللّٰهُ عَنْهُ﴾[1]

یعنی "اس صالح آدمی پر قبر تنگ ہوگئی تھی، حتی کہ اللہ تعالیٰ نے اس سے تنگی کو دور فرمادیا۔"

صحیح بخاری میں حدیث ابی سعیدؓ مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "جب جنازہ تیار ہوجاتا ہے، اور لوگ اس کو اپنی گردنوں پر اٹھا کر لے چلتے ہیں، تو اگر نیک صالح ہو تو کہتا ہے کہ مجھے آگے لے چلو، اگر غیر صالح ہو تو کہتا ہے کہ ہائے مصیبت، کہاں لے جارہے ہو؟ اس کی آواز کو انسان کے سوا باقی تمام چیزیں سنتی ہیں۔ اگر انسان سن لیتا تو بے ہوش ہوکر گر پڑتا۔[2]

مسند امام احمدؒ میں حدیث ابی امامہؓ مروی ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "قیامت کے دن آفتاب ایک میل کے فاصلہ پر آجائے گا، اور شدتِ حرارت میں بڑھتا جائے گا۔ جس سے لوگوں کے سر ہنڈیا کی طرح جوش مارنے لگیں گے، اور اپنے اپنے گناہوں کے مطابق پسینہ میں ڈوبے ہوئے ہوں گے، بعض ٹخنوں تک، بعض پنڈلیوں تک، بعض کمر تک، بعض منہ تک پسینہ میں غرق ہوں گے۔"[3]

نیز مسند احمد میں حدیث ابن عباسؓ منقول ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] مسند احمد (۳/۳۶۰) [2] بخاری (۳/۱۳۱۴) فتح الباری

[3] مسند احمد (۵/۲۵۴)

نے ارشاد فرمایا: ''میں کیسے خوش ہوسکتا ہوں، حال یہ ہے کہ اسرافیل علیہ السلام سینگ کو منہ میں لئے کھڑے ہیں، اور ان کی پیشانی ایک طرف کو جھکی ہوئی ہے۔ (یعنی صور پھونکنے کو بالکل تیار ہیں) جونہی حکم ہوگا صور پھونک دیں گے، صحابہؓ نے سوال کیا کہ پھر ہم کیا کہا کریں؟ آپؐ نے فرمایا: تم یہ کہا کرو:

﴿حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ، عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا﴾[1]

نیز مسند احمد میں حدیث ابن عمر مرفوعاً مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جو شخص خود کو بڑا سمجھتا ہے، یا اترا کر چلتا ہے، وہ اللہ سے غضب کی حالت میں ملاقات کرے گا۔''[2]

صحیحین میں انھی سے روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا: ''تصویر بنانے والے قیامت کے دن عذاب دیئے جائیں گے، اور انہیں کہا جائے گا کہ اپنی پیدا کردہ چیزوں کو زندہ کرو۔''

نیز صحیحین میں انھی سے مروی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''تم میں سے جب کوئی مرتا ہے تو صبح وشام اس کو اس کا ٹھکانا دکھایا جاتا ہے۔ اگر وہ اہل جنت میں سے ہوتا ہے تو اہل جنت کا اور اگر اہل جہنم میں سے ہوتا ہے تو اہل جہنم کا، اور اس سے کہا جاتا ہے کہ یہ تیرا ٹھکانا ہے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ تجھے قیامت کے دن اٹھائے۔'' نیز صحیحین میں انھی کی روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جب اہل جنت جنت میں، اور اہل دوزخ، دوزخ میں چلے جائیں گے تو موت کو جنت و دوزخ کے درمیان لاکھڑا کرکے ذبح کردیا جائے گا۔ پھر ایک پکارنے والا پکارے گا کہ اہلِ جنت! اب تمہارے لئے ہمیشگی ہے اور موت نہیں اور اے اہل دوزخ اب تمہارے لئے ہمیشگی ہے اور موت نہیں، جس سے اہل جنت تو

[1] احمد (۳۲۶/۱) [2] صحیح الجامع الصغیر (۶۰۳۳)

بہت خوش ہوں گے لیکن اہل دوزخ سخت غمزدہ اور پریشان۔''

نیز مسند میں انھی سے مروی ہے کہ انھوں نے فرمایا: ''جو شخص دس درہم کا کوئی کپڑا خریدے، جس میں ایک درہم حرام کا ہو تو جب تک وہ کپڑا اس شخص کے بدن پر رہتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی نماز کو قبول نہیں فرماتے، پھر انھوں نے اپنے کانوں میں دونوں انگلیاں ڈالیں، اور کہا کہ خدا کرے یہ کان بہرے ہو جائیں اگر میں نے یہ بات نبی کریم علیہ السلام کو ارشاد فرماتے نہ سنی ہو۔''

نیز مسند میں حدیثِ عبداللہ بن عمروؓ مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جو شخص نشہ کی حالت میں نماز کو چار دفعہ چھوڑ دیتا ہے تو ضروری ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو طینۃ الخبال پلائے، اور دریافت کیا گیا کہ یا رسول اللہ! طینۃ الخبال کیا چیز ہے؟ فرمایا: اہل جہنم کی پیپ۔''[1]

نیز مسند احمد میں انھی سے مرفوعاً مروی ہے کہ آپؐ نے فرمایا: ''جو شخص ایک دفعہ شراب پیتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کی چالیس دن کی نمازیں قبول نہیں فرماتے، اگر وہ باز آجائے، توبہ کرلے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرما لیتے ہیں، اگر وہ پھر شراب پیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی چالیس دن کی نمازیں قبول نہیں فرماتے، اگر وہ توبہ کرلیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرما لیتے ہیں، مجھے نہیں معلوم تیسری مرتبہ یا چوتھی مرتبہ فرمایا: اگر وہ دوبارہ شراب نوشی کا ارتکاب کرتا ہے تو ضروری ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو قیامت کے دن اہل دوزخ کی پیپ پلائے گا۔[2]

نیز مسند میں بروایت ابی موسیٰؓ مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جو شخص شراب کے عادی ہونے کی حالت میں مرجائے گا۔ اللہ تعالیٰ اس کو ''نہرِ غوطہ'' سے پلائے گا۔ دریافت کیا گیا کہ ''نہرِ غوطہ'' کیا ہے؟ فرمایا، وہ ایک نہر

---

[1] احمد (۱۷۸/۲)　[2] احمد (۱۸۹/۲)

ہے جو بدکار عورتوں کی شرمگاہوں سے نکلتی ہے۔ جس کی کراہت سے اہل جہنم تکلیف محسوس کریں گے۔

نیز مسند میں انہی سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''قیامت کے روز لوگ تین مرتبہ پیش کیئے جائیں گے، دو مرتبہ پیش ہونے پر جھگڑا اور عذر کریں گے، تیسری دفعہ نامہ اعمال ان کے ہاتھوں میں اڑکر آجائیں گے، بعض دائیں ہاتھ میں لیں گے اور بعض بائیں ہاتھ میں۔''

نیز مسند احمد میں بحدیث ابن مسعودؓ مروی ہے کہ رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے ارشاد فرمایا: ''معمولی گناہوں سے بچو، کیونکہ وہ آدمی پر جمع ہوکر اسے ہلاک کردیتے ہیں۔ آپؐ نے ایسے گناہوں کی مثال یوں بیان فرمائی جیسے چند آدمیوں کا گروہ ایک چٹیل میدان میں جا اترے، ہر ایک اپنے اپنے کام میں لگ جائیں اور اِدھر اُدھر سے لکڑیاں اکٹھی کریں، حتی کہ وہ بہت سی لکڑیاں جمع کر کے آگ روشن کریں اور جو اس میں ڈالیں اس کو پکا کر نکال لیں۔''[1]

صحیح میں حدیث ابی ھریرۃؓ مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جہنم پر پل قائم کیا جائے گا۔ پہلا گزرنے والا میں ہوں گا، رسولؐ اللہ کی اس دن پکار ہوگی: اے اللہ! بچائیو، بچائیو، اور اس کے دونوں کناروں پر کانٹے ہوں گے، سعدان کے کانٹوں کی طرح، جو لوگوں کو ان کے اعمال کے مطابق اچک لیں گے، بعض اپنے عملوں کے بدلے ان سے باندھے جائیں گے، اور بعض ان سے جھریٹے جائیں گے، لیکن پھر نجات پائیں گے، جب اللہ تعالیٰ بندوں کے فیصلوں سے فارغ ہوجائیں گے، اور جس کو آگ سے اپنی رحمت سے نکالنا چاہے گا یعنی جو لوگ لا الہ الا اللہ کی گواہی دیتے تھے تو فرشتوں کو حکم دے گا کہ ان کو نکالو، وہ ان کو

[1] احمد (۴۰۲/۱)

سجدہ کی علامت سے پہچانیں گے، اللہ تعالیٰ نے آگ پر حرام کردیا ہے کہ سجدہ کے مقام کو جلائے، چنانچہ وہ ان کو اس حال میں نکالیں گے کہ وہ جلے ہوں گے، ان پر پانی ڈالا جائے گا، جس کو ماء الحیات کہا جاتا ہے، پس جس طرح سیلاب کے جمع شدہ خس وخاشاک میں دانے اُگ پڑتے ہیں اس طرح وہ اُگ پڑیں گے۔'' انتھی

صحیح مسلم میں یہ روایت مروی ہے کہ حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: ''سب سے پہلے قیامت کے دن تین آدمیوں کا فیصلہ کیا جائے گا، اوّل جس نے شہادت پائی، اسے پیش کیا جائے گا، اللہ تعالیٰ اس کو اپنی نعمتوں سے شناسا کرے گا، اور وہ انھیں پہچان لے گا، تب اللہ تعالیٰ اس سے پوچھیں گے کہ تو نے ان نعمتوں کو کیسے استعمال کیا تھا؟ وہ کہے گا کہ خدایا! میں تیری رضا کی خاطر لڑا اور مارا گیا، اللہ تعالیٰ فرمائیں گے تو اس لئے لڑا تھا کہ تجھے لوگ بہادر کہیں، سو تجھے ایسا کہا گیا، پھر حکم ہوگا کہ اس کو منہ کے بل کھینچ کر دوزخ میں ڈال دو، دوئم عالم جس نے علم سیکھا اور قرآن پڑھا اور دوسروں کو پڑھایا، اسے بھی پیش کیا جائے گا اس کو بھی اپنی نعمتوں سے شناسا کرے گا، اور وہ انھیں پہچان لے گا، تب اس سے پوچھے گا، تو نے ان کو کیسے استعمال کیا؟ وہ کہے گا کہ خدایا! میں نے تیرے لئے علم سیکھا اور دوسروں کو سکھایا تھا، اور تیرے لئے قرآن پڑھا تھا۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے تو جھوٹ کہتا ہے، تو نے اس لئے علم سیکھا تھا تاکہ تجھے لوگ عالم کہیں، وہ تو بس کہہ دیا گیا، اور تو نے قرآن اس لئے پڑھا تھا تاکہ تجھے قاری کہا جائے، پھر حکم ہوگا کہ اس کو منہ کے بل گھسیٹ کر دوزخ میں ڈال دو، اور ایک حدیث کے الفاظ اس طرح آتے ہیں کہ تینوں قسم کے لوگ تمام مخلوق سے پہلے دوزخ میں ڈالے جائیں گے۔'' میں نے شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ لوگوں میں بہترین انبیاء علیہم السلام ہیں۔ اس لئے بدترین وہ لوگ ہیں جو خود کو ان کے مشابہ بناتے ہیں۔ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم بھی ان میں سے ہیں۔ حالانکہ وہ ان میں سے نہیں

ہیں اور انبیاء کے بعد بہترین لوگ علماء شہداء، صدیقین اور مخلصین ہیں، اس لئے بدترین لوگ وہ ہیں جو خود کو ان کے مشابہ بناتے ہیں حالانکہ ان میں سے نہیں ہوتے۔

صحیح بخاری میں حدیث ابی ھریرہؓ مروی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: "جس کسی نے اپنے بھائی مسلمان کا کوئی مال واسباب ناجائز طور پر لیا ہوگا جس کی دادخواہی ہوسکتی ہو، اسے چاہیئے کہ وہ اس کے پاس آکر اس سے معاف کرائے، قبل اس کے کہ قیامت کے دن اس سے لیا جائے، اور اس وقت اس کے پاس کوئی درہم یا دینار نہ ہوگا۔ (اگر ایسا نہیں کریگا) تو اس شخص کی نیکیاں اس مظلوم کو دلا دی جائیں گی (بصورت دیگر) مظلوم کے گناہ اس ظالم پر ڈال دیئے جائیں گے، اور وہ ان کے بدلہ میں دوزخ میں پھینک دیا جائے گا۔"

نیز صحیح ہی میں بروایت ابی ھریرہؓ مروی ہے کہ جناب نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "جو شخص ناحق کسی کی بالشت بھر زمین دبالیگا، قیامت کے دن اس کو سات زمینوں کے نیچے تک دھنسا دیا جائے گا۔"

صحیحین میں انہی سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "یہ آگ جس کو تم لوگ جلاتے ہو آتش جہنم کے ستر اجزاء میں سے ایک جزو ہے، صحابہؓ نے عرض کیا کہ واللہ! یہ (دنیا) کی آگ ہی کافی ہے۔ آپؐ نے فرمایا: اسے انہتر اجزاء سے فوقیت دی گئی ہے ہر جزو اس کی حرارت کے مثل ہے۔"

مسند میں حدیث معاذؓ مروی ہے کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں وصیت فرمائی: "اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرنا، اگرچہ تو قتل کردیا جائے، جلا دیا جائے، اور والدین کی نافرمانی نہ کرنا، اگرچہ وہ تجھے یہ حکم دیں کہ تو اپنے مال واہل سے الگ ہوجائے، اور کوئی فرض نماز قصداً بالکل نہ چھوڑنا، کیونکہ جو شخص عمداً فرض نماز کو ترک کرتا ہے وہ اللہ کے عہد سے نکل جاتا ہے، اور شراب نہ پینا کیونکہ شراب تمام

برائیوں کی جڑ ہے، اور گناہ سے بچو، کیونکہ گناہ اللہ کے غضب کو دعوت دیتا ہے۔" اس بارے میں بے شمار احادیث وارد ہوچکی ہیں۔ اس لئے کسی شخص کو جو اپنی بہتری کا خواہاں ہو ان سے قصداً چشم پوشی نہیں کرنی چاہیے۔ ابوالوفا ابن عقیلؒ فرماتے ہیں: "ڈرو اور دھوکہ مت کھاؤ، کیونکہ (عندالشوافع) تین درہم کے بدلہ ہاتھ کاٹا جاتا ہے، اور سوئی کے سرے کے برابر شراب نوشی پر حد لگائی جاتی ہے، اور ایک عورت بلی کے مارنے کی بناء پر دوزخ میں چلی گئی، اور ایک شخص جس نے مال زکوٰۃ میں خیانت کی تھی اس کو آگ کی چادر پہنائی گئی، حالانکہ اس نے مرتبہ شہادت حاصل کیا تھا۔" امام احمدؒ طارق بن شہاب سے مرفوعاً روایت کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "ایک شخص ایک مکھی کی وجہ سے جنت میں داخلہ کا مستحق قرار پایا، اور ایک شخص اسی ایک مکھی کی وجہ سے مستحق دوزخ، صحابہؓ نے دریافت کیا یارسول اللہ! وہ کیسے؟ آپؐ نے فرمایا: "دو آدمی کہیں ایک قوم کے پاس سے گزرے جو بت پرستی میں مبتلا تھی، ان کے ہاں یہ قاعدہ تھا کہ کوئی شخص اس بت کی قربانی دیئے بغیر گزرنے نہیں پاتا تھا، انہوں نے ایک سے کہا کہ قربانی دو، اس نے جواب دیا کہ میرے پاس کچھ نہیں، انھوں نے کہا کہ خواہ ایک مکھی ہی ہو، مگر قربانی ضرور دو، چنانچہ اس شخص نے ایک مکھی کی قربانی دی، اور وہ بچ کر نکل گیا اور واصل جہنم ہوا، دوسرے شخص کو بھی انھوں نے قربانی دینے کے لئے کہا، اس نے جواب دیا کہ میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی قربانی نہیں دیا کرتا۔ انھوں نے اسے مارڈالا چنانچہ وہ مستحقِ جنت ٹھہرا، معلوم ہوا کہ کبھی ایک ہی ایسا کلمہ انسان کی زبان سے نکل جاتا ہے جو اسے بہت دور جہنم میں جا پھینکتا ہے۔" اور بعض ایسے بھی لوگ ہوتے ہیں جو دنیا کے مال ومتاع پر مغرور ہو کر یہ سمجھ بیٹھتے ہیں کہ یہ مال ومتاع انھیں اس لئے ملا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سے محبت رکھتا ہے اور آخرت میں اس سے بڑھ کر انھیں نعمتیں ملیں گی، یہ ایک بہت بڑا دھوکہ ہے،

مسند امام احمدؒ میں عقبہ بن عامرؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جب تم دیکھو کہ اللہ تعالیٰ کسی آدمی کو گناہوں کے باوجود دنیا کی دولت منہ مانگی عطا کررہا ہے تو اسے استدراج (ڈھیل) سمجھو، پھر آپؐ نے یہ آیت تلاوت کی:

﴿فَلَمَّا نَسُوا مَا ذُكِّرُوا بِهِ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ حَتّٰى اِذَا فَرِحُوا بِمَا اُوْتُوا اَخَذْنَاهُمْ بَغْتَةً فَاِذَا هُمْ مُبْلِسُوْنَ﴾

یعنی ''جب انھوں نے احکام الٰہی کو جو انہیں بتلائے گئے تھے، بھلا دیا تو ہم نے ان پر ہر چیز کے دروازے کھول دیئے، حتی کہ جب وہ نشہ دولت سے خوب بدمست ہوگئے، تو ہم نے ان کو اچانک پکڑ لیا، اور وہ ناکام کے ناکام رہ گئے۔'' (الانعام:۴۴)

بعض اسلاف (بزرگ) سے منقول ہے کہ ''جب تم دیکھو کہ اللہ کی طرف سے تم پر متواتر نعمتیں آرہی ہیں، اور تم گناہوں پر برابر اڑے چلے جارہے ہو تو تمہیں ڈرنا چاہیئے، کیونکہ یہ ایک قسم کا استدراج ہے۔ جس سے اللہ تعالیٰ تمہیں بتدریج عذاب کی طرف کھینچ رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَلَوْلَا اَنْ يَّكُوْنَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً لَّجَعَلْنَا لِمَنْ يَّكْفُرُ بِالرَّحْمٰنِ لِبُيُوْتِهِمْ سُقُفًا مِّنْ فِضَّةٍ وَّمَعَارِجَ عَلَيْهَا يَظْهَرُوْنَ۔ وَلِبُيُوْتِهِمْ اَبْوَابًا وَّسُرُرًا عَلَيْهَا يَتَّكِئُوْنَ وَزُخْرُفًا وَاِنْ كُلُّ ذٰلِكَ لَمَّا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةُ عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُتَّقِيْنَ﴾

یعنی ''اگر یہ بات نہ ہوتی کہ تمام لوگ ایک ہی گروہ ہوجاتے تو ہم کفار کے گھروں کی چھتیں اور سیڑھیاں چاندی کی بنادیتے،

جن پر وہ چڑھتے ، اور ان کے گھروں کے دروازے اور آرام کرنے کے پلنگ اور دیگر زیب وزینت کی چیزیں بھی، یہ سب کچھ چند روزہ زندگی کے لئے سود مند ہیں، اور آخرت خدا کے ہاں صرف اہل تقویٰ کے لئے ہے۔" (الزخرف:۳۳-۳۵)

اللہ تعالیٰ نے دھوکہ فریب کھانے والوں کے خیال کی اس طرح تردید کی ہے:

﴿فَاَمَّا الْاِنْسَانُ اِذَا مَا ابْتَلَاهُ رَبُّهٗ فَاَكْرَمَهٗ وَنَعَّمَهٗ فَيَقُوْلُ رَبِّيْ اَكْرَمَنِ ، وَاَمَّا اِذَا مَا ابْتَلَاهُ فَقَدَرَ عَلَيْهِ رِزْقَهٗ فَيَقُوْلُ رَبِّيْ اَهَانَنِ، كَلَّا﴾

یعنی "جب اللہ تعالیٰ انسان کا امتحان لیتا ہے، اور اسے مال ودولت دیتا ہے، تو انسان کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے میری تکریم کی، اور جب اللہ تعالیٰ انسان کا اس طرح امتحان لیتا ہے کہ اس کی روزی تنگ کردیتا ہے تو پھر وہ یوں کہنے لگتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے میری توہین کی ، ایسا ہرگز نہیں۔" (الفجر:۱۵-۱۷)

مطلب یہ ہے کہ وہ سب لوگ جن کو اللہ تعالیٰ نے مال ودولت دے رکھا ہے، صاحبِ عزت واکرام نہیں، اور نہ ہی وہ سب لوگ جو تنگی معاش میں مبتلا ہیں ذلیل وخوار ہیں، بلکہ حقیقت حال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ دولت مندوں کا امتحان مال ودولت سے اور تنگ دستوں کا تنگی رزق سے لیتا ہے۔

جامع ترمذی میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "اللہ تعالیٰ دنیا کی دولت دوستوں اور غیر دوستوں سب کو دیتا ہے، لیکن ایمان کی دولت صرف اپنے دوستوں کو عطا فرماتا ہے۔" کسی بزرگ کا قول ہے کہ "اکثر لوگ ایسے

ہوتے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ مال و دولت دے کر بتدریج موردِ عذاب بناتا ہے، اور وہ نہیں جانتا(کہ کس طرح یہ اسباب اس کے حق میں مخالف نتیجہ پیدا کردیں گے) اور اکثر لوگ ایسے ہوتے ہیں جو لوگوں کی مدح وستائش پر مفتون ہوجاتے ہیں، اور انھیں اپنی جہالت کا علم نہیں ہوتا، اور اکثر لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کے گناہوں پر پردہ ڈالتا ہے اور وہ مغرور بنے بیٹھے ہیں، اور وہ نہیں جانتے کہ یہ محض اللہ کے حکم کا نتیجہ ہے۔''

دنیا کے مال ومتاع سے دھوکہ کھانا:

سب سے بڑا مغرور وہ شخص ہے جو دنیا کے مال ومتاع پر فریب خوردہ ہوجاتا ہے۔ اس کی ناپائیدار لذتوں کو آخرت کی نعمتوں پر ترجیح دے کر انھی پر راضی رہتا ہے، چنانچہ اس قسم کے لوگ یوں کہا کرتے ہیں کہ دنیا اور دنیا کی لذتیں نقد ہیں اور آخرت اور اس کی نعمتیں ادھار ہیں، اور نقد ادھار سے بہر حال بہتر ہوتا ہے، اور بعض یوں کہتے ہیں کہ نقد مال لے لو اور وعدہ کو چھوڑ دو، اور بعض یوں کہتے ہیں کہ دنیا کی لذتیں یقینی ہیں جبکہ آخرت کی لذتیں غیر یقینی ہیں۔ اس لئے غیر یقینی امر کے لئے یقینی امر کو نہیں چھوڑنا چاہئے، حالانکہ یہ سب باتیں محض شیطان کا دھوکہ اور فریب ہے، ایسے لوگوں سے تو جانور چوپائے زیادہ سمجھدار ہیں، کیونکہ وہ کسی نقصان دہ چیز سے دور رہتے ہیں خواہ انہیں مارا جائے، پھر بھی اس چیز پر اقدام نہیں کرتے، جبکہ یہ لوگ ایسے امور پر اقدام کرتے ہیں جن میں ان کی ہلاکت ومضرت ہوتی ہے۔ حالانکہ اسے دیکھ رہے ہوتے ہیں اور یہ لوگ کبھی تو اس کو سچ مانتے ہیں اور کبھی اسے جھوٹ سمجھتے ہیں۔ اگر اس قسم کے لوگ اللہ، اس کے رسولؐ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں تو ان سے بڑھ کر حسرت زدہ اور کوئی نہ ہوگا، کیونکہ وہ علم رکھنے کے باوجود ایسا کرتے ہیں، اور اگر وہ اللہ ورسولؐ پر ایمان نہیں لائے ہیں تو رحمتِ خداوندی سے دور پھینک دیئے

جاتے ہیں، اور اس کا یہ کہنا کہ نقد ادھار سے بہتر ہے، یہ اس صورت میں صحیح ہوسکتا ہے جبکہ نقد اور ادھار دونوں مساوی ہوں، لیکن جب ادھار کی صورت نقد سے کہیں بڑھ کر ہو تو ادھار ہی بہتر ہوگا، کیونکہ دنیا و مافیہا کے سانس عالم آخرت کے مقابلہ میں صرف ایک (مرتبہ کے) سانس کے برابر ہیں۔

مسند امام احمدؒ اور ترمذی میں بروایت مستورد بن شداد مروی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''دنیا کی مثال آخرت کے مقابلہ میں ایسی ہے جیسے کوئی شخص دریا میں اپنی انگلی ڈبو دے پھر دیکھے کہ اس کی انگلی سے کس قدر پانی آیا ہے؟'' (یعنی دنیا اور آخرت میں وہی نسبت ہے جو انگلی کی تری اور دریا میں ہے) چنانچہ اس نقد کو ایسے ادھار پر ترجیح دینا بڑے خسارہ اور جہالت کی بات ہے، جب اس دنیا کو آخرت سے یہ نسبت ہے تو یہیں سے قیاس کرنا چاہیے کہ انسان کی دنیوی زندگی کو عالم آخرت کی زندگی سے کیا نسبت ہوسکتی ہے؟ بتایئے عاقل کے لئے ان دونوں میں سے کونسی زندگی زیادہ اولیٰ اور بہتر ہے؟ کیا اس مختصر سی زندگی کا حاصل کرنا اور آخرت کی دائمی نعمت سے محروم رہنا بہتر ہے؟ یا اس حقیر و قلیل کا چھوڑنا اور ایک بیش بہا غیر متناہی نعمت کا حاصل کرنا بہتر ہے؟ اور پھر اس قائل کا یہ کہنا کہ یقینی امر کو غیر یقینی کے بدلے نہیں چھوڑنا چاہیے، سخت گمراہی ہے، کیونکہ ایسے شخص کو یہ کہہ سکتے ہیں کہ تجھے اللہ تعالیٰ کے وعد و وعید اور صداقتِ نبوت کے متعلق شک ہے یا ان امور پر یقین ہے؟ اگر تجھے یقین ہے تو تیرا اس دنیا کو چھوڑنا ایک حقیر اور سریع الزوال ذرہ کا چھوڑنا سمجھا جائے گا، اور اگر تجھے شک ہے تو تجھے ان آیات الٰہیہ میں غور کرنا چاہیے جو اس کے وجود، قدرت، مشیت، وحدانیت اور صدقِ رسل پر دال ہیں، اور جن کے متعلق انبیاء علیہم السلام نے خبر دی ہے ان میں غور کرنا چاہئیے۔ یا دوسروں سے مناظرہ کرنا چاہئیے تاکہ تجھے بالیقین معلوم ہوجائے کہ انبیاء علیہم السلام جو کچھ اللہ تعالیٰ

کی طرف سے لائے ہیں وہ قطعی حق ہیں، اور اس عالم کا پیدا کرنے والا رب السموات والارض ہے۔ جس کی ذات تمام عیوب ونقائص سے مبرا ہے، اور انبیاء علیہم السلام نے جو اس کے متعلق خبر دی ہے اس کے برخلاف ہرگز نہیں ہوسکتا۔ اور جو شخص اس کے برخلاف یقین رکھتا ہے وہ اس کی ربوبیت اور بادشاہت کا انکار اور تکذیب کرتا ہے، اور اسے سب وشتم کرتا ہے، کیونکہ یہ امر ہر سلیم الفطرت انسان کے نزدیک محال وناممکن ہے کہ بادشاہ برحق عاجز یا جاہل ہو، نہ کسی کو جانتا ہو، نہ سنتا ہو، نہ دیکھتا ہو، اور نہ کلام کرتا ہوں، نہ امرونہی کرتا ہو، نہ ثواب دیتا ہو، اور نہ عذاب، نہ اپنی مرضی سے کسی کو عزت مند بناتا ہو، اور نہ کسی کو ذلیل بناتا ہو، نہ اطرافِ مملکت میں اپنے سفیر بھیجتا ہو اور نہ رعایا کے احوال کی پرواہ کرتا ہو، انھیں یوں ہی آزاد شتر بے مہار چھوڑ دیتا ہو، جب یہ باتیں انسانی بادشاہوں کے شایانِ شان نہیں تو حقیقی بادشاہ کے لائق وزیبا کیونکر ہوسکتی ہیں، اگر انسان اپنی ابتدائی حالت نطفہ سے حالت کمال تک پہنچنے میں غور کرے تو اسے معلوم ہوجائے گا کہ جس خدا نے اسے ایک حالت سے دوسری حالت تک مختلف اطوار میں پھرا کر درجہ کمال تک پہنچایا ہے اس کے شایان شان نہیں کہ وہ اسے یونہی مہمل چھوڑ دے ،اور اسے امر ونہی اور حقوق اللہ وحقوق العباد کا پابند نہ کرے، اگر انسان مکمل طور پر غور کرے تو اسے واضح ہوجائے گا کہ تمام اشیاء جن کو وہ دیکھتا ہے یا نہیں دیکھتا سب کی سب توحید، نبوت، معاد اور صداقتِ قرآن پر دال ہیں، اس استدلال کو نہایت واضح طور پر اپنی کتاب ''ایمان القرآن'' میں زیرِ آیت:

﴿فَلَآ اُقْسِمُ بِمَا تُبْصِرُوْنَ وَمَا لَا تُبْصِرُوْنَ اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ﴾ (الحاقۃ: ۳۸-۴۰)

کی تفسیر میں بیان کیا ہے، اور اس کا کچھ حصہ زیرِ آیت:

﴿وَفِیْ اَنْفُسِکُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ﴾ (الذاریات:۲۱)

ذکر کیا ہے۔ انسان کی اپنی ذات وجودِ خالق، اس کی توحید، صدقِ رسل اور صفات کمالیہ کے اثبات پر دلیلِ ناطق ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ آخرت کو دنیا کے بدلہ کھودینے والا شخص تصدیق ویقین اور شک وتکذیب یعنی دونوں حالتوں میں سخت فریب ودھوکہ میں پڑا ہوا ہے۔

آخرت کا یقین اور عمل میں غفلت، کیسے ممکن ہے؟:

اگر کوئی شخص یوں اعتراض کرنے لگے کہ آخرت اور جنت وجہنم کی یقینی تصدیق کر لینے کی صورت میں کوئی شخص عمل سے کیسے پیچھے رہ سکتا ہے؟ حالانکہ فطرتِ انسانی اس بات پر جاری ہے کہ انسان کو اگر یقیناً معلوم ہو کہ اسے کل بادشاہ کے حضور عذاب بھگتنے یا عزت واکرام کے حصول کے لئے حاضر ہونا ہے تو وہ اس کے حضور میں حاضر ہونے اور حاضری کی تیاری سے کبھی غافل نہیں رہے گا۔ بعض کا خیال ہے کہ واقعی یہ سوال صحیح ہے، جو اکثر لوگوں کو پیش آتا ہے۔ ان دونوں امور (یقین اور غفلت) کا جمع ہونا بہت تعجب خیز ہے۔ اس کے چند اسباب ہیں: ایک سبب ضعفِ علم اور نقصانِ یقین ہے کیونکہ علم کے درجات مختلف ہوتے ہیں، جو یہ سمجھتا ہے کہ علم کے درجات مختلف نہیں ہوسکتے اس کا قول باطل وبے بنیاد ہے۔ غور کیجئے! ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے مردوں کے زندہ کرنے کے مشاہدہ کا سوال کیا، حالانکہ انھیں اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ کا پورا پورا یقین تھا، مگر اس سوال سے ان کی غرض ایک قسم کا اطمینان حاصل کرنا تھا، نیز یہ مقصود تھا کہ جو چیز پردۂ غیب میں ہے اس کو اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کرلیں۔ جیسا کہ مسند احمد میں مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

﴿لَیْسَ الْخَبَرُ کَالْمُعَایَنِ﴾[1]

یعنی ’’شنیدہ کے بود مانند دیدہ یعنی سنی ہوئی بات دیکھی ہوئی بات کی طرح کیسے ہوسکتی ہے؟‘‘

معلوم ہوا کہ کسی چیز کے علم کے مختلف مدارج ہوسکتے ہیں تو جب ایسے شخص کے لئے ضعفِ علم کے ساتھ دوسرے موانع مثلاً امرِ عاقبت کا عدمِ استحضار، مخالف امور میں مشغول ہونے کی وجہ سے کبھی اس کا خیال بھی نہ گزرنا وغیرہ جمع ہوجائیں، اور ان حالات کے ساتھ تقاضائے طبیعت، غلبہ ہوائے نفس وشہوت، نفس کی فریب کاری، غرورِ شیطان، طولِ امل، خوابِ غفلت، محبتِ دنیا، رخصتِ تاویل اور الفتِ مرغوبات وغیرہ بھی مل جائیں تو ایسی حالت میں دل میں ایمانی قوت کو قائم وبرقرار رکھنا صرف اسی ذات کا کام ہے جو زمین وآسمان کو سنبھالے ہوئے ہے۔ یہی وجہ ہے کہ لوگ ایمان اور اعمال کے اعتبار سے مختلف الدرجات ہوتے ہیں حتی کہ سب سے ادنیٰ درجہ ایمانی قوت کا یہ ہے کہ دل میں ایک ذرہ کی مقدار ایمان باقی رہ جائے، ان تمام مذکورہ اسباب کا مرجع یہ ہے کہ ایسے لوگوں کو صبر اور بصیرت سے بہت کم حصہ ملا ہوتا ہے اسی لئے اللہ تعالیٰ نے صبر اور یقین والوں کی بار بار مدح فرمائی ہے، اور انہیں کو ائمہ دین قرار دیا ہے:

﴿وَجَعَلْنَا هُمْ أَئِمَّةً يَهْدُوْنَ بِأَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا وَكَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يُوْقِنُوْنَ﴾

یعنی ’’ہم نے انھیں ائمہ دین مقرر کیا ہے جو ہمارے حکم سے لوگوں کو راہ دکھاتے ہیں، جبکہ انھوں نے (دنیا کی ناپائیدار لذتوں سے) خود کو روکے رکھا اور ہمارے واضح نشانات پر انہیں

---

[1] مسند احمد (۱/۲۷۱)

پورا یقین حاصل تھا۔'' (السجدہ:۲۴)

حُسنِ ظن اور غُرور میں فرق:

مذکورہ بیان سے حسن ظن اور غرور ودھوکہ میں فرق واضح ہوگیا کہ اگر حسن ظن کسی شخص کو اعمالِ حسنہ پر آمادہ کرے تو یہ صحیح حسن ظن ہے اور اگر بطالت اور معصیت کی طرف لے جائے تو یہ محض غرور (دھوکہ) ہے کیونکہ حسن ظن حقیقت میں امید کا نام ہے۔ لہٰذا جس شخص کی امید اسے اطاعت وعبادت کی طرف لے جائے اور گناہ سے روک دے تو یہ درست امید ہے، اور جو شخص بطالت کو امید اور امید کو بطالت بنادے اور اعمال میں کوتاہی کرے تو وہ مغرور ہے، مثلاً اگر کسی شخص کے پاس زمین ہو اور وہ اس کی پیداوار کی امید رکھتا ہو، لیکن اس میں تخم ریزی اور دیگر ضروری اعمال عمل میں نہ لائے، اور یہ حسن ظن کر بیٹھے کہ محنت، تخم ریزی اور آبِ رسانی کے بغیر ہی پیداوار حاصل ہوجائے گی تو لوگ اس کو بہت بڑا بیوقوف سمجھیں گے یا اگر یہ حسن ظن رکھے کہ بیوی سے ہمبستر ہوئے بغیر بچہ پیدا ہوگا، یا علم حاصل کئے بغیر ہی عالم وفاضل بن جائے گا تو اس کی ایسی امیدیں کبھی بھی رنگ نہیں لاسکتیں۔ اسی طرح سمجھو کہ اگر کوئی اطاعت اور اوامر ونواہی کی بجاآوری کے بغیر ہی قیامت کے روز عالی درجات اور ابدی انعامات حاصل کرنے کے متعلق امیدوار بن بیٹھے اور محض حسن ظن پر بھروسہ کرلے تو یہ اس کی سراسر حماقت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿إِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا، وَجَاهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ أُولٰئِكَ يَرْجُوْنَ رَحْمَةَ اللّٰهِ﴾

یعنی ''جولوگ ایمان لائے، اور جنھوں نے ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں مجاہدہ کیا، وہی لوگ اللہ کی رحمت کے امیدوار ہوسکتے

ہیں۔'' (البقرۃ: ۲۱۸)

غور کریں: اللہ تعالیٰ نے رحمت کی امید کو ایمان، ہجرت اور مجاہدہ پر موقوف رکھا ہے، لیکن یہ مغرور لوگ کہتے ہیں کہ اللہ کی رحمت کے امیدوار وہ لوگ ہو سکتے ہیں جو حقوق اللہ کو ضائع کر دیں۔ اس کے احکام کو معطل کر چھوڑیں، اللہ کے بندوں پر ظلم وستم ڈھائیں اور حرام کاریوں میں بڑے دلیر ہوں۔ حق یہ ہے کہ امید اور حسن ظن صرف انہی اسباب کی پابندی کی صورت میں صحیح ہو سکتے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے شریعت مطہرہ میں اپنی حکمت کاملہ سے تجویز فرمایا ہے۔ لہٰذا انسان کو انہی اسباب کے مطابق حسن ظن اور امید قائم کرنی چاہیئے اور انہی کو نفع آخرت کا وسیلہ بنانا چاہیے اور جو اسباب ان کے اثر کو باطل کر دیں ان سے رکنا چاہیئے۔

امید اور آرزو:

خوب سمجھ لینا چاہیے کہ جو شخص کسی چیز کا امیدوار ہوتا ہے۔ اس کی امید کے پورا ہونے کے لئے تین امور لازم ہوتے ہیں۔ اوّل جس چیز کی امید رکھتا ہے اس کی محبت۔ دوم: اس چیز کے جاتے رہنے کا ڈر وخوف، سوم: حتی الامکان اس کے حصول کے لئے کوشش۔ لہٰذا ایسی امید وآرزو جس میں ان تین امور میں سے کوئی امر نہ پایا جائے تو وہ محض ایک قسم کی آرزو اور ہوس ہے، اور امید اور آرزو میں بڑا فرق ہے، کیونکہ امیدوار شخص ہمیشہ ڈرتا رہتا ہے اور اپنے طریق خاص پر چلتا رہتا ہے، اور جب اسے اس چیز کے جاتے رہنے کا خوف پیدا ہوتا ہے تو وہ اس کے حصول کے لئے جلدی کرتا ہے۔ اس حدیث میں غور کریں۔ جامع ترمذی میں حدیث ابوھریرۃؓ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

﴿مَنْ خَافَ اَدْلَجَ وَمَنْ اَدْلَجَ بَلَغَ الْمَنزِلَ ، اَلَااِنَّ سِلْعَةَ

اللّٰهِ غَالِيَةٌ، اَلَاۤ اِنَّ سِلْعَةَ اللّٰهِ الْجَنَّةُ﴾[1]

یعنی ''جو شخص ڈرتا ہے وہ رات ہی سے چل پڑتا ہے، اور جو رات ہی سے چل پڑے وہ منزل مقصود تک جا پہنچتا ہے، یاد رکھو! اللہ کا مالِ تجارت گراں قیمت ہے، یاد رکھو! اللہ کا مالِ تجارت جنت ہے۔''

اللہ تعالیٰ نے جس طرح اعمالِ صالحہ والوں کو امید کا حکم دیا ہے اسی طرح انہیں خوف کا بھی حکم دیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ امید اور خوف اسی صورت میں مفید ہو سکتے ہیں جبکہ ان کے ساتھ اعمال کی بجا آوری بھی ہو۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد پاک ہے:

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ هُمْ مِنْ خَشْيَةِ رَبِّهِمْ مُشْفِقُوْنَ، وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيَاتِ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُوْنَ، وَالَّذِيْنَ هُمْ بِرَبِّهِمْ لَا يُشْرِكُوْنَ، وَالَّذِيْنَ يُؤْتُوْنَ مَاۤ اٰتَوْا وَقُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ اَنَّهُمْ اِلٰى رَبِّهِمْ رَاجِعُوْنَ، اُولٰٓئِكَ يُسَارِعُوْنَ فِى الْخَيْرَاتِ وَهُمْ لَهَا سَابِقُوْنَ﴾ (المؤمنون: ۵۷: ۶۱)

یعنی ''جو لوگ اللہ کے خوف سے ڈرتے ہیں، اس کی آیات پر ایمان رکھتے ہیں اپنے پروردگار کے ساتھ شرک نہیں کرتے، جو دیئے ہوئے میں سے دیتے ہیں، اور ان کے دل اس بات سے ڈرتے ہیں کہ وہ اپنے رب کی طرف لوٹنے والے ہیں، یہی لوگ ہیں جو نیک کاموں کی بجا آوری میں جلدی کرتے ہیں، اور ان کی طرف سبقت کرتے ہیں۔''

[1] جامع ترمذی (۲۴۵۰/۵)

نیز جامع ترمذی میں حدیث عائشہؓ مروی ہے: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس آیت کے متعلق سوال کیا کہ آیا یہ وہ لوگ ہیں جو شراب نوشی کرتے ہیں، زنا کاری کرتے ہیں اور چوری کرتے ہیں؟ آپؐ نے فرمایا: اے بنتِ صدیق! یوں نہیں بلکہ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو روزہ رکھتے، نماز پڑھتے اور صدقہ دیتے ہیں، اور اس بات سے ڈرتے ہیں کہ کہیں ان کی نیکیاں نامقبول نہ ہو جائیں۔ یہ ہیں وہ لوگ جو نیک کاموں میں جلدی کرتے ہیں۔ یہ روایت بحدیث ابی ھریرہؓ بھی مروی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اہل سعادت کی تعریف یوں کی ہے کہ وہ نیکی بھی کرتے ہیں اور ڈرتے بھی ہیں، اور اہل شقاوت کی نسبت فرمایا: وہ گناہ کرتے ہیں اور عذاب سے بے خوف رہتے ہیں۔

صحابہ کرامؓ کا خوفِ خدا:

جو شخص صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے حالات میں غور کرے گا تو اسے معلوم ہو جائے گا کہ وہ لوگ اعلیٰ عملی حالت کے باوجود اعلیٰ درجہ کا خوف بھی دل میں رکھتے تھے، اور ہمارا حال یہ ہے کہ ہم نے اعمال میں سراسر کوتاہی کے باوجود خود کو بے خوف اور نڈر بنا رکھا ہے۔ امام احمدؒ حضرتِ صدیق اکبرؓ سے نقل کرتے ہیں کہ صدیق اکبرؓ فرمایا کرتے تھے: ”میں چاہتا ہوں کہ مجھے بندۂ مومن کے مقابل ایک بال کے برابر قدر و منزلت حاصل ہو جائے۔“ نیز انہی سے مروی ہے کہ آپؓ اپنی زبان پکڑ لیتے اور فرمایا کرتے: ”یہی ہے جو مجھے موردِ عذاب میں وارد کرے گی۔“ نیز آپؓ بہت رویا کرتے تھے، اور فرماتے: لوگو! رویا کرو، اگر تم نہیں رو سکتے تو بہ تکلف رویا کرو، جب آپ نماز کے لئے اٹھا کرتے تو خوفِ خدا کی وجہ سے ایک لکڑی کی طرح ہو جاتے، آپ کے سامنے ایک پرندہ لایا گیا، آپ نے اسے الٹ پلٹ کر دیکھا، اور

فرمایا: کوئی پرندہ شکار نہیں کیا جاتا، اور نہ کوئی درخت کاٹا جاتا ہے، مگر اسی وقت جبکہ وہ اللہ کی تسبیح کو ضائع کردے، اور جب آپ کا وقتِ نزاع آیا تو حضرت عائشہؓ سے فرمایا: ''پیاری بیٹی! دیکھو، بیت المال میں سے چوغہ، دودھ دوہنے کا برتن، اور یہ خدمتگار میرے پاس تھے۔ بس تو انھیں بہت جلد عمر بن خطابؓ کے سپرد کردینا، اور فرمایا کرتے کہ بخدا! میں یہ چاہتا ہوں کہ میں درخت ہوتا جو کھایا جاتا، اور کاٹا جاتا، حضرت قتادہؓ فرماتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ارشاد فرمایا: ''کاش میں گھاس ہوتا جسے چوپائے کھاجاتے۔'' حضرت عمر بن الخطابؓ سورہ طور کی آیت (۷) ''اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ لَوَاقِعٌ'' پر پہنچ کر اس قدر روئے کہ آپ بیمار ہوگئے، اور لوگ آپ کی عیادت کو آئے۔ جب آپ مرض الوفات میں تھے تو آپ نے اپنے بیٹے کو حکم دیا تیرا ناس ہو، میرا چہرہ زمین پر رکھ دے، شاید کہ خدا مجھ پر رحم کرے، پھر یوں کہا۔'' آہ، افسوس، اگر خدا نے مجھے نہ بخشا۔ یہ کلمات تین دفعہ ارشاد فرمائے۔ پھر جان جانِ آفریں کے سپرد کردی، رات کو جب آپ اپنے اورادو وظائف کے دوران کسی آیتِ عذاب کو پڑھتے تو اس قدر روتے کہ آپ کا دم رک جاتا، اور کئی دنوں تک گھر سے باہر نہ نکلتے، اور لوگ انھیں بیمار سمجھ کر عیادت کو آتے، آپ کے چہرہ پر آہ وبکاء کی کثرت سے دو سیاہ دھاریاں نظر آتی تھیں۔ ابن عباسؓ نے آپ سے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ہاتھ سے شہروں کو آباد کیا اور بہت سی اسلامی فتوحات کو ظاہر کیا، اور اسلامی شان وشوکت کو قائم کیا، تو آپ نے فرمایا: ''میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ مجھے نجات مل جائے، میں کسی قسم کا اجر نہیں چاہتا۔ حضرت عثمان بن عفانؓ جب قبر پر کھڑے ہوتے تو اس قدر رویا کرتے کہ آپ کی داڑھی مبارک تر ہوجایا کرتی۔ اور فرمایا کرتے: ''کاش میں جنت اور دوزخ کے درمیان ڈالا جاؤں، میں نہیں جانتا کہ ان دونوں میں سے کس جگہ کا میرے لئے حکم دیا جائیگا، میری یہ خواہش ہے کہ میں

اس سے پہلے کہ معلوم کروں کہ ان دونوں میں سے کس جگہ ڈالا جاؤں گا، پہلے ہی خاک ہو جاؤں۔'' اور حضرت علی بن ابی طالبؓ کے خوف وبکاء کا تو کچھ ٹھکانہ ہی نہیں۔ آپ طولِ امل اور خواہش نفس کی پیروی سے بہت ڈرا کرتے تھے، اور فرماتے: '' طولِ امل آخرت کو بھلا دیتا ہے، اور خواہش نفس کی پیروی حق سے روک دیتی ہے، یاد رکھو! دنیا بہت جلد پیٹھ پھیر جائے گی، اور آخرت ہمارے سامنے آرہی ہے، اور دنیا وآخرت، دونوں فرزند ہیں۔ پس تم آخرت کے فرزند بنو، دنیا کے فرزند نہ بنو، کیونکہ آج کا دن عمل کا ہے، حساب کا نہیں، اور کل کو حساب ہوگا، عمل نہیں۔ ابودرداءؓ فرمایا کرتے تھے کہ سب سے زیادہ جس چیز کا قیامت کے دن مجھے خوف ہوسکتا ہے وہ یہ ہے کہ مجھے یوں کہا جائے گا۔ اے ابودرداءؓ! تو جانتا تھا، بتا تو نے کیا کچھ کیا ہے؟ نیز فرمایا کرتے: ''اگر تمہیں مرنے کے بعد کی حالت کا علم ہوجائے تو تم کبھی دل کی خوشی سے پیٹ بھر کر نہ کھاتے۔ نہ پانی پیتے، اور نہ ہی گھروں میں آرام وراحت سے بیٹھتے (بلکہ) تم گھر سے باہر گزرگاہوں میں اپنے سینے پیٹا کرتے اور اپنی جانوں پر روتے، میں یہ چاہتا ہوں کہ میں درخت بن جاؤں جو کاٹ کر جانوروں کو کھلا دیا جاتا۔'' عبداللہ بن عباسؓ کی دونوں آنکھوں کے نیچے کثرت آہ وبکاء کی وجہ سے پرانے تسمہ کی شکل کے دھبے نظر آتے تھے، اور ابوذرؓ فرمایا کرتے: '' کاش میں درخت ہوتا جو کاٹ دیا جاتا، اور مجھے یہ خواہش ہوئی کہ میں پیدا ہی نہ ہوتا، آپ کے سامنے کچھ نفقہ پیش کیا گیا تو آپ نے فرمایا: '' ہمارے پاس ایک بکری ہے جس کا دودھ دھولیتے ہیں اور گدھے ہیں جن کے ذریعہ نقل وحرکت کرتے ہیں۔ ایک خادم ہے جو خدمت کرتا ہے، اور ایک عمدہ چوغہ ہے، مجھے تو ان اشیاء کے بارے میں قیامت کے روز حساب کتاب کا خوف ہے۔'' حضرت تمیم داریؓ نے ایک رات سورۃ جاثیہ پڑھی، جب اس آیت پر پہنچے۔

﴿اَمْ حَسِبَ الَّذِیْنَ اجْتَرَحُوا السَّیِّاٰتِ اَنْ نَّجْعَلَھُمْ کَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ﴾ (الجاثیہ:۲۱)

تو اس کو بار بار دھرانے لگے، اور روتے روتے صبح کردی۔ حضرت ابوعبیدہ بن الجراحؓ فرماتے ہیں: ''میں یہ چاہتا ہوں کہ میں دنبہ ہوتا، جسے میرے گھر کے لوگ ذبح کر کے کھالیتے، اور میرا شوربا پی جاتے۔'' الغرض اس قسم کی سینکڑوں مثالیں موجود ہیں جن کا ذکر موجبِ طوالت ہے۔ امام بخاریؒ نے صحیح بخاری میں ایک باب قائم کیا ہے۔

﴿بَابُ خَوْفِ الْمُؤْمِنِ أَنْ یَّحْبَطَ عَمَلُهٗ وَهُوَ لَا یَشْعُرُ﴾

یعنی ''اس باب میں ایمان والے کے اس خوف کا بیان ہے کہ کہیں اس کا عمل اس کی بے خبری میں اکارت نہ ہوجائے۔''

ابراہیم تیمیؒ فرماتے ہیں: ''میں اپنے قول کو اپنے عمل پر پیش کر کے اس بات سے ڈرا کرتا ہوں کہ کہیں میں جھٹلا نہ دیا جاؤں۔ یعنی مجھے یوں نہ کہہ دیا جائے کہ تیرے قول عمل میں مطابقت نہیں۔ ابن ابی ملیکہؒ فرماتے ہیں کہ میری نبی علیہ السلام کے تیس صحابہؓ سے ملاقات ہوئی، سب کے سب اپنی نسبت نفاق کا خوف رکھتے تھے. کوئی ان میں سے ایسا نہیں تھا جو یہ کہے کہ وہ جبریلؑ و میکائیل علیہما السلام کا سا ایمان رکھتا ہے۔'' حضرت حسنؒ کے متعلق مذکور ہے کہ وہ فرمایا کرتے تھے: ''ایماندار ہی نفاق سے ڈرا کرتا ہے، اور منافق ہی اس سے بے خوف ہوا کرتا ہے۔'' عمر بن الخطابؓ نے حضرت حذیفہؓ سے فرمایا: ''میں تجھے اللہ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تیرے سامنے میرا نام منافقوں میں لیا تھا؟ انھوں نے جواب دیا کہ نہیں اور نہ ہی میں آپ کے بعد کسی کو پاک باطن کہہ سکتا ہوں۔'' میں نے شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ سے یہ سنا کہ حضرت حذیفہؓ کا مقصود یہ نہیں تھا کہ آپ کے سوا دوسرا

کوئی نفاق سے بری نہیں ہے، بلکہ انھوں نے اس جواب سے اس قسم کے دوسرے لوگوں کے سوالات کا سلسلہ بند کردیا، کیونکہ جو شخص ان سے آئندہ اس قسم کا سوال کرتا تو انھیں اس کو بھی ایسا ہی جواب دینا پڑتا، تو پھر یہ سلسلہ ختم نہ ہوتا میں (مصنفؒ) کہتا ہوں کہ اس واقعہ سے ملتا جلتا حضور علیہ السلام کا وہ فرمان ہے، جب آپؐ نے ایک طالبِ دُعا کے لئے ستر ہزار بلاحساب وکتاب جنت میں جانے والوں میں داخل ہونے کے لئے دعا فرمائی تھی، اور ایک دوسرے طالبِ دعا کو جس نے یہی سوال کیا تھا یہ فرمایا کہ عکاشہؓ تجھ سے پہلے اس دولت کا مالک ہو چکا ہے، کیونکہ اس جواب سے پیغمبر علیہ السلام کا یہ مطلب نہیں تھا کہ دوسروں کی نسبت صرف عکاشہؓ ہی اس دولت کا زیادہ مستحق ہے، بلکہ مطلب یہ تھا کہ اگر اس دوسرے سائل وطالب کے لئے بھی دعا فرماتے تو ایک اور اٹھ کھڑا ہوتا، اس طرح سے دیکھا دیکھی کئی ایک غیر مستحق بھی سوال کرنے کو تیار ہو جاتے، بہرحال ایسا جواب ہی زیادہ مناسب تھا۔''

گناہ زہر کی طرح خطرناک ہوتے ہیں:

اب ہم اصل مقصود کی طرف آتے، یعنی اس مرض کا علاج بتاتے ہیں جس سے انسان کی دنیا وآخرت تباہ ہو جاتی ہے۔

جاننا چاہئے کہ معاصی اور گناہ یقیناً نقصان دہ چیزیں ہیں۔ دلوں میں ان کا ضرر وہی اثر پیدا کرتا ہے جو بدنِ انسانی میں زہر، اور جس طرح مختلف قسم کے زہر سے ضرر ونقصان مختلف ہوتا ہے، اسی طرح مختلف گناہوں کا ضرر بھی مختلف درجات رکھتا ہے، دنیا وآخرت کی کوئی برائی اور بیماری ایسی نہیں جس کا سبب معاصی اور گناہ نہ ہوں، غور کیجئے! آدم وحوا، علیہما السلام جنت جیسی نعمت ولذت اور فرحت والی جگہ سے دنیا جیسی حزن وغم اور مصائب خانہ کی طرف کیوں نکالے گئے؟ اور ابلیس کو جماعتِ

ملائکہ سے کس چیز نے ذلیل کر کے باہر نکال دیا تھا۔ جس سے وہ ہمیشہ کی لعنت کا مستحق ہوگیا، اور اس کا ظاہر و باطن مسخ کر دیا گیا، اور اس کی صورت بدترین صورت بنادی گئی، اس کا باطن اس کے ظاہر سے زیادہ بدتر بنادیا گیا، خدا کے قرب کے عوض اسے بعد و دوری، رحمت کے بدلہ لعنت، خوبصورتی کے عوض بدصورتی، جنت کے بدلہ جہنم، ایمان کی جگہ کفر، خدائے برتر کی محبت و دوستی کی بجائے اس کی عداوت و دشمنی، اور تسبیح، تقدیس اور تہلیل کے بدلہ کفر، شرک و کذب اور فحش، اور لباسِ ایمان کے عوض لباسِ کفر و فسق اس کا حصہ ٹھہرا، جس سے وہ اللہ کے نزدیک نہایت ذلیل سمجھا گیا، اور بارگاہِ عزت سے دور کر دیا گیا، اس پر خدا کے غیظ و غضب کا نزول ہوا، خدا کے عذاب کا مورد بن کر فاسقوں اور مجرموں کا امام و پیشوا قرار پایا۔ نعوذ باللہ من ذلک، سوچئے! آخر کس چیز نے اہل دنیا کو طوفان میں غرق کر دیا تھا جو پہاڑوں کی چوٹیوں پر سے بھی گزر گیا تھا؟ اور کس چیز نے قومِ عاد پر بادِ صرصر کو مسلط کر دیا تھا، جس سے تمام نفوس روئے زمین پر مردہ ہو کر گر پڑے؟ ان کے تمام کھیت، مویشی اور مکانات نیست و نابود کر دیئے گئے، اور وہ ہمیشہ کے لئے عبرت کا نشان بن گئے۔ اور قومِ ثمود پر کس وجہ سے ایک ایسی سخت کڑک کا عذاب نازل کیا گیا جس سے لوگوں کے دل پارہ پارہ ہوگئے؟ اور وہ سب کے سب مر گئے، اور وہ کیا چیز تھی جس نے قوم لوط کی بستیوں کو اس قدر اونچا لے جا کر اوندھا گرا دیا کہ ان بستیوں کے کتوں کی آوازوں کو ملائکہ بھی سنتے تھے، پھر ان پر آسمان سے پتھروں کی بارش برسائی گئی، ان پر ایسا عذاب بھیجا گیا کہ جو اس سے پہلے کسی اور امت پر نازل نہیں ہوا تھا۔ ظالموں کے ساتھ ایسا ہونا عادتِ الٰہی سے کچھ بعید نہیں، نیز کس چیز نے قوم شعیب پر بادل کی شکل میں عذاب بھیجا جس سے ان پر آگ برسنے لگی؟ اور کس چیز نے فرعون اور قومِ فرعون کو سمندر میں غرق کر کے واصلِ جہنم کیا؟ کس چیز نے قارون، اس کے خزانہ، اہل و عیال اور گھر کو زمین میں دھنسایا؟ نیز کس چیز نے نوح علیہ السلام کے بعد کئی امتوں کو مختلف قسم کے عذاب سے ہلاک و تباہ کیا؟ اور کس چیز نے صاحب یٰسین کی قوم کو ایک مہیب آواز سے نیست و نابود کر دیا؟ اور کس چیز نے بنی اسرائیل پر ایک بڑے رعب دبدبے

والی قوم کو مسلط کردیا جو ان کے گھروں کے اندر گھس گئے، مردوزن اور چھوٹے بڑے سب کو تہ تیغ کر ڈالا؟ گھر جلادیئے مال واسباب لوٹ لیا، پھر دوسری بار بھی انھیں مسلط کیا جنھوں نے حسب قدرت قتل وغارت میں کوئی کوتاہی نہ کی، اور کس چیز نے ان پر مختلف قسم کے عذاب نازل کیے؟ کبھی تو قتل وغارت اور قید وبند سے، اور کبھی ظالم بادشاہوں کو مسلط کرنے سے، اور کبھی ان کو بندوں کی شکل میں مسخ کردینے سے، بالآخر اللہ تبارک وتعالیٰ نے قسم کھا کر یہ فرمایا:

﴿لَيَبْعَثَنَّ عَلَيْهِمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ مَنْ يَّسُوْمُهُمْ سُوْءَ الْعَذَابِ﴾

یعنی "ان پر ان لوگوں کو مسلط رکھا جائے گا جو انھیں بہت بری طرح سے عذاب دیتے رہیں گے۔" (الاعراف:۱۶۷)

امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ بروایت ولید بن مسلم نقل کرتے ہیں: جب جزیرہ قبرص مسلمانوں نے فتح کیا اور وہاں کے لوگ ایک دوسرے سے جدا کردیئے گئے، جدا ہوتے وقت عزیز واقارب ایک دوسرے سے گلے لگتے اور روتے تھے، تو لوگوں نے دیکھا کہ ابوذرؓ علیحدہ اکیلے بیٹھے رو رہے ہیں۔ جب ان سے پوچھا گیا کہ آج آپ کیوں رو رہے ہیں؟ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے دین اسلام اور مسلمانوں کو عزت وفتح سے نوازا ہے؟ آپ نے جواب دیا کہ: "کیا تم عبرت نہیں پکڑتے، کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے عاجز مخلوق کی کوئی حیثیت نہیں، دیکھو! یہ لوگ اپنے ملک کے مالک تھے اور اپنے دشمن پر غالب، مگر جب انھوں نے اللہ کی نافرمانی کی، تو اللہ نے دوسروں کو ان پر مسلط کردیا اور وہ ذلیل ہوگئے۔" علی بن الجعدؒ بروایتِ ابوالبختری نقل کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "جب تک لوگ بہت گناہ نہ کرنے

لگیں، ہلاک نہیں ہوں گے۔'' مسند احمد میں حدیث ام سلمہؓ منقول ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جب میری امت میں گناہ ظاہر ہونے لگیں گے، تو اللہ تعالیٰ ان کو عذاب میں مبتلا کریں گے۔ ام سلمہؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! کیا اس وقت لوگوں میں نیک صالح آدمی نہ ہوں گے؟ فرمایا: ہوں گے، عرض کیا ان کے ساتھ کیا سلوک ہوگا؟ آپؐ نے فرمایا: وہ بھی اس مصیبت میں مبتلا ہوں گے جس میں دوسرے لوگ مبتلا ہوں گے، پھر وہ اللہ تعالیٰ کی مغفرت اور رحمت کی طرف چلے جائیں گے۔ مراسیل حسن میں مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''یہ امت ہمیشہ اللہ کی حفاظت اور پناہ میں رہے گی جب تک کہ قرآن پڑھنے والے امراء کی مدد نہ کریں گے، صالح لوگ فاجر لوگوں کو پاک نہ کہیں، اور نیک لوگ برے لوگوں کے ہاں تہنیت بجا نہ لائیں، جب وہ ایسا کرنے لگیں گے تو اللہ تعالیٰ اپنی حفاظت ان سے اٹھالے گا، اور ان پر ظالموں کو مسلط کردے گا، جو انھیں بری طرح عذاب دیں گے، پھر اللہ تعالیٰ فقروفاقہ لازم کردیں گے۔''

مسند میں حدیثِ ثوبانؓ مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''آدمی گناہ کی وجہ سے ملنے والے رزق سے محروم ہوجاتا ہے۔''[۲] نیز مسند میں مروی ہے: ''رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا'' عنقریب دوسری قومیں چاروں طرف سے تم پر آپڑیں گی، جس طرح کھانے والے ایک برتن پر آجمع ہوتے ہیں، ہم نے عرض کیا یارسول اللہ! یہ حالت تعداد میں کمی کی وجہ سے پیش آئے گی؟ فرمایا: تمہاری تعداد بہت ہوگی، لیکن تم سیلاب کے خس وخاشاک کی طرح ہوں گے، دشمنوں کے دل سے تمہاری ہیبت اُٹھ جائے گی، اور تمہارے دلوں میں سستی آجائے

[۱] احمد (۴۰۳/۶)   [۲] احمد (۲۷۷/۵)

گی، ہم نے عرض کیا کہ سستی سے کیا مراد ہے؟ آپؐ نے فرمایا: زندگی سے محبت اور موت سے نفرت۔''[۱]

مسند میں حدیث انسؓ مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''معراج کی رات میرا ایک ایسی قوم پر گزر ہوا جن کے ناخن تانبے کے تھے۔ جس سے وہ اپنے چہروں اور سینوں کو چھیل رہے تھے۔ میں نے پوچھا، جبریل! یہ کون لوگ ہیں؟ جواب ملا: یہ وہ لوگ ہیں جو لوگوں کی غیبت کیا کرتے تھے۔ ان کی عزتیں خراب کرتے تھے۔'' جامع ترمذی میں حدیث ابی ھریرہؓ منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''آخر زمانہ میں ایسے لوگ ظاہر ہوں گے جو دین کے بہانہ دنیا ٹھگا کریں گے، لوگوں کو دکھانے کے لئے کھالیں پہنا کریں گے، ان کی زبان نہایت شیریں ہوگی، اور ان کے دل بھیڑیوں کے سے ہوں گے، اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: کیا تم مجھ پر دھوکہ کھاتے ہو اور مجھ پر جرأت کرتے ہو، مجھے اپنی ذات کی قسم ہے میں ان لوگوں پر ایک ایسا فتنہ بھیجوں گا۔ جو ان میں سے دانا وعقلمند کو بھی حیرت زدہ بنادے گا۔'' ابن ابی الدنیا حدیث جعفر بن محمد ذکر کرتے ہیں کہ حضرت علیؓ نے فرمایا: ''لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ اسلام کا صرف نام ہی رہ جائے گا اور قرآن مجید کے صرف نقوش موجود رہیں گے۔ مسجدیں آباد ہوں گی مگر ہدایت کا نام و نشان نہ ہوگا، علماء بدترینِ خلائق ہوجائیں گے۔ انھی سے فتنہ نکلے گا اور انھیں میں لوٹے گا۔''

حدیث عبداللہ بن مسعودؓ مروی ہے کہ: ''جب کسی بستی میں زنا کاری اور سود خوری عام ہوجائے تو اللہ تعالیٰ اس کی ہلاکت کا حکم دے دیتے ہیں۔'' مراسیل حسن میں ہے: ''جب لوگ اپنے علم کا اظہار کرنے لگیں، اور عمل کو ضائع کردیں گے، زبان

---

[۱] احمد (۸۷۲/۵)

سے ہمدردی اور دل سے بغض رکھیں گے اور قطع رحمی کرنے لگیں گے تب اللہ تعالیٰ ان پر لعنت کا نزول کرے گا اور انھیں اندھا بہرا کردے گا۔ سنن ابن ماجہ میں حدیث عبداللہ بن عمر بن الخطابؓ مروی ہے کہ: ''میں اور مہاجرین میں سے نو آدمی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر تھے کہ سامنے سے ایک آدمی آیا اور کہنے لگا کہ اے جماعتِ مہاجرین! پانچ باتیں ہیں، خدا کی پناہ! تم ہرگز انھیں اختیار نہ کرنا: جب کسی فاحش امر کو لوگ کھلم کھلا کرنے لگتے ہیں تو اللہ تعالیٰ انھیں طاعون اور درد کی بیماریوں میں مبتلا کردیتا ہے، جوان سے پہلے لوگوں میں کبھی نمودار نہ ہوئی تھیں، اور جب کوئی قوم ناپ تول میں کمی کرتی ہے تو اللہ تعالیٰ انھیں قحط، ظلم اور حاکم کی مصیبتوں میں مبتلا کردیتا ہے، اور جب کوئی قوم اپنے مال کی زکوٰۃ ادا نہیں کرتی، تو بارانِ رحمت سے محروم کردی جاتی ہے، اگر دوسرے حیوانات روئے زمین پر نہ ہوتے تو ان پر کبھی بارش نہ ہوتی، اور جب کوئی قوم عہد شکنی کرتی ہے تو اللہ تعالیٰ ان کے دشمنوں کو ان پر مسلط کردیتا ہے، اور وہ ان کے ہاتھ سے سب کچھ چھین لیتے ہیں، اور جب اس قوم کے ائمہ کتاب اللہ کے مطابق عمل پیرا نہیں ہوتے تو اللہ تعالیٰ ان پر دشمنوں کا خوف غالب کردیتا ہے۔''[1]

مسند اور سنن میں روایت عبداللہ بن مسعودؓ مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''پہلی امتوں میں دستور یہ تھا کہ جب کوئی شخص کسی قسم کا گناہ کرتا تو دوسرا اس کو بطور تعذیر منع کرتا اور اسے کہتا کہ اے فلاں! اللہ کا خوف کر، جب دوسرا دن ہوتا تو اس کے ساتھ میل جول اور خورد و نوش کیا کرتا، جس سے ایسا لگتا کہ جیسے اس نے گزشتہ کل اس کو گناہ کرتے نہیں دیکھا تھا۔ جب اللہ تعالیٰ نے ان کی اس حالت کو دیکھا تو ایک دوسرے کے دلوں کو آپس میں یکساں کردیا۔ (یعنی گمراہ ہوگئے) پھر وہ بزبانِ داؤد و عیسیٰ علیہما السلام اللہ تعالیٰ کی طرف سے مستحق لعنت ہوگئے،

---

[1] ابن ماجہ

یہ سب کچھ ان کی نافرمانی اور سرکشی کی وجہ سے ہوا، قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جان ہے۔ تم ضرور نیکی کا حکم اور برے کاموں سے روکا کرو گے، اور بے وقوفوں کو حق کی طرف موڑ کر لایا کرو گے، حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں کو آپس میں یکساں کردے گا، پھر اسی طرح تم پر لعنت کرے گا جس طرح اگلوں پر لعنت کی تھی۔[۱]

ابن ابی الدنیا ابراہیم بن عمرو الصنعانیؒ سے نقل کرتے ہیں کہ: ''اللہ تعالیٰ نے یوشع بن نونؑ کی طرف وحی کی کہ اے یوشع! میں تیری قوم کے چالیس ہزار نیک لوگوں اور ساٹھ ہزار برے لوگوں کو ہلاک کروں گا۔ یوشع علیہ السلام نے عرض کیا خدایا! برے تو برے ہیں، مگر نیک لوگوں کا کیا قصور؟ جواب ملا: انھوں نے مستحقین غضب کے جرم پر غضب کا اظہار نہیں کیا، ان سے مل جل کر کھاتے پیتے رہے۔''

ابوعمر بن عبدالبرابی عمران سے روایت کرتے ہیں کہ: ''اللہ تعالیٰ نے ایک بستی کی طرف دو فرشتوں کو بھیج کر حکم دیا کہ تمام لوگوں کو ہلاک کردو، انھوں نے اس بستی میں ایک شخص کو نماز پڑھتے دیکھ کر عرض کیا: خدایا! تیرا فلاں بندہ نماز پڑھ رہا ہے، جواب ملا کہ اسے بھی ان مجرموں کے ساتھ ہلاک کرڈالو، کیونکہ اس کے چہرے پر (دینی غیرت میں) کبھی آثارِ غضب نمودار نہیں ہوئے۔'' حمیدی سفیان بن عیینہ سے بروایت سفیان بن سعید راوی ہیں کہ'' ایک فرشتہ کو حکم ہوا کہ ایک بستی کو زمین میں دھنسا دے، اس نے عرض کیا، الٰہی! اس بستی میں فلاں عبادت گزار شخص رہتا ہے، اللہ تعالیٰ نے اس کو وحی کی کہ پہلے اسی کو ہلاک کرو، کیونکہ (میرے دین کی غیرت میں) کبھی اس کے چہرے پر آثارِ غضب ظاہر نہیں ہوئے۔''

ابن ابی الدنیا وہب بن منبہؒ سے روایت کرتے ہیں کہ: ''جب داؤد علیہ السلام سے خطا سرزد ہوئی، تو آپ نے دعا کی کہ یا اللہ! مجھے بخش دے، جواب ملا: ہم نے تجھے بخش دیا اور گناہ کی عار بنی اسرائیل پر ڈال دی، داؤد علیہ السلام نے عرض کیا:

---

[۱] احمد (۳۹۱/۱)

الٰہی تیرا عدل اس بات کا کیسے مقتضی ہے کہ خطا میں کروں اور اس کی عار دوسروں کو لاحق ہو؟ جواب ملا: ''ہماری غیرت کا یہی تقاضا ہے کہ کیونکہ جب تجھ سے خطا سرزد ہوئی تھی تو انھوں نے اظہار نفرت میں جلدی نہیں کی تھی۔'' ابن ابی الدنیا انس بن مالکؓ سے روایت کرتے ہیں کہ: ''میں اور ایک آدمی حضرت عائشہ صدیقہؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اس دوسرے آدمی نے عرض کیا ام المؤمنین! زلزلے کے متعلق ارشاد فرمایئے، آپؓ نے فرمایا: ''جب لوگوں میں زنا کاری، شراب خوری اور آلاتِ موسیقی کا استعمال عام ہوجاتا ہے تو اللہ تعالیٰ آسمان پر غیرت کرتا ہے، اور زمین کو حکم دیتا ہے کہ انھیں، ذرا جھٹکا دے دے، پس اگر وہ باز آجائیں تو بہت بہتر ورنہ زمین ان پر منہدم کردی جاتی ہے، اس نے پوچھا ام المؤمنین! کیا ان سے یہ سلوک بطور عذاب کیا جاتا ہے؟ فرمایا: ''نہیں بلکہ اہل ایمان کے لئے موعظت اور رحمت کے طور پر، اور کفار کے لئے عذاب اور غضب کے طور پر ایسا کیا جاتا ہے۔

حضرت انسؓ فرماتے ہیں: ''میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی ایسی حدیث نہیں سنی جس سے میں اس حدیث کی نسبت زیادہ خوش ہوا ہوں۔'' ابن ابی الدنیا مرسلاً روایت کرتے ہیں کہ: ''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں زلزلہ آیا: آپؐ نے اپنا دست مبارک زمین پر رکھ کر فرمایا: ٹھہر جا! ابھی تیرا وقت نہیں آیا، پھر آپؐ صحابہؓ کی جانب متوجہ ہوکر فرمانے لگے کہ: ''اللہ تعالیٰ یہ چاہتے ہیں کہ تم اس کی رضا تلاش کرو تاکہ وہ تم سے راضی ہو، اس کے بعد حضرت عمر بن الخطابؓ کے زمانہ میں زلزلہ آیا تو آپ نے فرمایا: ''اس زلزلہ کا سبب کوئی ایسا نیا گناہ ہے جس کا تم لوگوں نے ارتکاب کیا ہے۔ اس ذات کی قسم! جس کے قبضہ میری جان ہے۔ اگر دوبارہ زلزلہ آیا تو میں تمہارے ساتھ ہمیشہ کے لئے مل کر رہنا پسند نہیں کروں گا۔'' ابن ابی الدنیا نے مناقب عمرؓ میں لکھا ہے کہ: ''آپ کے زمانہ خلافت میں زلزلہ آیا تو آپ نے اپنا ہاتھ

زمین پر مارا اور فرمایا: ''تجھے کیا ہوا؟ اگر یہ زلزلہ، قیامت کا زلزلہ ہوتا تو وہ اپنی خبریں سناتا، میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ: ''جب قیامت کا دن ہوگا تو زمین کی ایک ایک بالشت حالات کے متعلق بولے گی۔''

امام احمدؒ نے صفیہ سے نقل کیا ہے کہ حضرت عمرؓ کے دورِ خلافت میں زلزلہ آیا تو آپؓ نے فرمایا: لوگو! تمہیں تمہارے گناہوں کا نتیجہ جلد نظر آ گیا، اگر یہ زلزلہ دوبارہ آیا تو میں تمہارے ساتھ مل کر نہیں رہوں گا۔'' کعب الاحبار کہتے ہیں کہ'' زلزلہ زمین میں اس وقت آیا کرتا ہے جب اس پر لوگوں کے گناہ بڑھ جاتے ہیں، اور وہ خوف خدا سے کانپنے لگتی ہے۔''

عمر بن عبدالعزیزؒ نے مختلف شہروں میں ایک فرمان جاری کیا: '' زلزلہ اللہ کی طرف سے بصورتِ عذاب بندوں پر بھیجا جاتا ہے۔ میں نے تمام شہر کے لوگوں کو لکھ دیا ہے کہ وہ فلاں مہینہ کی فلاں تاریخ کو شہر سے باہر جمع ہوں، اور نکلنے سے پہلے جو کچھ پاس ہو، صدقہ کرے، کیونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى﴾ (الاعلیٰ:۱۴، ۱۵)

اور اللہ رب العزت کی بارگاہ میں یوں التجا کرو جیسے آدم علیہ السلام نے کی تھی:

﴿قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخَاسِرِيْنَ﴾ (الاعراف:۲۳)

نیز یوں عرض کرو جیسے نوح علیہ السلام نے عرض کی:

﴿وَاِلَّا تَغْفِرْ لِيْ وَتَرْحَمْنِيْٓ اَكُنْ مِّنَ الْخَاسِرِيْنَ﴾ (ھود:۴۷)

اور نیز یوں پکارو جس طرح یونس علیہ السلام نے پکارا:

﴿لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحَانَكَ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ

الظَّالِمِينَ ﴾ (الانبیاء:۸۷)

مسند امام احمدؒ میں روایت ابن عمرؓ مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''جب لوگ درہم و دینار میں بخل کریں گے، اور بیع عینہ[1] کریں گے، اور بیلوں کے پیچھے لگیں گے، اور جہاد فی سبیل اللہ چھوڑ دیں گے، تو اللہ ان پر بلا و مصیبت نازل کریں گے، اور جب تک وہ اپنے دین کی طرف واپس نہیں لوٹیں گے، ان سے وہ مصیبت دور نہیں فرمائیں گے۔'' (رواہ ابوداؤد باسناد حسن)

ابن ابی الدنیا روایت ابن عمرؓ ذکر کرتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا کہ: ''ہم یہ خیال کرتے ہیں کہ کوئی شخص اپنے درہم و دینار کا اپنے مسلمان بھائی سے زیادہ مستحق نہیں، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے کہ: ''جب لوگ درہم و دینار میں بخل کریں گے، اور بیع عینہ کریں گے، اور جہاد فی سبیل اللہ ترک کردیں گے، بیلوں کے پیچھے لگیں گے، تو ان پر آسمان سے بلا وآفت نازل ہوگی اور جب تک وہ لوگ اپنے دین پر واپس نہیں آجائیں گے ان سے وہ بلا دور نہیں ہوگی۔''

حضرت حسنؒ فرماتے ہیں کہ واللہ! بیع عینہ اللہ کی طرف سے بندوں پر ایک عذاب ہے، بنی اسرائیل کے ایک نبی نے بخت نصر کے ظلم وستم کو دیکھ کر فرمایا کہ: ''الٰہی! ہمارے برے اعمال کے سبب آپ نے ہم پر ایک ایسے شخص کو مسلط کیا ہے جسے نہ تو تیرا خوف ہے اور نہ ہماری حالت زار پر رحم۔'' بخت نصر نے دانیال پیغمبر سے کہا

---

[1] بیع عینہ کی صورت یہ ہے کہ کوئی شخص دوسرے کے ہاتھ کچھ سامان معین قیمت پر مقررہ مدت تک بیچے، پھر اسی سامان کو تھوڑی قیمت دے کر خرید لے۔ (مترجم)

کہ میں تیری قوم پر کیسے غالب آ گیا؟ انھوں نے جواب دیا کہ دو چیزیں، ایک تیرا عظیم گناہ کرنا، دوسری میری قوم کا اپنی جانوں پر ظلم کرنا۔'' ابن ابی الدنیا نے حدیث عمار بن یاسرؓ وحذیفہؓ ذکر کی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اللہ تعالیٰ جب بندوں کو گناہ پر عذاب دینا چاہتا ہے تو اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ بچوں کو موت دیتا ہے، عورتوں کو بانجھ کردیتا ہے، پھر ان پر ایسا عذاب نازل ہوتا ہے جس میں کوئی بھی قابل رحم نہیں ہوتا۔'' مالک بن دینارؒ فرماتے ہیں کہ: میں نے حکمت میں پڑھا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں بادشاہوں کا بادشاہ خدا ہوں، سلاطین کے دل میرے ہاتھ میں ہیں، جولوگ میری اطاعت کرتے ہیں، میں ان پر سلاطین کو مہربان بنادیتا ہوں، اور جولوگ میری نافرمانی کرتے ہیں، ان پر سلاطین کو ظلم ونقمت کے لئے مقرر کردیتا ہوں، لہٰذا تم بادشاہوں کو برا بھلا نہ کہو، البتہ تم میری طرف رجوع کرو میں ان کوتم پر مہربان بنادوں گا۔'' مراسیل حسن میں مذکور ہے کہ: ''جب اللہ تعالیٰ کسی قوم کے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرماتے ہیں تو ان کا انتظام حلیم لوگوں کے سپرد کردیتا ہے، اور مالِ فیئے (جو مال کفار سے لڑے بغیر مسلمانوں کو حاصل ہو) کریم اور جوانمرد کے ہاتھ میں کردیتا ہے، اور جب کسی قوم کے ساتھ برائی کاارادہ فرماتے ہیں تو ان کا انتظام بے وقوفوں کے ہاتھ میں اور فیئے بخیلوں کے سپرد کردیتا ہے۔'' امام احمدؒ وغیرہ ائمہ نے قتادہ سے روایت کیا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہِ خداوندی میں عرض کی: خدایا! تو آسمان پر ہے، اور ہم زمین پر، تیرے غضب کو ہم تیری رضا سے کیسے ممتاز کرسکتے ہیں؟ جواب آیا کہ جب میں تم پر نیک لوگوں کومسلط کروں تو اسے میری رضا کی علامت سمجھو، اور جب برے لوگوں کو حاکم بناؤں تو اسے میرے غضب کی نشانی سمجھو۔'' ابن ابی الدنیا نے فضیل بن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ: ''اللہ تعالیٰ نے یک نبی کی طرف یہ وحی نازل کی کہ جب میری معرفت رکھنے والے لوگ میری

نافرمانی کرنے لگتے ہیں تو میں ان پر ان لوگوں کو مسلط کر دیتا ہوں جو میری معرفت نہیں رکھتے۔'' نیز بروایت ابن عمر مرفوعاً مذکور ہے کہ حضور سرورِ کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا: ''اس ذات کی قسم! جس کے قبضہ میں میری جان ہے اس وقت تک قیامت قائم نہیں ہوگی جب تک اللہ تعالیٰ جھوٹ بولنے والے امراء، فاجر فاسق وزراء، خیانت گر معاون ومدد گار، ظالم سرداروں اور فاسق قاریوں کو جو راہبوں کی سی شکل ووضع رکھتے ہوں گے ان کے دل مردار سے زیادہ بدبودار ہوں گے اور ان کی خواہشیں مختلف ہوں گی، پیدا نہیں کر دے گا، پھر اللہ تعالیٰ ان کے لئے ایک عام تاریک فتنہ برپا کر دے گا، جس میں وہ سب لوگ مبتلا ہوں گے، اللہ کی قسم! اسلام لڑی لڑی ہو جائے گا، حتی کہ کوئی اللہ کا نام نہیں لے گا، تم لوگ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے رہو گے، یہاں تک اللہ تعالیٰ تم پر برے لوگوں کو مسلط کر دیں گے، جو تمہیں بری تکلیفیں پہنچائیں گے، پھر تم میں سے نیک لوگ دعا کریں گے جو قبول نہ ہوگی، تم امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے رہو گے، حتی کہ اللہ تم پر ایسے لوگوں کو حاکم بنائے گا، جو چھوٹوں پر رحم نہ کریں گے اور بڑوں کی توقیر نہیں کریں گے۔'' معجم طبرانی وغیرہ میں ابن عباسؓ سے روایت مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''کوئی قوم پیمانہ کو کم نہیں ماپتی اور ترازو کے وزن کو کم نہیں تولتی مگر اللہ تعالیٰ اس گناہ کی پاداش میں بارانِ رحمت لوگوں سے روک لیتے ہیں، اور کسی قوم میں زنا نہیں پھیلتا مگر ان میں موت نمودار ہوتی ہے، اور کسی قوم میں سود خوری ظاہر نہیں ہوتی، مگر اللہ تعالیٰ ان لوگوں پر دیوانگی مسلط کر دیتے ہیں، اور کسی قوم میں کشت وخون ظاہر نہیں ہوتا، مگر اللہ تعالیٰ ان پر ان کے دشمنوں کو غالب کر دیتا ہے، اور کسی قوم میں لواطت عام نہیں ہوتی، مگر ان میں خسف (زمین میں دھنسنا) ظاہر ہوتا ہے، اور کوئی قوم امر بالمعروف اور نہی عن المنکر (کا فریضہ) ترک نہیں کرتی، مگر ان کے اعمال آسمان

کی طرف نہیں اٹھائے جاتے (یعنی قابل توقیر نہیں ہوتے) اور ان کی دعا نہیں سنی جاتی۔" (رواہ ابن ابی الدنیا من حدیث ابراہیم بن الاشعث)

اور مسند وغیرہ میں بحدیث عائشہؓ مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، اس حال میں کہ آپؐ ہانپ رہے تھے، میں نے آپ کے چہرۂ انور کے آثار سے پہچان لیا کہ آپؐ کو کوئی امر پیش آیا ہے، آپؐ نے کوئی کلام نہیں کیا، وضو فرما کر باہر تشریف لائے، اور میں حجرہ کی دیوار کے ساتھ لگ کر کھڑی ہوگئی، اتنے میں آپؐ منبر پر چڑھے اور اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء بیان کرنے کے بعد فرمایا: "لوگو! اللہ کے عذاب سے ڈرو، کیونکہ اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ تم لوگوں کو نیک کام کرنے اور برے کام سے باز رہنے کی ہدایت کرو، قبل اس کے کہ تم دعا کرو اور میں قبول نہ کروں، تم مدد طلب کرو اور میں تمہاری مدد نہ کروں، اور تم مجھ سے مانگو اور میں تمہیں عطا نہ کروں۔"[1]

عمری الزاہدؒ فرماتے ہیں کہ کسی ایسے امر کو جو غضب الٰہی کا ذریعہ ہو ٹال دینا اور امر ونہی سے کسی ایسے شخص کے خوف سے باز رہنا جو اپنی ذات کے لئے بھی نفع ونقصان کا مالک نہیں، یہ اپنے نفس سے غافل ہونے اور اللہ تعالیٰ سے روگردانی کا نتیجہ ہے، نیز فرماتے ہیں کہ جو شخص امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو کسی مخلوق کے خوف سے ترک کردے تو دوسرے لوگ پھر اس کی فرمانبرداری نہیں کرتے، اگر وہ اپنے بیٹے یا غلام کو کسی کام کا حکم دے تو وہ بھی اس کے حق کا پاس نہیں کرتے۔"

امام احمدؒ نے اپنی مسند میں حدیث قیس بن ابی حازم نقل کی ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "لوگو! تم یہ آیت مبارکہ پڑھتے ہو۔"

﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا عَلَیْكُمْ اَنْفُسَكُمْ لَا یَضُرُّكُمْ مَّنْ

[1] احمد (۶/۱۵۹)

ضَلَّ اِذَا اهْتَدَيْتُمْ﴾ (المائدة: ۱۰۵)

یعنی اس کو بے محل رکھتے ہو، میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے، آپؐ نے فرمایا: ''جب لوگ کسی ظالم کو برے کام کرتے دیکھ کر نہ روکیں تو اللہ تعالیٰ جلد ان پر اپنا عمومی عذاب نازل کرتے ہیں۔''[1]

امام اوزاعیؒ بروایت ابی ھریرۃؓ نقل کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جب گناہ خفیہ طور پر کیا جائے تو وہ گناہ کرنے والے کے سوا کسی اور کو نقصان نہیں پہنچاتا، اور جب علانیہ کیا جائے تو اس کا وبال سب پر آتا ہے۔''

امام احمدؒ حضرت عمر بن الخطابؓ سے روایت کرتے ہیں انھوں نے فرمایا: ''عنقریب آباد بستیاں ویران ہوجائیں گی۔ صحابہؓ نے پوچھا وہ کیسے؟ آپؐ نے فرمایا: جب فاجروں کا نیک کاروں پر غلبہ ہوجائے گا، اور منافق لوگ حکومت کرنے لگیں گے، تو ایک عام خرابی پھیل جائے گی۔'' امام اوزاعیؒ حسان بن عطیہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''عنقریب میرے امت کے برے لوگ نیک لوگوں پر غالب آجائیں گے، حتیٰ کہ ایماندار آدمی ان میں اسی طرح مخفی رہے گا جس طرح آج ہم میں منافق لوگ مخفی ہیں۔'' ابن ابی الدنیا، بحدیث ابن عباسؓ مرفوعاً نقل کرتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا: ''ایک زمانہ آئے گا کہ اس میں ایماندار آدمی کا دل اس طرح پگھلے گا جس طرح نمک پانی میں پگھل جاتا ہے، صحابہؓ نے سوال کیا، یارسول اللہ! کیونکر؟ آپؐ نے فرمایا: ''برے افعال کو دیکھ کران کو روکنے پر قادر نہ ہونے کی وجہ سے ایسا ہوگا۔''

امام احمدؒ نے بحدیث جابرؓ مروی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جس قوم میں گناہ کثرت سے ہونے لگیں اور ان کی تعداد گناہ کرنے

---

[1] احمد (۲/۱)

والوں سے زیادہ ہو، اور وہ صاحب اقتدار ہوں اور اس پر روک ٹوک نہ کریں تو اللہ تعالیٰ ان پر ایک عام عذاب نازل کردیتے ہیں۔" صحیح بخاری میں روایت اسامہ بن زیدؓ مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "قیامت کے روز ایک آدمی لایا جائے گا، اور آگ میں ڈال دیا جائے گا، اس کی آنتیں اس آگ میں نکل پڑیں گی، اور وہ اس طرح گھومے گا جس طرح چکی کے گرد گدھا گھومتا ہے، پھر اس کے پاس اہل جہنم جمع ہوکر اسے کہیں گے کہ اے فلاں! تیری کیا حالت ہے؟ کیا تو ہمیں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر نہیں کیا کرتا تھا؟ وہ کہے گا کہ بے شک میں کیا کرتا تھا مگر خود اس پر عمل نہیں کرتا تھا۔"

امام احمدؒ مالک بن دینارؒ سے نقل کرتے ہیں کہ علماء بنی اسرائیل میں سے ایک عالم کے گھر پر مرد اور عورتیں جمع ہوتی تھیں، اور وہ انھیں وعدو وعید سنایا کرتا تھا۔ ایک دن اپنے ایک بیٹے کو دیکھا کہ وہ عورتوں سے نظر بازی کررہا ہے تو اس نے اس سے کہا، پیارے بیٹے! ایسا مت کرو، یہ کہتے ہی وہ گر پڑا اور اس کا مغز پھٹ گیا، اور اس کی بیوی کا حمل ساقط ہوگیا اور اس کے بیٹے ہلاک کردیئے گئے، اللہ تعالیٰ نے اس زمانہ کے نبی کی طرف یہ وحی کی کہ تم فلاں عالم کو یہ خبر دے دو کہ میں تیری نسل میں کبھی صدیق پیدا نہیں کروں گا، اور میرے اس غضب کی وجہ یہ ہے کہ تم نے اپنے بیٹے کو برے کام سے اس طور پر روکا جس سے ایک قسم کی نرمی اور پیار کا اظہار ہوتا تھا۔"

امام احمدؒ نے حدیث عبداللہ بن مسعودؓ ذکر کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "چھوٹے چھوٹے گناہوں سے بچو، کیونکہ وہ جمع ہوتے ہوتے اس قدر ہوجاتے ہیں کہ کرنے والے کو ہلاک وتباہ کرڈالتے ہیں، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے گناہوں کی مثال یوں بیان کی ہے، جیسے لوگوں کا ایک گروہ کہیں

کسی جنگل میں جا کر اتر پڑے اور کھانے کی تیاری میں اِدھر اُدھر جنگل سے لکڑیاں جمع کرنے لگے، جب ان کا ایک ڈھیر لگ جائے، تو انھیں آگ لگا دے، اور کھانے کی جو چیز اس میں ڈالے، پکا کر نکال لے۔''

صحیح بخاری میں انس بن مالکؓ سے مروی ہے: وہ فرماتے ہیں: ''تم لوگ ایسے اعمال کرتے ہو کہ جو تمہاری نظروں میں بال سے بھی باریک ہیں، جبکہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ان کو مہلکات میں سے شمار کرتے تھے۔''

صحیحین میں حدیث عبداللہ بن عمرؓ مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''ایک عورت ایک بلی کو مکان میں بند رکھنے کی وجہ سے واصل جہنم ہوئی، کیوں کہ اس نے بلی کو بھوک پیاس کا عذاب چکھایا، اور زمین کے کیڑے مکوڑے کھانے تک سے روک دیا، حتیٰ کہ وہ مرگئی۔'' ابونعیمؒ کی ''الحلیہ'' میں روایت حذیفہؓ مذکور ہے کہ آپؐ سے کسی نے پوچھا کہ بنی اسرائیل نے ایک ہی دن میں اپنا دین ترک کر دیا تھا؟ آپؐ نے فرمایا، نہیں بلکہ انھیں جب کسی امر کا حکم دیا جاتا تھا تو وہ اسے ترک کر دیتے تھے، اور جب کسی امر سے روکا جاتا تو اسے کر گزرتے تھے، رفتہ رفتہ وہ لوگ دین سے اس طرح علیحدہ ہو گئے جیسے کوئی شخص جسم سے قمیض کو اتار دیتا ہے۔'' اسی بناء پر بعض بزرگان دین فرمایا کرتے تھے کہ گناہ کفر کا پیش خیمہ ہے، جیسے بوسہ جماع کا، گانا زنا کا، نظر بازی عشق کا اور مرض موت کا پیش خیمہ سمجھا جاتا ہے۔''

نیز ''الحلیہ'' میں ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ آپ فرمایا کرتے، اے گناہ کرنے والے! تو گناہ کے انجام بد سے بے خوف نہ ہو، اور گناہ کے بعد جو نتیجہ اس پر مرتب ہوتا ہے وہ اس گناہ سے کہیں بڑھ کر ہے، کیونکہ نامہ اعمال لکھنے والے فرشتے اس کو لکھتے ہیں، تیرا گناہ پر قائم رہنا تیرے گناہ اور تیرے ہنسنے سے کہیں زیادہ ہے۔ اور تجھے معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ تیرے ساتھ جو سلوک کرنے والا ہے وہ تیرے گناہ سے کہیں زیادہ ہے، تیرا گناہ پر قابو پا کر خوش ہونا تیرے گناہ سے کہیں بڑھ کر ہے اور گناہ

کے چھوٹ جانے پر تیرا رنجیدہ ہونا گناہ سے کہیں بڑھ کر ہے، اور تیرا گناہ کرتے وقت ہوا کے لگنے سے پردے کی حرکت سے اس خیال پر کہ کوئی دیکھ لیگا ڈرنا اور اللہ تعالیٰ کا تجھے گناہ کرتے وقت دیکھنا اور تیرا مضطرب نہ ہونا تیرے گناہ سے کہیں بڑھ کر ہے، تیرا برا ہو، کیا تو جانتا ہے کہ ایوب علیہ السلام کس لغزش کی پاداش میں تکلیف میں مبتلا ہوئے، جس سے وہ جسمانی بیماری اور مالی تباہی سے دوچار ہوئے؟ وہ لغزش یہ تھی کہ ایک مسکین آدمی نے آپ سے استغاثہ کیا تھا کہ آپ مجھے فلاں ظالم کے ظلم سے بچالیں، آپ نے اس کی فریادرسی نہ کی، اور ظلم کا انسداد نہ کیا، تب اللہ تعالیٰ نے ان کو تکلیف میں مبتلا کیا۔"

امام احمدؒ بروایتِ ولید امام اوزاعیؒ سے نقل کرتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا:

﴿لاتنظر الی صغر الخطیئة ولکن انظر الی من عصیت﴾

یعنی "یہ مت خیال کرو کہ گناہ چھوٹا ہے، بلکہ اس ذات کا خیال کرو جس کی تم نے نافرمانی کی ہے۔"

فضیل بن عیاضؒ فرماتے ہیں کہ: "جس قدر کوئی گناہ تمہارے نزدیک چھوٹا سمجھا جاتا ہے۔ اسی قدر اللہ کے ہاں وہ بڑا سمجھا جاتا ہے، اور جس قدر وہ گناہ تمہارے نزدیک بڑا ہوگا اللہ کے ہاں اسی قدر چھوٹا سمجھا جاتا ہے۔" کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی کی، اے موسیٰ! سب سے پہلے میری مخلوق میں سے جس کو موت آئی وہ ابلیس تھا۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ سب سے پہلے اس نے نافرمانی کی، اور میں ایسے نافرمانوں کو مُردوں میں شمار کرتا ہوں۔" مسند اور جامع ترمذی میں حدیث ابی ھریرہؓ مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "مومن جب کوئی گناہ کرتا ہے تو اس کے دل پر ایک سیاہ نکتہ لگ جاتا ہے، اگر وہ توبہ

کرلے اور باز آجائے اور استغفار کرلے تو اس کا دل صاف کردیا جاتا ہے، اور اگر وہ گناہ میں برابر لگا رہے تو وہ نکتہ بڑھتا رہتا ہے، حتیٰ کہ اس کے تمام دل پر پھیل جاتا ہے۔ یہی وہ رین (زنگ) ہے جس کا خداوند کریم نے "كَلَّا بَـــــلْ رَانَ الخ" (المطففین:۱۴) میں ذکر کیا ہے۔" امام ترمذیؒ فرماتے ہیں: ھذا حدیث حسن صحیح"

حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں کہ جب آدمی کوئی گناہ کرتا ہے تو اس کے دل میں ایک سیاہ نکتہ پیدا ہوجاتا ہے حتی کہ اس کا دل مٹیالے رنگ بکری کی طرح ہوجاتا ہے۔" امام احمدؒ نے حدیث عبداللہ بن مسعودؓ ذکر کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: " قریش کی جماعت! تم منصب امامت کے اہل بنے رہو گے جب تک کہ تم اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہ کرو گے، اور جب تم نافرمانی کرنے لگو گے تو اللہ تعالیٰ تم پر ایسے لوگوں کو مسلط کرے گا جو تمہاری بے حرمتی کریں گے، جس طرح سے کہ اس چھڑی سے چھال اتار لی جائے، اس وقت آپؐ کے ہاتھ میں ایک چھڑی تھی جس کی آپ نے چھال اتار دی، اور وہ نیچے سے سفید اور ٹھوس نکل آئی، (اسی طرح یہ ظالم لوگ تمہاری پردہ دری کریں گے، چنانچہ پیشین گوئی پوری ہوگئی) امام احمد بن حنبلؒ نے وھبؒ سے روایت کیا ہے۔ انھوں نے فرمایا: " اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کی تعلیمات میں فرمایا ہے کہ جب میری اطاعت کی جاتی ۔۔تو میں راضی ہوتا ہوں، اور جب میں راضی ہوتا ہوں تو خیر و برکت نازل کرتا ہوں، اور میری خیر و برکت کی کوئی انتہاء نہیں، اور جب میری نافرمانی کی جاتی ہے تو میں ناراض ہوتا ہوں، اور جب میں ناراض ہوتا ہوں تو لعنت بھیجتا ہوں، اور میری لعنت ساتویں پشت تک اثر کرتی ہے۔" نیز بروایتِ عامر فرماتے ہیں کہ ام المؤمنین حضرت عائشہؓ نے امیر معاویہؓ کو لکھا: " بعد از صلوٰۃ واضح ہو کہ بندہ جب اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتا ہے تو لوگوں میں اس کو اچھا کہنے والے برا کہنے لگتے ہیں۔" ابو نعیمؒ ابودرداءؓ سے یہ کلمات نقل

کرتے ہیں: ''انسان کو چاہیئے کہ وہ اس بات سے بچتا رہے کہ مومنوں کے دل اس کی بے خبری میں اس پر لعنت بھیجتے رہیں، پھر خود ہی فرمایا: کیا تم جانتے ہو کہ میں نے یہ کلمات کیونکر کہے؟ سامعین نے کہا: نہیں، آپ نے فرمایا کہ انسان جب لوگوں سے چھپ کر گناہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ مومنوں کے دلوں میں اس کا بغض ڈال دیتے ہیں۔ جس کی اسے خبر تک نہیں ہوتی۔'' عبداللہ بن احمدؒ کتاب الزھد میں محمد بن سیرینؒ سے متعلق نقل کرتے ہیں کہ: ''جب وہ مقروض ہوگئے، تو بڑے پریشان ہوئے، اور فرمایا: اس غم کی وجہ وہی گناہ ہے جو چالیس سال پہلے مجھ سے سرزد ہوا تھا۔''

کبھی گناہ کا اثر جلدی ظاہر نہیں ہوتا:

یہاں ایک باریک نکتہ ہے جس کے سمجھنے میں اکثر لوگ غلطی کھاجایا کرتے ہیں۔ وہ یہ ہے کہ وہ گناہ کی فوری تاثیر کو محسوس نہیں کرتے، کیونکہ اس کی تاثیر ایک زمانہ کے بعد ظاہر ہوتی ہے، اور وہ اس مدت میں کردہ گناہ کو بھول چکے ہوتے ہیں اور یوں سمجھتے ہوں گے کہ آئندہ بھی اس گناہ کا کوئی اثر نہیں ہوگا، اور اپنا معاملہ شعر ذیل کے مطابق سمجھ لیتے ہیں۔

﴿إذالم يغبر حائط فى وقوعه فليس له بعد الوقوع غبار﴾

''جب دیوار سے گرتے وقت کوئی گردوغبار نہیں ظاہر ہوا تو اس کے گر چکنے کے بعد بھی گردوغبار نہیں ہوگا۔''

تعجب ہے! کس قدر لوگ اسی غلط فہمی سے ہلاک ہوئے؟ اور اللہ کی نعمتیں ان سے چھن گئیں؟ اور وہ موردِ عذاب بن گئے۔ جاہل تو جاہل، اچھے پڑھے لکھے اہل علم وفضل بھی اس غلط فہمی میں مبتلا دیکھے گئے ہیں۔ دراصل ان لوگوں کو ایک قسم کا دھوکہ لگ جاتا ہے اور یہ نہیں جانتے کہ ایک نہ ایک دن اس کا اثر ضروری ظاہر ہوکر

رہے گا۔ جیسے وہ زخم ایک نہ ایک دن پھوٹ نکلتا ہے جو بظاہر مندمل ہو جائے اور اس کے اندر فاسد مادہ باقی ہو۔ امام احمدؒ ابودرداءؓ سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کرو، گویا تم اسے دیکھتے ہو، اور خود کو مُردوں میں شمار کرو، اور جان لو کہ وہ قلیل مال جو تمہیں کافی ہو، اس کثیر سے بہت بہتر ہے جو تمہیں غافل کر دے، اور جان لو کہ نیکی پرانی نہیں ہو جاتی اور نہ گناہ فراموش کیا جا سکتا ہے۔'' کہا جاتا ہے کہ کسی عابد نے ایک حسین لڑکے کو دیکھا اور اس کے خدوخال کو پسند کیا، خواب میں اسے کہا گیا کہ چالیس سال کے بعد تم اس کا اثر ضرور محسوس کرو گے۔''

علاوہ ازیں گناہ کا ایک فوری اثر بھی ہوتا ہے، سلیمان تیمیؒ کہتے ہیں: ''آدمی چھپ کر رات کو گناہ کرتا ہے تو صبح ہونے پر اس کے چہرہ سے ذلت کے آثار ظاہر ہونے لگتے ہیں۔ یحیٰ بن معاذ الرازیؒ فرماتے ہیں: ''مجھے اس صاحبِ عقل وہوش شخص پر تعجب ہے جو اپنی دعا میں یوں کہتا ہے، اے اللہ! میرے دشمنوں کو مجھ پر نہ ہنسا، اس کے باوجود وہ خود دشمنوں کو اپنے اوپر ہنساتا ہے، لوگوں نے پوچھا: یہ کیسے؟ آپ نے فرمایا: اللہ کی نافرمانی کرنے سے، جس کی وجہ سے اس کے دشمن قیامت کے دن اس پر ہنسیں گے۔ حضرت ذوالنونؒ فرماتے ہیں

﴿من خان للّٰه في السر، هتك ستره في العلانية﴾

یعنی ''جو شخص چھپ کر اللہ کے حق میں خیانت کرتا ہے، اللہ تعالیٰ علانیہ طور پر اس کی پردہ دری کرتے ہیں۔''

گناہ کے چند بُرے نتائج ونقصانات:

گناہ کے قبیح اور برے آثار ونتائج جو روح وبدن کو دنیا وآخرت میں

ضرر ونقصان پہنچاتے ہیں وہ اس قدر ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا۔

☆ ان میں سے ایک حقیقی علم سے محروم ہونا ہے، کیونکہ علم ایک نور ہے جو اللہ کی طرف سے قلبِ مومن میں القاء کیا جاتا ہے، اور معصیت اس نور کو بجھا دیتی ہے، غور کیجئے! جب امام شافعیؒ امام مالکؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سبق پڑھا، تو امام مالکؒ اپنے شاگرد کی فطانت وذہانت دیکھ کر دنگ رہ گئے، اور فرمانے لگے: ''میں دیکھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے تیرے قلب میں نور کو القاء کیا ہے، لہٰذا احتیاط رکھنا، کہیں گناہ کی ظلمت سے بجھ نہ جائے۔'' امام شافعیؒ فرماتے ہیں:

شکوت الی وکیع سوء حفظی　　فارشد نی الی ترک المعاصی
وقال اعلم بانّ العلم فضل　　وفضل اللّٰہ لا یؤتاہ عاصی

''میں نے اپنے شیخ امام وکیعؒ سے حافظہ کی کمی کی شکایت کی، تو انھوں نے مجھے گناہوں کے چھوڑ دینے کی بابت ارشاد فرمایا، اور فرمایا کہ یقین جانو! علم اللہ تعالیٰ کا فضل واحسان ہے، اور گنہگار اس فضل کے اہل نہیں۔''

☆ گناہ کا ایک نقصان یہ ہے کہ رزق سے محرومی ہوجاتی ہے، جیسا کہ مسند میں مروی ہے: ''بندہ گناہ کی وجہ سے ملنے والے رزق سے محروم رکھا جاتا ہے۔''

جس طرح تقوی اختیار کرنا رزق کوانسان کی طرف کھینچ لاتا ہے اسی طرح تقوی ترک کرنا مفلسی اور تنگدستی کو کھینچ لاتا ہے، لہٰذا یاد رکھنا چاہیئے کہ ترکِ معاصی سے بڑھ کر اور کوئی چیز نہیں ہے جو حصولِ رزق کا ذریعہ ہو۔

☆ گناہ کا ایک ضرر یہ ہے کہ گنہگار اپنے دل میں اللہ تعالیٰ سے ایک طرح کی وحشت محسوس کرتا ہے۔

جس کا موازنہ دنیا کی کوئی لذت ونعمت نہیں کرسکتی ،اور یہ ایک ایسا امر ہے کہ

روحانی قلب کے سوا اسے کوئی محسوس نہیں کرسکتا، کیونکہ فاسق وفاجر کا قلب مردہ ہوتا ہے، اور مردہ زخم لگنے کا درد محسوس نہیں کرسکتا، پس اگر گناہوں کا چھوڑ دینا صرف مذکورہ وحشت سے بچنے کے لئے ضروری ہوتا اور اس وحشت کے علاوہ اور کوئی قباحت گناہ میں نہ ہوتی، تب بھی ایک ذی ہوش عقلمند گناہ کے چھوڑ دینے کوضروری خیال کرتا اور سمجھتا۔

کہتے ہیں کہ ایک شخص نے کسی عارف باللہ کے پاس وحشتِ قلب کی شکایت کی تو انھوں نے فرمایا:

اذا کنت قداوحشتك الذنوب فدعها اذا شئت واستأنس

یعنی ''جب گناہوں کے باعث تجھے اس طرح کی وحشت ستایا کرے تو تُو گناہوں کو ترک کردیا کر، اور انسیت حاصل کر۔''

یاد رکھنا چاہیے کہ قلب کے لئے کوئی چیز وحشتِ گناہ سے زیادہ تکلیف دہ نہیں ہوسکتی۔ فاللہ المستعان۔

☆ گناہ کا ایک برا اثر یہ بھی ہے کہ اس سے گنہگار اور دوسرے لوگوں خصوصاً نیک لوگوں کے درمیان ایک وحشت سی پیدا ہوجاتی ہے، کیونکہ ایسا شخص ہمیشہ اپنے تئیں ان سے متنفر پاتا ہے، اور جوں جوں یہ وحشت بڑھتی جاتی ہے۔ اہل خیرو صلاح سے دور سے دور اور ان کی برکات واستفادات سے محروم ہوتا جاتا ہے، اور شیاطین کے گروہ کے قریب تر ہوتا چلا جاتا ہے، یہ وحشت بالآخر اس قدر ترقی کرجاتی ہے کہ گناہ کرنے والے اور اس کی بیوی بچوں اور دیگر رشتہ داروں میں اپنا پورا پورا اثر ظاہر کرتی ہے، حتیٰ کہ یہ وحشت بڑھتے بڑھتے اس کو خود اپنی ذات سے متنفر کردیتی ہے۔ کسی بزرگ کا قول ہے: '' مجھ سے جب کوئی گناہ سرزد ہوتا ہے تو میں اس کا اثرِ وحشت اپنی بیوی اور سواری کے گھوڑے میں

محسوس کرتا ہوں۔''

☆ گناہ کا ایک وبال یہ ہوتا ہے کہ گنہگار آدمی پر اس کے امور دشوار ہوجاتے ہیں، چنانچہ وہ ہر امر کو مشکل اور ممتنع الحصول خیال کرتا ہے، بخلاف اس شخص کے جو تقویٰ کا پابند ہو اس کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمام مشکل سے مشکل امور بھی آسان کردیئے جاتے ہیں، لہٰذا جو شخص تقویٰ سے دستبردار ہوجاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس پر تمام امور دشوار بنادیتے ہیں۔ ایسے شخص کی حالت پر تعجب ہے جو خیر وسعادت کا دروازہ مسدود پاتا ہے اور اس کے بغیر کوئی چارہ نہیں دیکھتا۔

☆ گناہ کا ایک نقصان یہ ہے کہ وہ اپنے دل میں ظلمت محسوس کرتا ہے۔ شبِ تاریک کی ظلمت کی طرح، کیوں کہ گناہ کی تاریکی اس کے قلب پر اس طرح چھا جاتی ہے جس طرح آنکھوں کے سامنے شبِ تاریک کی تاریکی، وجہ اس کی یہ ہے کہ طاعت ایک نور ہے اور معصیت ظلمت، اور جس قدر ظلمت قوی ہوتی چلی جاتی ہے اسی قدر اس کی ظلمت بڑھتی چلی جاتی ہے، حتیٰ کہ وہ بدعت وضلالت اور دیگر مہلک امور میں گرفتار ہوجاتا ہے، اور وہ بے خبر ہوتا ہے، اور وہ بعینہٖ اس اندھے کی طرح ہوجاتا ہے جو شب تاریک میں اکیلا چلتا ہو۔ بالآخر یہ ظلمت اس قدر قوی ہوجاتی ہے کہ اس کا اثر آنکھوں میں ظاہر ہونے لگتا ہے، مزید قوی ہوتی ہے تو وہ چہرے پر چھا جاتی ہے، اور چہرہ سیاہ ہوجاتا ہے جسے ہر ایک دیکھ سکتا ہے۔ عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں۔ ''نیکی سے انسان کے چہرہ پر روشنی، دل میں نور، رزق میں وسعت وفراخی، بدن میں قوت اور لوگوں کے دلوں میں اس کی محبت پیدا ہوتی ہے، اور گناہ سے چہرہ پر سیاہی، دل میں تاریکی، بدن میں کمزوری، رزق میں کمی اور لوگوں کے دلوں میں اس کی عداوت وبغض جاگزیں ہوتی ہے۔''

☆ ایک نقصان یہ ہے کہ گناہ انسان کے قلب و بدن کو سست کر دیتا ہے۔ قلب کی سستی تو بالکل ظاہر ہے، کیونکہ رفتہ رفتہ اس کی روحانیت بالکلیہ زائل ہو جاتی ہے، اور بدن کی سستی کی وجہ یہ ہے کہ مومن کو قلب سے قوت حاصل ہوتی ہے، اور جس قدر قلب قوی ہوتا ہے۔ اسی قدر اس کا بدن بھی قوی ہوتا ہے، فاسق اور فاجر آدمی کا بدن اگرچہ بظاہر قوی نظر آتا ہے مگر بوقت ضرورت اس کا ضعف بالکل ظاہر ہو جاتا ہے اور وہ قوت اس کی یاوری نہیں کرتی۔

غور کرو! اہلِ فارس اور اہل روم کو ان کی بدنی قوت نے بوقت ضرورت کام نہ دیا، اور اہل ایمان محض ایمانی قوت سے ان پر غالب آ گئے۔"

☆ ایک بڑا نقصان طاعت سے محرومی یعنی گناہ کرنے والا شخص طاعت وعبادت کی سعادت سے محروم رہتا ہے، بالفرض اگر گناہ کی سزا صرف یہ ہوتی کہ وہ عبادت سے روک دیتا ہے جس سے آہستہ آہستہ وہ تمام عبادات سے دستبردار ہو جاتا ہے جو اس کے لئے دنیا و مافیھا سے کہیں بڑھ کر تھیں (تو عقلمند کبھی بھی گناہ کی جرأت نہ کرتا) اس کی مثال بالکل ایسی ہے کہ ایک شخص غذا میں بے اعتدالی کی وجہ سے بیمار ہو کر آئندہ ہر قسم کے عمدہ کھانوں سے محروم ہو جائے۔ واللہ المستعان۔

عمر کا کم اور زیادہ ہونا:

☆ معصیت اور گناہ عمر کو کم کر دیتا ہے اور عمر کی برکت کو زائل کر دیتا ہے، کیونکہ جس طرح نیکی عمر کو بڑھاتی ہے، اسی طرح بدی اس کو کم کر دیتی ہے۔

اس مقام پر محققین کا اختلاف ہے، بعض تو یہ کہتے ہیں کہ عمر کے کم ہونے سے مراد یہ ہے کہ اس کی عمر سے آثارِ خیر و برکت زائل ہو جاتے ہیں، اور یہی حق ہے، اور یہ عمل تاثیر گناہ کا ایک شمہ ہے، اور بعض کہتے ہیں کہ حقیقۃً مدت عمر کم ہو جاتی ہے۔

جیسے رزق میں کمی ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے رزق میں برکت پیدا کرنے کے لئے اسباب قائم کردیئے ہیں جو اس کو بڑھاتے ہیں، اور عمر میں برکت پیدا کرنے کے لئے بھی ایسے اسباب قائم کردیئے ہیں جو اس میں اضافہ کرتے ہیں، وہ یہی کہتے ہیں کہ عمر کا اسباب کے ذریعہ زیادہ ہونا کوئی ممنوع امر نہیں جس طرح کہ عمر اسباب کے ذریعہ کم ہوجاتی ہے، اس لئے رزق، عمر، سعادت، شقاوت، صحت، مرض، مالداری اور فقیری وغیرہ امور اگرچہ اللہ تعالیٰ کی قضا وقدر سے جاری ہوتے ہیں، مگر اس نے اپنی حکمت کاملہ سے ان امور کے لئے مناسب اسباب مقرر کردیئے ہیں۔ اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ گناہ کی تاثیر عمر کے کم کرنے مس یوں ظاہر ہوتی ہے کہ گناہ کرنے والے شخص کے ہاتھ سے حقیقی زندگی یعنی روحانی زندگی جاتی رہتی ہے، یہی وجہ ہے کہ کافر کو میت یعنی مردہ قرار دیا گیا ہے، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اَمْوَاتٌ غَيْرُ اَحْيَاءٍ﴾

یعنی ''وہ کافر مردے ہیں زندے نہیں ہیں۔'' (النحل:۲۱)

کیونکہ حقیقی زندگی، روحانی وقلبی حیات کا نام ہے، اور انسان کی عمر سے مراد اس کی مدتِ حیات ہے، لہٰذا اس کی عمر انہی اوقات میں مفید ہوگی جن میں وہ اللہ کے ساتھ وابستہ رہا، انھی اوقات کو اس کی عمر کی ساعات کہنا زیبا ومناسب ہے، پس نیکی، تقوی اور طاعت ان اوقات کو جو حقیقۃً اس شخص کے اوقات عمر میں زیادہ کرتے ہیں اور ان کے سوا دوسرے اوقات اس کی مدت عمر میں محسوب نہیں ہوتے۔

حاصل یہ ہے کہ بندہ جب اللہ تعالیٰ سے منہ پھیر لیتا ہے، اور گناہوں میں پڑ جاتا ہے تو اس کی حقیقی زندگانی کے ایام رائیگاں جاتے ہیں جن پر قیامت کو حسرت کرتے ہوئے یوں کہے گا:

﴿يٰلَيْتَنِيْ قَدَّمْتُ لِحَيَاتِيْ﴾ (الفجر:۲۴)

"یعنی اے کاش! میں اپنی حیات کے لئے نیک اعمال بجالایا ہوتا۔"

بہر حال انسان کو یا تو دینی اور دنیوی امور کی طرف توجہ کرنے کا کچھ بھی موقع نہیں ملا یا اس نے کسی قدر اس طرف توجہ کی ہے، پہلی صورت میں گویا اس نے اپنی عمر کو بالکل ضائع کردیا، اور دوسری صورت میں جس قدر اس کو دنیوی امور میں مشغولیت کا موقع ملا ہوگا۔ اسی قدر اسباب خیر کا حصول اس کے لئے دشوار ہوگا۔ وہ مشاغل طریقِ سعادت میں اس کے لئے رکاوٹیں پیدا کریں گے، اور یہ اس کی عمر کا حقیقی اور واقعی نقصان ہے، الغرض انسان کی عمر سے مراد اس کی مدت حیات ہے، اور اس کے سوا اس کی کوئی حیات نہیں کہ وہ اپنے رب اور مولیٰ کی طرف توجہ کرے، اور اس کی محبت اور رضامندی کو اپنی عمر کا مقصودِ حقیقی سمجھ کر تمام چیزوں پر ترجیح وفوقیت دے۔

ایک گناہ دوسرے گناہ کا ذریعہ بنتا ہے:

☆ ایک گناہ دوسرے گناہ کا بیج بوتا ہے، اور بعض گناہ بعض کا باعث بنتے ہیں، حتی کہ انسان کے لئے ان سے علیحدہ اور جدا ہونا دشوار ہوجاتا ہے، چنانچہ کسی بزرگ کا قول ہے: "گناہ کا ایک عذاب یہ ہے کہ وہ ایک دوسرے گناہ کا سبب بنتا ہے، اور نیکی کا ایک ثواب یہ ہے کہ وہ ایک دوسری نیکی کا ذریعہ بنتی ہے۔" کیونکہ انسان جب ایک نیکی کرتا ہے تو فوراً دوسری نیکی کہتی ہے کہ مجھے بھی کرلو (یعنی دوسری نیکی کی ہدایت مل جاتی ہے) جب وہ اس کو بھی کرلیتا ہے تو اسے ایک اور نیکی کی ہدایت ہوجاتی ہے، علی ھذا القیاس اس کی نیکیاں بڑھتی چلی جاتی ہیں، یہی حال گناہ کا ہے کہ ایک گناہ دوسرے گناہ کو کھینچتا ہے، حتی کہ نیکی اور گناہ رفتہ رفتہ اس کی نفس میں ہیئتِ راسخہ، صفتِ لازمہ اور ملکۂ ثانیہ کی

طرح قائم ہوجاتے ہیں، اس کے بعد اگر کوئی نیکو کار نیک کاری چھوڑ دے تو اس کی جان تنگ ہوجاتی ہے اور وہ اپنے دل میں اس طرح مضطرب اور بے چین ہوتا ہے جس طرح مچھلی پانی سے علیحدہ ہوکر مضطرب ہوتی ہے جب تک وہ نیکی کرنہیں لیتا اسے سکون وآرام نہیں ملتا، اسی طرح اگر کوئی گنہگار آدمی گناہ چھوڑ دے تو اس کی جان عذاب میں پڑجاتی ہے، سینہ تنگ ہونے لگتا ہے، اور اسے کوئی راہِ فرار نہیں سوجھتی، جب تک وہ اپنی عادت کو پورا نہیں کرلیتا اسے سکھ اور چین نہیں آتا۔ چنانچہ بہت سے فاسقوں کو دیکھا گیا ہے کہ وہ اپنی اس عادت کو پورا کئے بغیر نہیں رہ سکتے، خواہ انھیں اس میں کچھ لذت حاصل نہ ہو، اس کا سبب سوائے اس کے اور کچھ نہیں ہے کہ وہ اس مذموم عادت کو ترک کرنے پر تکلیف محسوس کرتے ہیں۔ اسی بات کو شیخ القوم حسن بن ھانیؒ نے اس شعر میں یوں ادا کیا ہے:

﴿وكأسٍ شربت على لذة　　　　واخرى تداويت منها بها﴾

"بسا اوقات میں خوب مزے لے لے کر ایک جامِ شراب پیتا ہوں اور دوسرا جام محض خمار دور کرنے کی غرض سے استعمال کرتا ہوں۔"

اسی طرح کسی کا قول ہے:

﴿وكانت دوائى، وهى دائى بعينه　　　　كمايتداوى شارب الخمر بالخمر﴾

"میری دوا بعینہٖ میرا مرض ہے، جس طرح مے خوار شراب ہی سے اپنی تکلیف دور کرتا ہے۔"

انسان ہمیشہ نیکی کرنے کے لئے تکلیف اٹھاتا رہتا ہے، اس کو پسند کرتا ہے اور دیگر امور پر اسے ترجیح دیتا رہتا ہے تا آنکہ رفتہ رفتہ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنی رحمتِ کاملہ سے اس پر ملائکہ کا نزول فرماتے ہیں جو اس کو نیکی کی طرف آمادہ کرتے ہیں اور

اس کو خوابِ استراحت سے دور اور علیحدہ کرتے ہیں (یعنی نیکی کرنا اس کے لئے سہل ہوجاتا ہے) اسی طرح انسان گناہوں کو دوست اور پسند رکھتا رہتا ہے تاآنکہ اللہ تعالیٰ شیاطین کو اس پر مسلط کردیتا ہے جو اسے گناہ پر ابھارتے رہتے ہیں۔ پہلا تو اپنے لئے نیکی کے مددگار پیدا کرتا ہے اور دوسرا اس کے برخلاف اپنے لئے گناہ کے معاون مہیا کرتا ہے۔

گناہ نیکی کے ارادہ کو کمزور کردیتا ہے:

☆ گناہ کا سب سے زیادہ خوفناک نتیجہ یہ ہے کہ گنہگار کا قلب آہستہ آہستہ گناہ کے ارادہ میں قوی اور توبہ کے ارادہ میں کمزور ہوتا جاتا ہے، حتیٰ کہ توبہ کے ارادہ سے بالکلیہ دور ہوجاتا ہے، اگر اسی حالت میں مرجائے تو بلاتوبہ مرجاتا ہے۔ جھوٹا آدمی اکثر زبان سے توبہ کیا کرتا ہے، اس کا دل برابر گناہ سے وابستہ رہتا ہے جب موقع پاتا ہے فوراً کرگزرتا ہے۔ یہ ایک عظیم اور مہلک مرض ہے۔

فصل

گناہ سے محبت اور لگاو:

☆ گناہ کی ایک نحوست یہ ہے کہ دل سے گناہ کی قباحت کا خیال بالکل دور ہوجاتا ہے، اور یہ گناہ اس کی عادت بن جاتا ہے، وہ اس کو برا نہیں سمجھتا کہ لوگ اس کو گناہ کرتا دیکھتے یا اسے برا کہتے ہیں، اہل فسق وفجور اس حالت کو اپنے لئے باعثِ لذت ومسرت خیال کرتے ہیں، حتیٰ کہ بعض فساق اپنے گناہوں پر اظہارِ فخر کیا کرتے ہیں، اور جنہیں ان کے فعل کا علم نہیں ہوتا انھیں کہا کرتے ہیں کہ اے فلاں! میں نے آج یہ کام کیا وہ کام کیا۔ اس قسم کے لوگ ناقابلِ

معافی ہوتے ہیں، ان پر توبہ کی راہ بالکل مسدود ہو جاتی ہے، چنانچہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''تمام لوگ قابلِ معافی ہیں، مگر وہ لوگ جو کھلم کھلا علانیہ طور پر گناہ کرتے ہیں، اور یہ بات بھی کھلم کھلا گناہ کرنے میں داخل ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی کے گناہ پر پردہ ڈالے اور وہ خود کو اپنی زبان سے رسوا کرنے لگے، اور یوں کہے آج ہم نے یہ کیا، وہ کیا، سو ایسا شخص خود اپنی پردہ دری کرتا ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اس کی پردہ پوشی کی تھی۔''[1]

گناہ گزشتہ قوموں کی میراث ہے:

☆ ہر گناہ گزشتہ امتوں اور قوموں میں سے کسی نہ کسی امت وقوم کی میراث اور بقیہ سمجھا جاتا ہے۔ جن پر اس گناہ کی وجہ سے عذابِ الٰہی نازل ہوا، مثلاً لواطت قومِ لوط کی، اپنا مال زیادہ ماپ تول سے لینا اور دوسرے کا حق ناقص ماپ تول سے ادا کرنا، قومِ شعیب کی، فتنہ وفساد قومِ فرعون کی، ظلم وتکبر قومِ ہود کی میراث اور یادگاریں سمجھی جاتی ہیں، لہٰذا جو شخص ان گناہوں میں سے جو گناہ اختیار کرتا ہے وہ اسی امت کی روش اختیار کرتا ہے، جو اعداء اللہ کی جماعت قرار پا کر مستحق عذاب ہوئی۔ عبداللہ بن احمدؒ کتاب الزھد میں مالک بن دینارؒ سے روایت کرتے ہیں کہ: ''اللہ تعالیٰ نے انبیائے بنی اسرائیل میں سے ایک نبی کی طرف یہ وحی نازل کی کہ تم اپنی قوم کو کہدو کہ تم اعداء اللہ کے پاس نہ جاؤ، ان کے لباس مت پہنو، ان کی سواریوں پر مت سوار ہو اور ان کا کھانا مت کھاؤ، ورنہ تم بھی ان کی طرح میرے دشمن ہو جاؤ گے۔''

مسند امام احمدؒ میں حدیث عبداللہ بن عمرؓ مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''میں تا قیامِ قیامت تلوار دے کر مبعوث ہوا ہوں۔ (تا کہ

---

[1] صحیح البخاری (۱۰/۶۰۶ ۹۶۔ فتح الباری)

اس وقت تک جہاد کروں) کہ لوگ خدائے وحدہٗ لاشریک کی عبادت کرنے لگیں، اور اللہ تعالیٰ نے میرا رزق میرے نیزے کے سایہ تلے کردیا ہے، اور میرے حکم کی مخالفت کرنے والے کے مقدر میں ذلت ورسوائی رکھ دی ہے، جو شخص کسی امر میں جس قوم کے ساتھ مشابہت اختیار کرتا ہے وہ ان ہی میں سے ایک ہوتا ہے۔[1]

☆ گناہ کا ایک برا اثر یہ بھی ہے کہ گناہ انسان کے لئے اللہ کے حضور موجبِ ذلت ہوجاتا ہے، اللہ کی نظرِ رحمت سے گرادیتا ہے، حسن بصریؒ فرماتے ہیں: "لوگ اللہ کی نظروں میں ذلیل ہوگئے، اور اس کی نافرمانی کرنے لگے، اگر اس کی نظروں میں عزیز ہوتے تو انھیں گناہوں سے بچالیتا۔"

قاعدہ یہ ہے کہ جب کوئی شخص اللہ کے نزدیک ذلیل ہوجاتا ہے تو کوئی اس کی عزت نہیں کرتا، چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَمَنْ يُّهِنِ اللّٰهُ فَمَالَهٗ مِنْ مُّكْرِمٍ﴾

یعنی "جس کو اللہ تعالیٰ ذلیل کرتا ہے پھر کوئی اس کی عزت نہیں کرتا۔" (الحج:۱۸)

ایسے شخص کی اگرچہ لوگ بظاہر اپنی حاجات یا اس کی خوشامدی کی وجہ سے تعظیم کرتے ہوں لیکن ان کے دلوں میں وہ نہایت ہی حقیر اور ذلیل سمجھا جاتا ہے۔

گناہ کو معمولی سمجھنا:

☆ گناہ کا ایک نقصان یہ ہے کہ آدمی گناہ کرتے کرتے اس درجہ تک پہنچ جاتا ہے کہ وہ گناہ اس کی نظروں میں ایک حقیر اور معمولی محسوس ہونے لگتا ہے۔ جس کی

[1] احمد، ابو یعلی وطبرانی

وہ مطلقاً پرواہ نہیں کرتا، یہ اس کی ہلاکت کی علامت ہے، کیونکہ گناہ جس قدر آدمی کی نظروں میں معمولی معلوم ہوتا ہے اسی قدر اللہ کے نزدیک غیر معمولی اور بڑا سمجھا جاتا ہے۔ صحیح بخاری میں ابن مسعودؓ سے منقول ہے، وہ فرماتے ہیں۔ ''مومن آدمی گناہ کو یوں خیال کرتا ہے گویا وہ پہاڑ کی تہہ کے نیچے ہے ڈرتا ہے کہ کہیں وہ پہاڑ اس پر آ نہ پڑے، اور فاجر آدمی اپنے گناہ کو یوں سمجھتا ہے جیسے ایک مکھی، جو اس کی ناک پر بیٹھ گئی ہو اور وہ اپنے ہاتھ کی معمولی حرکت سے اُڑا دے۔''

گناہوں کی نحوست:

☆ گناہ کرنے والے کے گناہ کی شامت ونحوست دوسرے لوگوں اور جانوروں پر بھی آتی ہے۔ جس کی وجہ سے وہ خود اور دوسرے جل مرجاتے ہیں۔ ابوھریرہؓ فرماتے ہیں کہ: ''ظالم آدمی کے ظلم کی وجہ سے سرخاب اپنے آشیانہ میں مرجاتا ہے۔''

مجاہدؒ فرماتے ہیں: ''جب قحط پڑ جاتا ہے اور بارانِ رحمت نازل نہیں ہوتی تو بہائم (جانور) نافرمان لوگوں پر لعنت بھیجا کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ مصیبت ابن آدم کی معصیت کی نحوست کے سبب نازل ہوئی ہے۔'' عکرمہؒ فرماتے ہیں، ''زمین کے چوپائے، حشرات اور گبریلے اور بچھو بھی یوں کہتے ہیں کہ اولادِ آدم کے گناہوں کی وجہ سے ہم بارانِ رحمت سے محروم کردیئے گئے ہیں۔'' گناہ کا اس سے بڑھ کر کیا عذاب ہوگا کہ بے گناہ چیزیں بھی اس پر لعنت بھیجیں۔''

گناہ انسان کے لئے باعثِ ذلت ہے:

☆ گناہ انسان کے لئے یقیناً موجبِ ذلت ہے، کیونکہ کامل عزت اللہ تعالیٰ کی

اطاعت ہی میں ہے، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعِزَّةَ فَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ جَمِيْعًا﴾ (فاطر:۱۰)

یعنی ''جو شخص عزت کا خواستگار ہے، اسے چاہئیے کہ اللہ کی اطاعت میں اسے تلاش کرے۔''

کیونکہ عزت صرف اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہی میں منحصر ہے، اسلاف سے منقول ہے کہ وہ دعا میں فرمایا کرتے تھے۔

﴿اَللّٰهُمَّ اَعِزَّنِیْ بِطَاعَتِكَ، وَلَاتُذِلَّنِیْ بِمَعْصِیَتِكَ﴾

یعنی ''اے اللہ! مجھے اپنی اطاعت میں لگا کر عزت بخش اور گناہ کی ذلت سے بچالے۔''

حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ''گناہ کرنے والے لوگوں کے نیچے اگرچہ خچر (سواریاں) عمدہ چالیں چلیں، اور ترکی گھوڑے ان کے نیچے عمدہ رفتار سے چلیں مگر گناہ کی ذلت ان سے کبھی جدا نہیں ہوسکتی کیونکہ اللہ گنہگار کو ذلیل کئے بغیر نہیں چھوڑتا۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

رأیت الذنوب تمیت القلوب ۔۔۔ وقد یورث الذل ادمانها

وترك الذنوب حیاة القلوب ۔۔۔ وخیر لنفسك عصیانها

وهل افسد الدین الا الملوك ۔۔۔ وأحبار سوء ورهبانها

''میں نے جان لیا کہ گناہ دلوں کو مردہ بنادیتا ہے، اور گناہ پر اصرار موجبِ ذلت ہے، اور گناہ کو چھوڑ دینا دلوں کے لئے موجبِ حیات ہے، اور ان سے برطرفی تیرے لئے بہتر ہے، اور دین کو صرف سلاطینِ دینا، بدعمل علماء اور جاہل تارک الدنیا ہی نے بگاڑا ہے۔''

گناہ عقل کو فاسد کردیتا ہے:

☆ گناہ کا ایک عظیم نقصان یہ ہے کہ اس سے عقل فاسد ہوجاتی ہے، کیونکہ عقل ایک نور ہے، اور گناہ اس کو بجھا دیتا ہے، جب اس کا نور بجھ گیا تو ظاہر ہے کہ وہ عقل کمزور اور ناقص ہوجائے گی۔ کسی بزرگ کا قول ہے: ''آدمی اسی وقت گناہ کرتا ہے جب اس کی عقل اس سے غائب ہوتی ہے۔ اور یہ بالکل واضح ہے کیونکہ اگر اس کی عقل اس کے ساتھ ہوتی تو اس کو گناہ سے روکتی حالانکہ وہ شخص اللہ تعالیٰ کے قبضہ قدرت اور اس کے زیرِ قہر ہوتا ہے، اور وہ اس کے اعمال سے باخبر ہوتا ہے، اور ہر وقت اس کے زیرِ نظر رہتا ہے، اور اس کے ملائکہ اسے دیکھ رہے ہوتے ہیں۔ قرآن، ایمان، موت اور جہنم پوری قوت سے اس کو روکتے ہیں، اور وہ اس بات کو نہیں سمجھتا کہ گناہ کے ارتکاب میں وہ جس لذت وسرور کو حاصل کرتا ہے اس کی حقیقت اس دینی ودنیوی خیروبرکات کے مقابلہ میں جو گناہ کرنے سے زائل ہوجاتی ہے، کچھ بھی نہیں، بھلا ایسی حالت میں کیا کوئی عقلِ سلیم رکھنے والا شخص گناہ کو محض سرسری خیال کرکے اس کا ارتکاب کرسکتا ہے؟

☆ گناہ کا ایک نقصان یہ بھی ہے کہ گناہ کرتے کرتے انسان کا دل زنگ آلود ہوجاتا ہے، بالآخر وہ بالکل غافل ہوجاتا ہے، جیسے بعض سلف سے مروی ہے کہ ﴿بَلْ رَانَ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ مَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ﴾ (المطففین:۱۴) میں ''رَانَ'' سے مراد گناہ پر گناہ کرنا ہے۔ حسن بھی یہی فرماتے ہیں کہ یہاں گناہ پر گناہ مراد ہے، جس سے آخر کار دل اندھا ہوجاتا ہے، دوسرے بزرگ فرماتے ہیں کہ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ جب ان کے گناہ زیادہ ہوگئے تو وہ ان کے دلوں پر محیط ہوگئے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ قلب گناہ سے زنگ آلود ہوجاتے ہیں، اور جب گناہ زیادہ ہوتے چلے جاتے ہیں تو زنگ غالب ہوجاتا ہے حتیٰ

کہ رَین بن کر بتدریج طَبع، قُفل اور ختم تک نوبت پہنچ جاتی ہے، حتیٰ کہ دل پر ایک طرح کا پردہ اور غلاف چڑھ جاتا ہے۔ اگر یہ حالت ہدایت اور بصیرت کے بعد پیدا ہو تو صورت برعکس ہو جاتی ہے، تب اس کا دشمن (شیطان) اس پر غالب آکر اس کو جس طرف چاہتا ہے چلاتا ہے۔

گناہ انسان کو ملعون بنا دیتا ہے:

☆ گناہ کا ایک زبردست نقصان یہ بھی ہے کہ اس سے انسان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لعنت کا مستحق بنا دیتا ہے، کیونکہ حضور علیہ السلام نے بعض صغیرہ گناہ کرنے والے شخص پر لعنت بھیجی ہے، اس لئے کبیر گناہ بدرجۂ اولیٰ قابلِ لعنت ہوں گے۔ مثلاً بزبانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم شریعتِ مطہرہ میں مندرجہ ذیل لوگوں پر لعنت کی گئی ہے:

وَاشِمہ: یعنی وہ عورت جو بدن کو گود کر نقش ونگار کے لئے نیل بھرے۔

مستوشمہ: یعنی وہ عورت جو دوسری عورت سے بدن گودنے کا کہے۔

واصلہ: یعنی وہ عورت جو مصنوعی طور پر اپنے بالوں سے دوسرے کے بال خوبصورتی کے لئے جوڑے۔

مستوصلہ: یعنی وہ عورت جو یہ کام کرائے۔

واشرہ: یعنی وہ عورت جو مصنوعی طور پر دانتوں کو تیز باریک بنائے۔

مستوشرہ: یعنی وہ عورت جو مصنوعی طور پر دانتوں کو باریک کرنے کا دوسری عورت کو کہے۔

نامصہ: یعنی وہ عورت جو اپنے چہرہ کے بال اکھاڑ ڈالے۔

متنمصہ: جو عورت اس کام کا دوسری عورت سے کہے۔

سود: لینے والا، دینے والا، اس کا لکھنے والا، اس کا گواہ بننے والا۔

محلل اور محلل لہ: یعنی حلالہ کرنے والا، اور جس کے لئے حلالہ کیا گیا ہو۔

سارق: چوری کرنے والا۔

شارب الخمر: شراب پینے والا، شراب نچوڑنے والا، اور یہ کام کرانے والا، شراب بیچنے والا، شراب خریدنے والا، شراب کی قیمت استعمال کرنے والا، شراب منتقل کرنے والا، اور وہ شخص جس کو پہنچائی جائے۔ وہ شخص جو کسی اراضی کے حدود ونشانات کو بدل ڈالے۔ وہ شخص جو اپنے والدین پر لعنت بھیجتا ہے۔ وہ شخص جو کسی جاندار چیز کو تیر آموزی کے لئے نشانہ بنائے۔ وہ شخص جو خود کو مخنث بنائے۔ وہ عورتیں جو خود کو مردوں کی وضع میں ظاہر کریں۔ وہ شخص جو غیر اللہ کے لئے کسی جانور کو ذبح کرے۔ وہ شخص جو کسی بدعتی کو جگہ دے اور جو بدعت ایجاد کرے۔ وہ شخص جو تصویر کشی کرتا ہے۔ وہ شخص جو لواطت کرتا ہے۔ وہ شخص جو والدین کو گالیاں دیتا ہے۔ وہ شخص جو کسی نابینا کو راہ چلتے بے راہ کرے۔ وہ شخص جو کسی چوپائے سے وطی کرے۔ وہ شخص جو کسی چوپائے کے چہرہ پر نشان لگائے۔ وہ شخص جو کسی مسلمان کو نقصان پہنچائے یا اس کو دھوکہ دے۔ وہ عورتیں جو قبروں کی زیارت کرتی ہیں۔ وہ لوگ جو قبور پر مسجد بناتے ہیں اور چراغ جلاتے ہیں۔ وہ شخص جو کسی کی بیوی کو اس کے خاوند سے یا کسی غلام کو اس کے آقا سے بہکائیں۔ وہ شخص جو عورت کی دبر میں وطی کرے۔ وہ عورت جو مرد کی خواہش پر اس سے ہم بستر نہ ہو اور علیحدہ رات گزارے، ایسی عورت پر ملائکہ صبح وشام لعنت بھیجتے رہتے ہیں۔ وہ شخص جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو گالیاں دیتا ہے۔ وہ شخص جو اپنا نسب بدلتا ہے۔ وہ شخص جو اپنے مسلمان بھائی کو کسی ہتھیار سے اشارہ کرے، ملائکہ اس پر لعنت بھیجتے ہیں۔ وہ شخص جو زمین میں کسی قسم کا فساد برپا کرتا ہے

اور قطع رحمی کرتا ہے یا اذیت پہنچاتا ہے۔ وہ شخص جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت پہنچاتا ہے۔ وہ شخص جو احکاماتِ قرآنیہ کو چھپاتا ہے۔ وہ لوگ جو پاکدامن عورتوں کو زنا کی تہمت لگاتے ہیں۔ وہ شخص جو کافر کے راستہ کو مسلمان کے راستہ سے زیادہ ہدایت والا سمجھتا ہے۔ وہ مرد جو عورت کا سا لباس پہنے۔ وہ عورت جو مرد کا سا لباس پہنے۔ وہ شخص جو رشوت لے، رشوت دے اور رشوت دلائے۔ ان لوگوں کے علاوہ اور بھی لوگ قابلِ لعنت قرار دیئے گئے ہیں۔ اگر بالفرض مذکورہ امور میں اس کے سوا اور کوئی قباحت نہ ہوتی کہ ان کا کرنے والا اللہ اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ملائکہ کی طرف سے مستحقِ لعنت بنتا ہے تب بھی ان کے ارتکاب پر کبھی اقدام نہ کرتا۔"

دعائے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محرومی:

☆ گناہ کا ایک نقصان یہ ہے کہ گناہ کرنے والا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور فرشتوں کی دعا سے محروم رہتا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مومن مردوں اور مومن عورتوں کے لئے طلبِ مغفرت کا حکم دیا ہے، دعائے ملائکہ کے بارے میں قرآنِ کریم میں یوں آیا ہے:

﴿اَلَّذِیْنَ یَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهٗ یُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَیَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَیْءٍ رَّحْمَةً وَّعِلْمًا فَاغْفِرْ لِلَّذِیْنَ تَابُوْا وَاتَّبَعُوْا سَبِیْلَكَ وَقِهِمْ عَذَابَ الْجَحِیْمِ۔ رَبَّنَا وَاَدْخِلْهُمْ جَنّٰتِ عَدْنِ نِ الَّتِیْ وَعَدْتَّهُمْ وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَاَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّیّٰتِهِمْ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ الخ﴾ (غافر:۷-۹)

''وہ ملائکہ جو عرش اٹھائے ہوئے ہیں اور جو اس کے اردگرد ہیں اپنے پروردگار کی حمد کے ساتھ تسبیح بیان کرتے ہیں، اس پر ایمان رکھتے ہیں، اور ایمان والوں کے لئے بایں الفاظ دعائے مغفرت طلب کرتے ہیں کہ پروردگار! تو اپنی رحمت وعلم سے تمام اشیاء کو گھیرے ہوئے ہے، پس تو ان لوگوں کو بخش دے جو تیری طرف رجوع کرتے اور تیرے راستہ کی پیروی کرتے ہیں، اور ان کو عذابِ دوزخ سے بچالے۔ پروردگار! ان کو ان جناتِ عدن میں داخل فرما جن کا تو نے ان سے وعدہ کر رکھا ہے، نیز ان کے آباء واجداد اور ازواج واولاد میں سے جو نیک ہیں، کیونکہ تو عزت والا، حکمت والا ہے۔''

یہ ملائکہ کی دُعا ان ایمان والوں کے لئے ہے جو کتاب اور سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرتے ہیں، جنہیں اس کے سوا اور کوئی بھی بہتر طریق نظر نہیں آتا، لہٰذا ان کے علاوہ دوسرے لوگوں کو اس وقت تک اس دعا کے استحقاق کی ہرگز امید وتوقع نہیں رکھنی چاہئے جب تک کہ وہ ایسے اشخاص کی صفات سے متصف نہ ہوجائیں۔ واللہ المستعان۔

گناہوں پر چند سزاؤں کا ذکر:

☆ گناہوں کی ایک سزا وہ ہے جس کا صحیح بخاری میں بروایت سمرہ بن جندبؓ ذکر آیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اکثر صحابہؓ سے فرمایا کرتے تھے کہ گزشتہ شب تم میں سے کسی نے کوئی خواب دیکھا ہے؟ اگر کسی نے دیکھا ہوتا تو وہ آپ

سے عرض کر دیتا۔ ایک دفعہ آپؐ نے یوں ارشاد فرمایا کہ رات دو آنے والے میرے پاس آئے، انہوں نے مجھے بیدار کیا اور مجھے کہنے لگے کہ چلو! میں ان کے ساتھ چلنے لگا۔ ایک لیٹے ہوئے آدمی کے پاس سے ہمارا گزر ہوا جس کے سر پر دوسرا آدمی پتھر لئے کھڑا تھا جو اس کے سر پر پتھر مارتا جس سے اس کا سر توڑ دیا جاتا پھر وہ پتھر لڑھک جاتا، پھر وہ دوبارہ پتھر ہاتھ میں لیتا، اتنے عرصہ میں اس کا سر اپنی اصلی حالت میں واپس آجاتا، پھر وہ اپنا کام پہلی کی طرح شروع کر دیتا، میں نے ان سے پوچھا کہ سبحان اللہ! یہ دونوں شخص کون ہے؟ مجھے کہنے لگے کہ چلو آگے چلو، ہم چل پڑے۔ ایک شخص کے پاس سے ہمارا گزر ہوا جو چت لیٹا ہوا تھا اور دوسرا اس کے سر پر ایک لوہے کی کھنڈی لئے کھڑا تھا اور اس کی ایک جانب متوجہ ہوجاتا اور اس کی باچھوں، ناک کے نتھنوں اور آنکھوں کو اس کی گردن کی گدی تک چیر ڈالتا، پھر اس کی دوسری جانب متوجہ ہوکر اس کے ساتھ بھی ویسا ہی کرتا جیسے پہلی جانب کیا تھا، جونہی ایک جانب سے فارغ ہوتا دوسری جانب درست ہوجاتی اور پھر ویسا ہی کرنا شروع کر دیتا، میں نے پوچھا سبحان اللہ! یہ دونوں شخص کون ہیں؟ وہ کہنے لگے چلو آگے چلو۔ ہم چل پڑے۔ آگے چل کر ایک تنور کی شکل کا گڑھا دیکھا جس میں شوروغل سنائی دیتا تھا، ہم نے جھانک کر دیکھا تو اس میں ننگے مرد اور ننگی عورتیں تھیں اور ان کی نچلی جانب سے آگ کے شعلے ان تک پہنچتے تھے۔ جب آگ کا شعلہ ان تک پہنچتا تو وہ چیخ وپکار کرتے اور شور مچاتے، میں نے پوچھا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ انھوں نے کہا کہ آگے چلو، چنانچہ ہم آگے چلے، اور ایک نہر پر پہنچے جو خون کی طرح سرخ تھی، کیا دیکھتے ہیں کہ اس میں ایک آدمی تیر رہا ہے اور نہر کے کنارہ ایک آدمی بہت سے پتھر لئے موجود ہے، اور وہ تیرنے والا تیرتا ہوا جب اس شخص کے پاس آتا جس کے پاس پتھر جمع ہیں تو

تیرنے والا شخص اپنا منہ کھول دیتا اور یہ اس کے اندر پتھر بھر دیتا ہے، پھر وہ تیرتا ہوا چلا جاتا ہے، پھر پہلے کی طرح واپس تیرتا ہوا آتا ہے اور منہ کھولتا ہے اور وہ اس میں پتھر بھر دیتا ہے۔ میں نے ان سے پوچھا کہ یہ دونوں کون ہیں؟ وہ کہنے لگے آگے چلو، ہم چل پڑے، آگے دیکھتے ہیں کہ ایک نہایت بدشکل آدمی ہے جو سخت تند خو ہے، وہ آگ کو بھڑکاتا اور اس کے اردگرد دوڑ رہا تھا۔ میں نے ان سے پوچھا کہ یہ کون شخص ہے؟ وہ کہنے لگے کہ آگے چلو آگے، ہم چل پڑے اور ایک سرسبز باغ میں جا پہنچے، جس میں موسمِ بہار کے شگوفے کھلے تھے، اس میں ایک ایسا دراز قد آدمی نظر آیا جس کا سر آسمان کو پہنچ رہا تھا اور اس کے اردگرد بے شمار چھوٹے بچے تھے، میں نے پوچھا یہ کون ہے؟ اور یہ بچے کیسے؟ وہ بولے آگے چلو، ہم چل پڑے، ہم چلتے ہوئے ایک ایسے درخت کے پاس پہنچے کہ اس جیسا خوشنما درخت پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا، مجھے کہنے لگے اس درخت پر چڑھو، ہم چڑھتے چلے گئے اور ایک شہر تک جا پہنچے جو سونے چاندی کی اینٹوں سے بنایا گیا تھا۔ دروازہ پر پہنچ کر ہم نے دروازہ کھلوایا، دروازہ کھولا گیا، ہم اندر داخل ہوئے، اور ایسے آدمیوں سے ملے جن کا آدھا دھڑ نہایت ہی خوبصورت تھا اور آدھا نہایت بدصورت، میرے ساتھیوں نے ان سے کہا کہ چلو اس نہر میں غوطہ لگاؤ، وہ نہر مقابل میں چلتی تھی جس کا پانی نہایت صاف وشفاف تھا، وہ لوگ وہاں پہنچے اور اس میں گر پڑے، پھر ہماری طرف واپس لوٹے، اور ان کے آدھے دھڑ کی بدنمائی بالکل دور ہو چکی تھی، میرے ساتھی مجھے کہنے لگے کہ یہ جنّتِ عدن ہے، اور یہ آپ کی منزل ہے۔ میں نے جب اوپر نظر اٹھا کر دیکھا تو مجھے سفید بادل کی طرح ایک محل نظر آیا، وہ مجھے کہنے لگے یہ آپ کی منزل ہے میں نے کہا کہ بارک اللہ! مجھے اس محل کے اندر جانے دو، وہ کہنے لگے ابھی نہیں، آپؐ ہی اس میں داخل ہوں گے، میں نے ان سے کہا

کہ آج رات میں نے عجیب وغریب حالات دیکھے ہیں، مجھے ان کے متعلق خبر دو، وہ کہنے لگے جی ہاں ہم آپ کو بتائے دیتے ہیں۔ سنو! وہ شخص جس کو آپ نے دیکھا کہ اس کا سر توڑا جارہا تھا وہ ایک ایسا شخص تھا جو قرآن مجید کو حاصل کر کے اسے چھوڑ بیٹھا تھا اور فرض نماز پڑھے بغیر سورہتا تھا، اور وہ شخص جس کی باچھیں، ناک نتھنے اور آنکھیں گردن کے پچھلے حصہ تک چیری جاتی تھیں وہ دراصل ایک ایسا شخص تھا جو صبح گھر سے نکل کر لوگوں میں جھوٹ پھلاتا تھا، اور وہ خواتین وحضرات جو ننگے بدن تنور جیسے گڑھے میں دیکھے تھے وہ اصل میں زنا کار لوگ تھے، اور وہ شخص جو نہر میں تیر رہا تھا اور اس کے منہ میں پتھر بھرے جاتے تھے وہ ایک ایسا آدمی تھا جو سود کھایا کرتا تھا، اور وہ بدشکل آدمی جو آگ کو بھڑکاتا اور اس کے اردگرد دوڑتا تھا وہ جہنم کا داروغہ تھا، اور وہ لمبے دراز قد کا آدمی جو باغ میں دیکھا گیا تھا وہ ابراہیم علیہ السلام تھے اور وہ بچے جوان کے گرداگرد تھے وہ سب ایسے بچے تھے جو دین فطرت پر پیدا ہوئے تھے۔ کسی مسلمان نے سوال کیا یارسول اللہ! کیا مشرکین کی اولاد بھی؟ آپؐ نے فرمایا ہاں مشرکین کی اولاد بھی، اور وہ لوگ جن کا آدھا دھڑ خوبصورت اور آدھا بدصورت تھا وہ ایسے لوگ تھے جنہوں نے نیک وبداعمال کو باہم ملادیا ہو، اللہ تعالیٰ نے ان کے گناہوں کو معاف فرمایا۔“

گناہ زمین میں فساد پیدا کرتا ہے:

☆ گناہ کے آثار میں سے وہ مختلف قسم کے فسادات ہیں جو شامتِ اعمال کے سبب ہوا، پانی، کھیت، پھل اور مکانات وغیرہ میں ظاہر ہوتے ہیں، چنانچہ اللہ کریم

فرماتے ہیں:

﴿ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ۔ لِيُذِيقَهُمْ بَعْضَ الَّذِي عَمِلُوا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ﴾ (الروم:۴۱)

یعنی ''لوگوں کی شامتِ اعمال کے سبب خشکی اور تری میں فساد برپا ہوگیا تاکہ اللہ تعالیٰ انھیں ان کے بعض اعمالِ بد کا مزہ چکھائے، تاکہ وہ باز آ جائیں۔''

مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ جب ظالم، منتظم اور والی ہوتا ہے تو ظلم وفساد برپا کرتا ہے جس سے بارانِ رحمت کا آسمان سے نزول رک جاتا ہے اور زراعت ونسل ہلاک ہونے لگتی ہے، پھر آپؒ نے مذکورہ آیت پڑھی اور فرمایا کہ واللہ! بحر سے متعارف بحر مراد نہیں ہے بلکہ اس سے مراد ہر وہ بستی ہے جو کسی پانی کے چشمہ کے متصل آباد ہو۔ عکرمہؒ فرماتے ہیں کہ میں بحر سے ہرگز، متعارف بحر مراد نہیں لیتا بلکہ ہر ایسی بستی مراد لیتا ہوں جو کسی پانی کے متصل آباد ہو۔

حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں کہ خشکی سے مراد اہل عمود ہیں (یعنی جو خیموں میں رہتے ہیں) اور تری سے دیہات اور کھیتیاں مراد ہیں، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں شیریں پانی کو بحر کے لفظ سے تعبیر کیا ہے، ارشاد ہوا:

﴿وَمَا يَسْتَوِي الْبَحْرَانِ هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ سَائِغٌ شَرَابُهُ وَهٰذَا مِلْحٌ أُجَاجٌ﴾ (فاطر:۱۲)

کیونکہ دنیا بھر میں کوئی ایسا بحرِ شیریں نہیں جو ساکن ہو، اس لئے جاری نہریں مراد ہیں، اور بحرِ شور ساکن ہے، لہٰذا وہ بستیاں جو جاری نہروں کے کناروں پر واقع ہیں انھیں آیتِ مذکورہ میں بحر کے لفظ سے تعبیر کیا گیا۔ ابن زیدؒ فرماتے ہیں کہ

''ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ'' میں فساد سے مراد گناہ ہے۔

میں کہتا ہوں کہ ابن زیدؒ کی گناہ سے مراد اسبابِ فساد ہیں جو بر و بحر میں پیدا ہوتے ہیں، اگر فساد سے عین گناہ مراد ہو تو آیت مذکورہ میں لفظ ''لِيُذِيقَهُم'' میں حرفِ لام مفہومِ عاقبت اور علت کے ظاہر کرنے کے لئے سمجھنا چاہئے، پہلی صورت میں فساد سے وہ شرور آلام مراد ہوں گے جن کو اللہ تعالیٰ بندوں کے گناہوں کے سبب اطرافِ زمین میں پیدا کرتا ہے، سو لوگ جس قدر گناہ کا ارتکاب کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کے لئے اسی قدر عذاب پیدا کرتے ہیں، چنانچہ کسی بزرگ سے منقول ہے کہ تم لوگ جس قدر گناہ کرتے ہو اسی قدر اللہ تعالیٰ تمہارے لئے عذاب بھیجتا ہے، لیکن بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ فساد سے گناہ اور اسباب گناہ مراد ہیں۔

جیسا کہ لفظ ''لِيُذِيقَهُم بَعْضَ الَّذِي عَمِلُوا'' سے واضح ہوتا ہے، ہماری حالت بھی اسی کے مطابق ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ ہمارے بعض اعمالِ بد پر ہمیں عذاب دیتا ہے، اگر اللہ ہمارے جملہ اعمال پر ہمیں عذاب دیتے تو روئے زمین پر کوئی متنفس زندہ نہ رہتا۔

گناہ خسف اور زلزلوں کا سبب ہے:

☆ گناہ کا ایک برا اثر زمین پر خسف، زلزلوں اور زوالِ خیر و برکات کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قومِ ثمود کی سرزمین کے پاس سے گزر ہوا تو آپؐ نے حکم دیا کہ'' روتے ہوئے اس زمین سے گزرو'' آپؐ نے اس زمین کے پانی پینے پلانے سے لوگوں کو روک دیا، حتی کہ آٹے کے اس خمیر کے بارے جو اس زمین کے پانی سے گوندھا گیا تھا حکم دیا کہ اونٹوں کو بھی نہ کھلایا جائے، کیونکہ اس قوم کی شامت اعمال وہاں کے پانی میں بھی سرایت کر گئی تھی، اسی طرح گناہوں کی شامت و نحوست درختوں کے

پھلوں کو بھی کم کر دیتی ہے، او دیگر آفاتِ سماوی کا بھی موجب ہوتی ہے۔ امام احمدؒ نے اپنی مسند میں ایک حدیث کے ضمن میں لکھا ہے کہ ''بنی امیہ کے خزانہ میں کچھ گندم کے دانے پائے گئے جن میں ایک ایک دانہ کھجور کی گٹھلی کے برابر تھا، جو ایک تھیلی میں بند تھے، اور اس پر لکھا ہوا تھا:

﴿هذا كان ينبت في زمن العدل﴾

یعنی ''عدل وانصاف کے زمانہ میں گندم کے دانے اتنے بڑے پیدا ہوتے تھے۔''

اکثر آفات ایسی ہیں جن کو اللہ تعالیٰ صرف لوگوں کے کثرتِ گناہ کی وجہ سے نازل کیا کرتے ہیں، بعض مشائخِ صحراء کا بیان ہے کہ وہ پھلوں کو موجودہ حالت سے بڑی مقدار کا دیکھا کرتے تھے، اور اکثر وہ آفات جواب دیکھی جاتی ہیں ان کو وہ مطلقاً نہیں جانتے تھے۔

گناہوں کا صورتوں پر اثر:

☆ گناہوں کی تاثیر چہروں اور جسمانی بناوٹ میں بھی ظاہر ہوا کرتی ہے، چنانچہ جامع ترمذی میں حدیث مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو آسمان میں ساٹھ ہاتھ کے قدوقامت کا پیدا کیا تھا، پھر قدوقامت کم ہوتے چلے گئے، جب اللہ تعالیٰ زمین کو ظالموں، خائنوں اور فاجروں سے خالی کرنا چاہے گا تو اپنے بندوں میں سے ایک بندہ کو خاندانِ نبوت سے پیدا کرے گا، تو وہ زمین کو اس طرح عدل وانصاف سے پُر کردے گا۔ جس طرح کہ وہ ظلم وستم سے پر ہوگئی ہوگی، اور عیسیٰ علیہ السلام یہود ونصاریٰ کو قتل کریں گے، اور اس دین کو قائم کریں گے جو اللہ تعالیٰ نے

اپنے رسولؐ کی معرفت بھیجا تھا، زمین اپنی تمام تر برکات باہر نکالے گی، اور بالکل اپنی اصلی حالت پر آجائیگی، حتیٰ کہ آدمیوں کی ایک جماعت ایک انار سے سیر ہو سکے گی، اور اس کی چھلکے کے سایہ میں آرام کر سکے گی، اور انگور کا ایک خوشہ بارِ شتر کے برابر ہوگا، اور ایک اونٹنی کا دودھ آدمیوں کی ایک جماعت کے لئے کافی ہوا کرے گا۔" وجہ اس کی یہ ہے کہ جب زمین گناہوں سے پاک صاف ہوجائے گی تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہ آثارِ خیر و برکت ظاہر ہونے لگیں گے جو معصیت اور کفر کی وجہ سے کم ہوگئے ہوں گے، اور اس میں شک نہیں کہ وہ مختلف عذاب جن کو اللہ تعالیٰ دنیا پر نازل کرتا ہے وہ گزشتہ اقوام کے بقیہ آثار ہیں جو عالم میں پھیل رہے ہیں، اور یہ سب کے سب ان گناہوں کا بقایا میں جن کی وجہ سے سابقہ امتوں پر عذاب نازل ہوا، پس یہ آثارِ عذاب اسی طرح گزشتہ عذابوں کا بقیہ ہیں جس طرح موجودہ گناہ ان سابقہ امتوں کے گناہوں کا بقیہ ہیں، اس رازِ الٰہی میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ٹھیک اس کی اس حکمت کے مطابق وقوع میں آیا جس پر سلسلہ اسبابِ طبعی قائم کیا گیا ہے، اول آخر کے ساتھ نسبت رکھتا ہے، ظاہر ہے کہ عذابِ عظیم گناہِ عظیم کے مقابلہ میں خفیف کے مقابلہ میں نازل ہوا کرتا ہے اور اسی کے مطابق اللہ تعالیٰ عالم برزخ اور عالم آخرت میں بندوں کے درمیان جزاوسزا جاری کرے گا۔ انسان کو چاہیئے کہ غور کرے کہ کس طرح شیطان کسی کا قرین بن کر اس پر قابو پالیتا ہے، اور جب وہ اس پر غالب آجاتا ہے تو اس شخص کی عمر، قول وفعل اور رزق وغیرہ امور سے خیر و برکت کو زائل کردیتا ہے اور جب ساری دنیا میں اس کی اطاعت کی جاتی ہے اور اس کا اثر ظاہر ہونے لگتا ہے تو تمام اطرافِ عالم میں سے خیر و برکت کے آثار محو ہوجاتے ہیں، یہی وجہ

ہے کہ جہنم میں کسی قسم کی راحت، رحمت اور برکت نہیں ہوگی، کیونکہ وہ شیطان کا محل ہے۔

فصل

گناہ غیرت وحمیّت کی حرارت کو سرد کردیتا ہے:

☆ گناہ کے منجملہ عذاب وآفات میں سے ایک یہ ہے کہ انسان کے قلب میں غیرت وحمیت کی حرارت سرد پڑ جاتی ہے۔ جو اس کی روحانی زندگی کے لئے وہی حکم رکھتی ہے جو جسمانی زندگی کے لئے حرارتِ غریزی رکھتی ہے، کیونکہ غیرت قلب کے لئے بمنزلہ آگ کے ہے، جو اس کو ہر طرح کی خباثت اور مذموم صفات سے پاک صاف کردیتی ہے۔ جس طرح دھونکنی کے ذریعہ سے سونے، چاندی اور لوہے کی میل کچیل صاف کی جاتی ہے، اور نوع انسانی میں عالی اور اور بلند ہمت وہی شخص ہوا کرتا ہے، جو اپنی ذات، اپنے اقارب اور عوم الناس کے کسی امر کے متعلق سب سے بڑھ کر غیرت کا اظہار کرے، یہی وجہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی امت میں سب سے بڑھ کر غیرت مند تھے۔ اور اللہ تعالیٰ آپؐ سے بھی بڑھ کر غیرت مند ہیں۔

چنانچہ ایک صحیح حدیث میں مروی ہے، آپؐ نے فرمایا: ''کیا تم لوگ سعدؓ کی غیرت سے تعجب کرتے ہو؟ بے شک میں اس سے زیادہ غیرت مند ہوں، اور اللہ تعالیٰ مجھ سے زیادہ غیرت مند ہے۔'' (صحیحین) نیز آپؐ نے خطبہ کسوف میں ارشاد فرمایا: ''اے امتِ محمدیہ! اللہ تعالیٰ سے زیادہ کوئی دوسرا اس بارے میں غیرت مند نہیں کہ اس کا کوئی غلام یا لونڈی (مرد وعورت) زنا کریں۔''[1]

نیز ایک حدیث صحیح میں یوں آیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ سے زیادہ

[1] مسلم (۱/۲ الکسوف)

کوئی شخص غیرت مند نہیں، اسی لئے اس نے ہر طرح کی ظاہری و باطنی بے حیائی حرام کردی ہے، اور کسی کا جرم پر عذر قبول کرنا اللہ سے بڑھ کر عزیز نہیں، اسی لئے اس نے انبیاء علیہم السلام کو جنت کی بشارت اور جہنم کی وعید دینے کے لئے مبعوث فرمایا، اور کوئی شخص اللہ سے بڑھ کر مدح کو پسند نہیں کرتا۔ اسی لئے اس نے اپنی مدح خود کی ہے۔ (اخرجہ الشیخان)

اس حدیث میں حضور علیہ السلام نے غیرت کو (جس کی اصل برے کام کو ناپسند کرنا ہے) محبتِ عذر کے ساتھ (جو کمالِ عدل ورحمت اور احسان پر دلالت کرتی ہے) ملا کر بیان کیا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ سخت غیرتمند ہونے کے باوجود اس امر کو بہت پسند کرتے ہیں کہ کوئی گنہگار اس کے حضور عذر پیش کر کے معافی کا خواستگار ہو، اور وہ اپنے فضلِ عمیم سے اس کے عذر کو قبول فرمالے، اور وہ اپنے گنہگار بندہ کا اس گناہ پر جو موجب غیرت ہو مواخذہ نہیں کرتا کہ وہ بندہ اس کی بارگاہ میں عذر پیش کرے اور اللہ تعالیٰ اس کو قبول فرمائے۔ اسی مصلحت سے اس نے انبیاء علیہم السلام کو مبعوث فرمایا اور کتابیں نازل کیں جن میں وعدو وعید ہے۔ یہ امر اس کی عظمت، احسان اور غایتِ کمال پر دال ہے۔ کیونکہ اس کی مخلوق میں اکثر ایسے لوگ بھی ہیں جو شدتِ غیرت کی وجہ سے فی الفور انتقام پر آمادہ ہوجاتے ہیں، اور ہرگز عذر نہیں سنتے، بلکہ بسا اوقات مجرم کے پاس کوئی عذر ہوتا ہے مگر وہ پرواہ بھی نہیں کرتے اور اکثر ایسے بھی ہیں کہ ضعفِ غیرت کی وجہ سے مجرم کے کسی امر کو بطور عذر کے قبول کرلیتے ہیں جو درحقیقت عذر کی صلاحیت نہیں رکھا، اور یہ دونوں چیزیں یعنی شدتِ غیرت اور ضعفِ غیرت ہر حالت میں قابل تعریف نہیں ہوسکتے، چنانچہ ایک حدیثِ صحیح میں آیا ہے: "بعض غیرت کو اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے، اور بعض کو برا جانتا ہے، جس غیرت کو وہ برا جانتا ہے وہ ایسی غیرت ہے جو بلا کسی تہمت، گناہ یا شک کے پیدا ہو، اور قابل تعریف غیرت وہ ہے جو گناہ کے عذر کے ساتھ متصل ہو، جس سے محلِ غیرت پر غیرت، محلِ عذر پر

عذر قبول کیا جائے، صرف یہی غیرت قابلِ مدح سمجھی گئی ہے۔

☆ چونکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ تمام صفات کمالیہ کا جامع ہے اس لئے وہ تمام مخلوقات سے بڑھ کر مدح کا مستحق ہے جس کو کوئی بھی کسی طرح بھی ادا نہیں کرسکتا، اس لئے اس نے اپنی مدح آپ کی ہے، لہٰذا جو شخص غیرت رکھتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی ایک صفت سے اپنی نسبت قائم کرتا ہے۔ جس کی وجہ سے وہ اس کی طرف منجذب ہوکر اس کا مقرب بن جاتا ہے، اور اس کی رحمت کا مستحق قرار پاکر اس کا محبوب قرار پاتا ہے، کیونکہ وہ خود رحیم ہے اس لئے رحم والوں کو پسند کرتا ہے اور وہ خود کریم ہے اس لئے کرم والوں کو پسند کرتا ہے اور وہ خود علیم ہے اس لئے علم والوں کو پسند کرتا ہے اور وہ خود قوی ہے اس لئے قوی الایمان لوگوں کو ضعیف الایمان کی نسبت زیادہ دوست رکھتا ہے، اسی وجہ سے وہ حیاوالوں کو بھی پسند کرتا ہے، اور وہ جمیل ہے اس لئے اہلِ جمال کو پسند کرتا ہے، اور وہ وتر ہے اس لئے اہلِ وتر کو پسند کرتا ہے۔

☆ اگر بالفرض گناہ کا اس کے سوا اور کوئی نتیجہ نہ ہوتا کہ ان کا کرنے والا مزکورہ صفات سے محروم رہتا ہے تو گناہ کا یہی عذاب کافی تھا، کیونکہ خطرہ بتدریج وسوسہ، اور وسوسہ بتدریج ارادہ اور ارادہ قوی ہوکر قصد بن جاتا ہے، جس کے بعد فعل کا ارتکاب ہوتا ہے، اور جب وہ فعل بار بار کیا جاتا ہے تو نفس کے لئے وہ ایک صفتِ لازمہ اور ہیئتِ راسخہ بن جاتا ہے جس سے نجات پانا اسی طرح دشوار ہوجاتا ہے جس طرح دیگر طبعی صفات سے نجات پانا۔

☆ الغرض جیسے جیسے گناہ کی ملابست قوی ہوتی جاتی ہے۔ غیرت بھی ساتھ ساتھ کم ہوتی چلی جاتی ہے۔ بعض اوقات غیرت اتنی کمزور ہوجاتی ہے کہ وہ شخص کسی قبیح امر کو خواہ اپنی ذات کے متعلق ہو یا کسی غیر کے متعلق، بالکل برا نہیں سمجھتا اور

جب وہ اس حد تک پہنچ جاتا ہے تو وہ ہلاکت کے دروازہ میں داخل ہوجاتا ہے، چنانچہ بہت سے ایسے لوگ بھی دیکھے ہیں جو صرف گناہوں کو برا نہ سمجھنے تک ہی محدود نہیں رہتے بلکہ خواہش اور ظلم کی خوبیاں دوسروں کو بیان کر کے انھیں بھی ان کی طرف دعوت دیتے ہیں اور مجبور کرتے ہیں، اور ان کے کرنے میں ان کی اعانت کرتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ دیّوث آدمی تمام مخلوقات سے بڑھ کر خبیث سمجھا جاتا ہے اور جنت اس پر حرام ہے، یہی حال اس شخص کا ہے جو ظلم وبغاوت کو دوسرے کے سامنے جائز بتاتا ہے اور اس کی خوبیوں کا اظہار کرتا ہے، غور کرنا چاہئیے کہ بے غیرتی انسان کو کہاں تک پہنچا دیتی ہے۔ معلوم ہوا کہ غیرت دین کا اصل الاصول ہے۔ جس میں غیرت نہیں اس کا کوئی دین نہیں، کیونکہ غیرت قلب کی محافظ ہے۔ جس سے جوارح واعضاء بھی محفوظ رہ کر ہر قسم کے قبائح اور فواحش کو روکتے ہیں، اور بے غیرتی قلب کو مردہ بنادیتی ہے جس سے جوارح اور اعضاء بھی مردہ ہوجاتے ہیں اور وہ قبائح وفواحش کی مدافعت نہیں کرتے، غیرت کی مثال بعینہ اس قوت کی سی ہے جو مرض کا مقابلہ کرتی ہے، کیونکہ جب قوت بالکل زائل ہوجاتی ہے تو مرض بلا روک ٹوک اپنی جگہ بنالیتا ہے جس کا نتیجہ ہلاکت ہوتا ہے۔ یا غیرت کی مثال بھینس کے سینگوں کی سی ہے جس سے وہ اپنی اور اپنے بچوں کی حفاظت کرتی ہے، جب وہ ٹوٹ جاتے ہیں تو دشمن اس پر غالب آجاتا ہے۔“

گناہ حیا وشرم کو ختم کردیتا ہے:

☆ گناہ کا ایک نقصان یہ بھی ہے کہ گنہگار کے دل سے حیا جو مادۂ حیات ہے دور

ہو جاتی ہے۔ یہ حیا ہر قسم کی چیز کے لئے اصلِ عظیم کا درجہ رکھتی ہے، اس لئے حیا کے ختم ہونے سے ہر قسم کی خیر منقطع ہو جاتی ہے، چنانچہ ایک حدیثِ صحیح میں ارشادِ نبویؐ ہے: ''اَلْحَیَاءُ خَیْرٌ کُلُّهٗ'' (مسلم وابوداؤد) اور پھر فرمایا ''انبیاء علیہم السلام کے کلام میں سے ایک حصہ جو لوگوں کو حاصل ہوا ہے یہ ہے کہ جب تو حیا نہ کرے تو جو دل چاہے کیا کرو۔'' (بخاری)

اس قول کی دو طرح تفسیر کی گئی۔ اوّل یہ کہ اس جملہ میں ایک طرح کی تہدید اور وعید ہے، مطلب یہ ہے کہ جو شخص حیاء نہیں کرتا وہ ہر طرح کے برے اعمال کر گزرتا ہے، کیونکہ حیا ہی اس کو مانع تھی۔ لہٰذا جب حیا اسے نہ رہی جو قبائح سے روکتی ہے تو وہ ان اعمال کا ارتکاب کر گزرے گا، یہ ابو عبیدہؒ کی تفسیر ہے۔ دوم یہ کہ کسی فعل میں جب اللہ تعالیٰ سے حیا نہ کی جائے تو کرنے والا اس کو کرلے، کیونکہ نہ کرنا اسی فعل کا ضروری ہوتا ہے جس میں اللہ سے حیا کی جائے، یہ تفسیر امام احمدؒ کی بروایت ابن ھانیؒ ہے۔ لہٰذا یہ کلام پہلی صورت میں اس قسم کی وعید پر مشتمل ہوگا جو قرآن مجید کے جملہ ''اِعْمَلُوْا مَاشِئْتُمْ'' (فصلت: ۴۰) میں موجود ہے (کیونکہ اس جملہ میں مخالفین کو ہر قسم کے جائز و ناجائز عمل کی اجازت دینا مقصود نہیں ہے، بلکہ انھیں دھمکانا مقصود ہے) اور دوسری صورت میں اجازت کا مفہوم ظاہر ہوتا ہے۔ اگر کوئی یہ کہے کہ کیا ہم اس کلام کو دونوں صورتوں پر محمول کر سکتے ہیں؟ تو اس کا جواب ہے کہ ہرگز نہیں، بلکہ اس شخص کی رائے پر بھی جو مشترک المعنی لفظ کو تمام معانی پر محمول کرنا جائز رکھتا ہے ہم اس جملہ کو دونوں معنی پر محمول نہیں کر سکتے، کیونکہ اباحت اور تہدید میں جو منافات (تضاد) ہے وہ ظاہر ہے ہاں البتہ یہ بات ہے کہ ایک معنی کا اعتبار دوسرے کے اعتبار کا موجب ہو سکتا ہے، اور مقصود اس جملہ سے یہ ہے کہ گناہ انسان کے قلب

میں حیا کو ضعیف کر دیتا ہے تا آنکہ وہ شخص بسا اوقات حیا سے بالکلیہ علیحدہ ہو جاتا ہے، اور بسا اوقات وہ لوگوں کے اس کی بدعملی پر مطلع ہونے سے بھی متاثر نہیں ہوتا، بلکہ اکثر کی یہ حالت ہوتی ہے کہ وہ خود اپنے اعمال کے متعلق دوسروں کو خبر دیتے ہیں، اور اس کا سبب سوائے بے حیائی کے اور کچھ نہیں ہوتا، جب کسی شخص کی نوبت یہاں تک پہنچ جاتی ہے تو اس کی صلاحیت کی امید منقطع ہو جاتی ہے، تب شیطان بھی اس کی صورت کو دیکھ کر شرماتا ہے اور کہتا ہے کہ قربان جاؤں ایسے شخص کے جس کی صلاح وفلاح ناممکن ہے، حیا کا لفظ حیات سے مشتق ہے اور بارش کو بھی حیا بولتے ہیں، کیونکہ زمین، نباتات اور حیوانات کی زندگی کا مدار بارش پر ہے، اس طرح حیاتِ دنیا اور حیاتِ آخرت کو بھی حیا کے لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے، لہٰذا جس میں حیا نہیں ہوتی وہ دنیا میں مردہ اور آخرت میں شقی ہوتا ہے۔ گناہ، بے حیائی اور بے غیرتی تینوں چیزیں آپس میں لازم وملزم ہیں جب ایک موجود ہو تو دوسری فوراً موجود ہوتی ہے، جو شخص گناہ کرتے وقت اللہ تعالیٰ سے حیا کرتا ہے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اسے عذاب دینے سے حیا کریں گے، اور جو گناہ کرتے وقت اللہ تعالیٰ سے حیا نہیں کرتا اللہ تعالیٰ کو بھی اس سے حیا نہیں کہ اسے عذاب دیں۔

فصل

گناہ دل سے اللہ کی عظمت کو دور کر دیتا ہے:

☆ گناہ کا ایک ضرر یہ ہے کہ گناہ کرنے والے کے دل سے اللہ جل شانہٗ کی عظمت اٹھ جاتی ہے، اور اس کا وقار ومقام کمزور ہو جاتا ہے، اور یہ امر لابدی ہے خواہ گناہ کرنے والا اس امر کو چاہے یا نہ چاہے، کیونکہ اگر اللہ تعالیٰ کی عظمت وحشمت اس کے دل میں ہوتی تو اس کو کبھی بھی ں کی نافرمانی کی

جرأت نہ ہوتی ، اکثر ایسا شخص دھوکہ کھا کر یوں کہا کرتا ہے کہ مجھے مغفرت کی امید اور عفوودرگزر کی امید گناہوں پر آمادہ کرتی ہے نہ یہ کہ میرے دل میں عظمت الٰہی کم ہے، یہ ایک نفس کا مغالطہ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی عظمت،جلال اور تعظیم حرمتِ گناہ اور گنہگار کے درمیان حائل ہوجایا کرتی ہے اور جو لوگ معصیت پر اقدام کرلیتے ہیں، وہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کی پوری پوری قدر نہیں کرتے، بھلا وہ شخص کیونکر اللہ تعالیٰ کی پوری قدر کرسکتا ہے یا اس کی عظمت و کبریائی کا یقین رکھتا ہے یا اس کے وقار کی امید رکھتا ہے جس کے نزدیک اس کے اوامرونواہی کی کچھ وقعت نہیں؟ حقیقت یہ ہے کہ یہ سراسر محال اور خام خیالی ہے اور اس عذاب سے بڑھ کر اور کیا عذاب ہوسکتا ہے کہ بندہ کے دل سے اللہ تبارک تعالیٰ کی عظمت اٹھ جائے، اور اس کی حرمت اور اس کے حقوق کو وہ ایک معمولی بات خیال کرنے لگے۔

☆ گناہ کا ایک وبال یہ بھی کہ اللہ تعالیٰ ایسے شخص کی عزت لوگوں کے دلوں میں بالکل اٹھا دیتا ہے اور وہ اسے اس طرح ذلیل حقیر سمجھنے لگتے ہیں جس طرح اس نے اللہ تعالیٰ کے اوامرونواہی کو ذلیل وحقیر سمجھا تھا، بخلاف اس کے کہ انسان جس قدر اللہ تعالیٰ سے محبت کرتا، اس سے ڈرتا اور اس کی تعظیم بجالاتا ہے اسی قدر لوگ بھی اس سے محبت کرتے، اس سے ڈرتے اور اس کی تعظیم کرتے ہیں۔ بھلا ایسا شخص کیونکر یہ امید باندھ سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حقوق کی بے حرمتی کرنے پر لوگ اس کی بے حرمتی نہ کریں گے؟ یا گناہ کو حقیر سمجھنے پر لوگ اس کو حقیر خیال نہیں کریں گے؟ کیونکہ خود اللہ تعالیٰ نے جابجا قرآن پاک میں گناہ کے عذاب کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ وہ ان کے برے اعمال کے بدلہ ان کو کفر کی طرف لوٹا دیتا، ان کے دلوں پر مہر لگادیتا اور جس طرح وہ اسے بھول

جاتے ہیں وہ بھی انھیں بھلا دیتا ہے اور جس طرح وہ اس کی اہانت کرتے ہیں وہ بھی اس کی اہانت کرتا ہے، چنانچہ سجودِ مخلوقات کی آیت میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَمَنْ يُّهِنِ اللّٰهُ فَمَالَهٗ مِنْ مُّكْرِمٍ﴾ (الحج:۱۷)

''یعنی اللہ تعالیٰ جس کی اہانت کردے تو کوئی اس کا اکرام کرنے والا نہیں۔

اس آیت سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سرِ نیاز لانا ان کو ناگوار ہے شاق گزرتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے انھیں خود ذلیل کردیا کہ کوئی بھی ان کی عزت نہیں کرتا، بھلا جس شخص کو خدا ذلیل کردے اس کو کون عزت دے سکتا ہے؟ اور جس کو وہ عزت بخشے اس کو کون ذلت پہنچا سکتا ہے؟

فصل

گناہ اللہ کی رحمت سے محرومی کا سبب ہے:

☆ گناہ کے دیگر بہت سے نقصانات میں سے ایک نقصان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ گنہگار کو بھلا دیتا ہے یعنی اپنی رحمت سے محروم کردیتا ہے، اور اس کو اس کے نفسِ امّارہ اور شیطان کے درمیان ڈال دیتا ہے، اور چھوڑ دیتا ہے۔ جب یہ نوبت پہنچتی ہے تو وہ شخص ہلاک ہوجاتا ہے جس کی نجات کی امید بالکل نہیں رہتی، چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ وَاتَّقُوا اللّٰهَ إِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ نَسُوا اللّٰهَ فَأَنْسَاهُمْ أَنْفُسَهُمْ أُولٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُوْنَ﴾

(الحشر:۱۸۔۱۹)

''ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو، اور ہر شخص کو چاہیئے کہ وہ اس امر میں غور کرے کہ وہ اپنے کل کے لئے کیا عمل کر رہا ہے، اور تم اللہ تعالیٰ سے ڈرو، کیونکہ وہ تمہارے اعمال سے باخبر ہے، اور ان لوگوں کی طرح مت ہوجاؤ جنہوں نے اللہ تعالیٰ کو بھلا دیا پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے نفسوں کو بھلا دیا یہی لوگ فاسق ہیں۔''

اس آیتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کو پہلے تقوی کا حکم دیا ہے اور ان لوگوں کی مشابہت سے ممانعت کی ہے جو تقویٰ کے چھوڑ دینے کی وجہ سے اس کو بھول گئے ہیں، اور اس بات کی خبر دی ہے کہ وہ تارکینِ تقویٰ کو اس طرح عذاب دیا کرتا ہے کہ انھیں ان کے نفسوں سے غافل کر دیتا ہے یعنی وہ اپنی عاقبت کی مصلحتوں، آنے والے عذاب، حیاتِ ابدی کے حاصل کرنے اور آخرت کی لذت وسرور اور نعمائے جنّت سے بالکل غافل ہوجاتے ہیں۔ سو ان کا اپنے نفسوں کو بھول جانا اللہ تعالیٰ کے بھول جانے، اس کی عظمت وخوف کے اٹھا دینے اور اوامر ونواہی کے ترک کر دینے کا نتیجہ ہے جس کی وجہ سے وہ اپنی اخروی مصلحتوں سے بالکل بے خبر رہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل ہوکر خواہشِ نفس کی پیروی میں صراطِ مستقیم سے دور جا پڑتے ہیں اور سعادتِ ابدی کے حاصل کرنے میں فروگذاشت کر جاتے ہیں اور ایک ناکارہ ناپائیدار چند روزہ لذت پر جو موسم بہار کے بادل کی طرح بہت جلد زائل ہوجاتی ہے مرمٹتے ہیں۔

﴿أحلام نوم، أو كظل زائل إن اللبيب بمثلها لا يخدع﴾

''یعنی دنیا کی ناپائیدار لذتیں ایک خواب یا ڈھلتا سایہ ہیں، بھلا ایک عقلمند آدمی ایسی چیز سے کیونکر دھوکہ کھا سکتا ہے؟''

اس عذاب سے بڑھ کر اور کوئی سخت عذاب نہیں ہوسکتا کہ انسان اپنی مصلحت کو فراموش کر دے، اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے خود کو مستغنی کر لے اور نفس کے

لئے نقصان وذلت پر راضی ہوکر اس کو ایک نجس اور خبیث چیز اور لذتِ دنیا کے عوض بیچ ڈالے، کیونکہ اس بدمعاملگی میں وہ ایک ایسی چیز کو کھو دیتا ہے جس کی کوئی چیز عوض نہیں ہوسکتی، تمام عوض وبدل اسی کی پیدا کردہ اشیاء ہیں۔

﴿من كل شيء اذا ضيعته عوض وما من الله ان ضيعته عوض﴾

یعنی ''تمام چیزیں جو کھودی جائیں ان کا عوض ہے مگر اللہ تعالیٰ کو کھو کر کوئی چیز اس کا بدل نہیں ہوسکتی۔''

وجہ اس کی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کے عوض میں دوسری ویسی چیز دے سکتا ہے مگر اس کا عوض کوئی چیز نہیں ہوسکتی، اور وہ آدمی کو تمام اشیاء سے مستغنی کرسکتا ہے مگر کوئی چیز اللہ تعالیٰ سے آدمی کو مستغنی نہیں کرسکتی، اور وہ تمام اشیاء کو آدمی سے ہٹا سکتا ہے مگر کوئی چیز اللہ تعالیٰ کو اس سے نہیں ہٹا سکتی، اور وہ تمام اشیاء سے آدمی کو پناہ دے سکتا ہے مگر کوئی چیز اللہ تعالیٰ سے اس کو پناہ نہیں دے سکتی، الغرض کوئی شخص کس طرح ایک لمحہ کے لئے بھی اللہ تعالیٰ کی طاعت سے خود کو مستغنی قرار دے سکتا ہے؟ یا اس کی یاد سے غافل ہوکر اس کی نافرمانی کرسکتا ہے؟ جس سے وہ اپنی مصلحت کو بھول کر خود اپنے اوپر ظلم کرتا ہے۔ اللہ کسی پر ظلم نہیں کرتا بلکہ انسان خود اپنی ذات پر ظلم کرتا ہے۔

گناہ انسان کو دائرہ احسان سے نکال دیتا ہے:

☆ گناہ کا ایک شدید نقصان یہ ہے کہ گناہ آدمی کو دائرہ احسان سے باہر نکال دیتا ہے اور اس کو اہلِ احسان کے ثواب سے روک دیتا ہے، کیونکہ جب کسی قلب میں احسان موجود ہوتا ہے تو وہ اس کو گناہ سے باز رکھتا ہے، وجہ اس کی یہ ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کرتا ہے کہ گویا وہ اسے دیکھ رہا ہے تو

یقیناً اللہ تعالیٰ کی یاد، اس کی محبت اور خوفِ عذاب اور امیدِ رحمت اس کے دل پر غالب آ گئی ہوتی ہے جس سے اس کی حالت ایسی منکسر ہوجاتی ہے کہ گویا وہ بارگاہِ رب العزت میں خود کو کھڑا دیکھتا ہے اور یہ حالت اس کو ارادۂ معصیت سے بالکل روک دیتی ہے چہ جائیکہ وہ گناہ کا ارتکاب کرے۔ جب آدمی دائرہ احسان سے باہر آ جاتا ہے تو اہلِ احسان یعنی اہلِ طریقت کی صحبت، ان کی پاک زندگی اور حقیقی لذت سے بالکل محروم رہ جاتا ہے، لہٰذا اگر اللہ تعالیٰ اس کے حق میں بھلائی چاہتا ہے تو اس کو عام مؤمنین کے دائرہ میں ٹھہرا دیتا ہے اور اگر ان گناہوں میں مبتلا ہوجائے جو دائرہ ایمان سے خارج کردیتے ہیں تو وہ حدیث نبویؐ کا مصداق بن جاتا ہے، آپؐ نے فرمایا: زانی بحالتِ ایمان زنا نہیں کرتا، شراب خور بحالتِ ایمان شرابخوری نہیں کرتا، چور بحالتِ ایمان چوری نہیں کرتا، غارت گر بحالتِ ایمان کسی قیمتی مال کو جس کو لوگ نظریں اٹھا اٹھا کر دیکھیں غارت گری نہیں کرتا۔'' (صحیحین)

پس لوگو! ابھی بھی توبہ کا وقت ہے اپنے کو بچالو، بچالو،

گناہ گار اجرِ عظیم سے محروم رہتا ہے:

☆ ظاہر ہے کہ جو شخص اہل ایمان کا ساتھ چھوڑ بیٹھتا ہے۔ وہ ہرگز اس امر کا مستحق نہیں ہوتا کہ اللہ تعالیٰ اس کا مخالفین اور آنے والے مصائب سے دفاع کرے کیونکہ وہ صرف اہل ایمان کا دفاع کرتا ہے، اور ایسا گنہگار شخص ہر قسم کی خیر و سعادت جو ایمانِ کامل کا نتیجہ ہوتی ہے محروم رہتا ہے، چنانچہ اس قسم کی خیر و سعادت کو محققین نے تقریباً ایک سو خصائلِ حسنہ میں جمع کیا ہے۔ جن میں سے ہر ایک دنیا و مافیہا سے بڑھ کر قدر و منزلت رکھتی ہے۔

(۱) ایک ان میں سے اجرِ عظیم ہے۔ چنانچہ اس کے متعلق فرمایا:

﴿وَسَوْفَ يُؤْتِي اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا﴾

(النساء:۱۴۶)

یعنی ”اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو اجر عظیم عنایت فرمائے گا۔“

(۲) اور ایک ان میں سے یہ ہے کہ ایمان والوں سے ہر قسم کی دینی و دنیوی آفات کا دفعیہ کرنا، چنانچہ اس کے متعلق فرمایا:

﴿اِنَّ اللّٰهَ يُدَافِعُ عَنِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ (الحج:۳۸)

یعنی ”اللہ تعالیٰ مومنوں سے آنے والی آفات کی روک تھام کرتا ہے۔“

(۳) ایک خصلتِ حسنہ یہ ہے کہ ملائکہ حاملینِ عرش کا اہل ایمان کے لئے اللہ تعالیٰ سے طلبِ مغفرت کرنا ہے، چنانچہ اسی کے متعلق فرمایا:

﴿اَلَّذِيْنَ يَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهٗ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ (غافر:۷)

یعنی ”فرشتے جو رب العالمین کے عرش کو اٹھائے ہوئے ہیں اور جو اس کے اردگرد حلقہ باندھے ہوئے ہیں وہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی تسبیح حمد کے ساتھ کرتے ہیں اور اس پر ایمان لاتے ہیں اور ایمان والوں کے گناہوں کی مغفرت طلب کرتے ہیں۔“

(۴) ان میں سے ایک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اہل ایمان سے محبت رکھتا ہے اور جس شخص سے اللہ تعالیٰ محبت رکھتے ہیں وہ کبھی ذلیل نہیں ہوتا، چنانچہ فرمایا:

﴿اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ (البقرہ:۲۵۷)

یعنی ’’اللہ تعالیٰ ایمان والوں کا دوست ہے۔‘‘

(۵) ایک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ملائکہ کو حکم دیتا ہے کہ اہل ایمان کو ثابت قدم رکھیں۔ چنانچہ ارشاد فرمایا:

﴿اِذْ یُوحِیْ رَبُّكَ اِلَی الْمَلٰٓئِكَةِ اَنِّیْ مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا﴾ (الانفال:۱۲)

یعنی ’’جب تیرے رب نے ملائکہ کو وحی کی میں تمہارے ساتھ ہوں، سو تم اہل ایمان کو ثابت قدم رکھو۔‘‘

(۶) ایک ان میں سے یہ ہے کہ ان کے لئے اللہ تعالیٰ کے ہاں درجات، مغفرت اور رزقِ کریم ہے۔

(۷) ان میں سے ایک خصلتِ حسنہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی معیت ان کو حاصل ہے چنانچہ فرمایا:

﴿وَاَنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُؤْمِنِیْنَ﴾ (الانفال:۱۹)

یعنی ’’بے شک اللہ تعالیٰ اہل ایمان کے ساتھ ہے۔‘‘

(۸) ایک یہ ہے کہ ان کے لئے عزت ہے، چنانچہ فرمایا:

﴿وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ﴾ (المنافقون:۸)

یعنی ’’عزت صرف اللہ تعالیٰ، اس کے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم اور اہل ایمان کے لئے مخصوص ہے۔‘‘

(۹) ایک ان میں سے دنیا و آخرت میں بلندیٔ مرتبت ہے، چنانچہ فرمایا:

﴿یَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ﴾ (المجادلۃ:۱۱)

یعنی ’’اللہ تعالیٰ ایمان والوں کی شان بلند کرتا ہے۔‘‘

(۱۰) ایک خصلتِ حسنہ یہ ہے کہ اہل ایمان کو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کے دو حصے عنایت کرتا ہے اور انھیں ایک نور عطا کرتا ہے، چنانچہ: ’’کِفۡلَیۡنِ مِنۡ رَّحۡمَتِه‘‘ اور ’’نُوۡرًا تَمۡشُوۡنَ‘‘ کے الفاظ سے واضح ہوتا ہے۔

(۱۱) ایک ان میں سے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ انھیں اپنا، ملائکہ اور تمام انبیاء علیہم السلام وصالحین کا محبوب بنادیتا ہے چنانچہ فرمایا:

﴿سَیَجۡعَلُ لَهُمُ الرَّحۡمٰنُ وُدًّا﴾ (مریم:۹۶)

(۱۲) ان میں سے ایک یہ ہے کہ اہل ایمان کو قیامت کے دن ہر قسم کے خوف سے امان حاصل ہوگا، چنانچہ فرمایا:

﴿فَمَنۡ اٰمَنَ وَاَصۡلَحَ فَلَا خَوۡفٌ عَلَیۡهِمۡ وَلَا هُمۡ یَحۡزَنُوۡنَ﴾ (الانعام:۴۸)

یعنی ’’جو لوگ ایمان لائے اور نیک اعمال کرتے رہے انھیں قیامت کے روز کسی قسم کا خوف نہیں ہوگا اور نہ کسی طرح غمگین ہونگے۔‘‘

(۱۳) ان خصائلِ حسنہ میں سے ایک یہ ہے کہ یہ لوگ منعم علیہم ہیں یعنی وہ لوگ جن کی پیروی کی توفیق ہم کم ازکم دن ورات میں سترہ دفعہ طلب کرتے ہیں۔

(۱۴) ایک یہ ہے کہ قرآن کریم ان کے لئے شفاء اور ہدایت ہے، چنانچہ فرمایا:

﴿قُلۡ هُوَ لِلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا هُدًی وَّشِفَآءٌ﴾ (فصلت:۴۴)

یعنی ’’اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم! انھیں کہدو کہ وہ (قرآن) ایمان والوں

کے لئے ہدایت وشفاء ہے۔''

مذکورہ مثالوں سے مقصود یہ ہے کہ صرف ایمان ہی ہر طرح کی خیر وسعادت کے حصول کا ذریعہ ہوسکتا ہے۔ خواہ عالمِ دنیا کے متعلق ہو یا عالمِ آخرت کے، بنابریں انسان کو کیسے جرأت ہوسکتی ہے کہ وہ ایسے امور کا ارتکاب کرے جو اس کے لئے دائرہ ایمان سے خروج کا باعث ہوں اور ایمان (کامل) سے مانع ہوں، اگرچہ وہ عام مسلمانوں کے دائرہ سے خارج نہیں ہوتا، مگر جب وہ گناہوں پر جمار ہے اور اصرار کرتا چلا جائے تو یہ اندیشہ ہے کہ آہستہ آہستہ اس کا قلب سیاہ ہوکر اس کو بالکل ہی دائرہ اسلام سے خارج کردے۔ یہی وجہ ہے کہ سلفِ صالحین بہت ڈرا کرتے تھے، چنانچہ کسی بزرگ کا قول ہے: ''تم گناہوں سے ڈرتے ہو مجھے کفر کا خوف ہے۔''

گناہ توجہ الی اللہ کو کمزور کردیتا ہے:

☆ گناہ کا ایک برا اثر یہ بھی ہے کہ گناہ کرنے والے کی توجہ اللہ تعالیٰ اور عالم آخرت کی طرف کمزور ہوجاتی ہے، یا بالکل ہی روک دیتی ہے، اور یہ گناہ اس کو اللہ تعالیٰ کی طرف ایک قدم بھی اٹھانے کے قابل نہیں چھوڑتا، اگر اس کو اس جہت سے پیچھے کی جانب نہ لٹادے تو اس قدر ضرور ہوتا ہے کہ قریب کو بعید کردیتا ہے اور چلنے والے کو چلنے سے روک دیتا ہے، کیونکہ قلب صرف اپنی قوت پر اللہ کی طرف رجوع کرتا ہے، لیکن جب گناہ کی وجہ سے وہ مریض ہوجاتا ہے تو اس کی قوت بھی کمزور ہوجاتی ہے، اگر وہ قوت بالکل زائل ہوجائے تو قلب بالکلیہ اللہ تعالیٰ کے تعلق سے منقطع ہوجاتا ہے جس کا تدارک پھر مشکل ہوجاتا ہے، بہر حال گناہ یا تو دل کو بالکل مردہ بنادیتا ہے یا اس کو کسی مہلک مرض میں گرفتار کردیتا ہے، یا اس کی قوت کو کمزور کردیتا ہے، اور یہ ضعف درجہ بدرجہ اس کو ہم، حزن، عجز، جبن، بخل، ضلع دین (قرض کا بوجھ) اور قہر

جال (لوگوں کا غلبہ) کی طرف کھینچ لاتا ہے، یہ وہ امور ہیں جن سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پناہ مانگی ہے، اور ان امور میں سے ہر دو امر باہم لازم وملزوم ہیں۔ مثلاً ہم اور حزن باہم قرین ہیں، کیونکہ اگر کوئی حادثہ یا ناگوار امر زمانہ مستقبل کے متعلق ہوتو وہ باعثِ ہم ہوگا اور اگر زمانہ ماضی کے متعلق ہوتو وہ موجبِ حزن ہوگا، اس طرح اگر کوئی شخص اسبابِ خیر سے عدمِ قدرت کی وجہ سے محروم رہے تو اس کو عجز کہیں گے اور اگر عدمِ ارادہ کی وجہ سے محروم رہے تو کسل، اور اگر کسی امرِ خیر سے اپنی قوتِ بدنی کے ذریعہ منتفع نہ ہوتو جبن بولیں گے اور اگر بذریعہ مال امرِ خیر سے منتفع نہ ہوتو بخل کہلائے گا، اور اگر غیر اس پر بطریقِ حق غالب آجائے تو یہ ضلعِ دین ہے، اور اگر بطریقِ باطل غالب آجائے تو قہر وغلبہ کہلاتا ہے۔

الغرض گناہ ان مذکورہ رذائل کے لئے ایک قوی سبب ہے، جس طرح کہ وہ مصیبت، شقاوت، سوءِ قضا اور شماتتِ اعداء کا موجب ہوتا ہے۔

☆ گناہ کے دیگر بہت سے عذابات میں سے ایک عذاب یہ ہے کہ گناہ زوالِ نعمت کا سبب اور غضبِ الٰہی کا باعث ہوجاتا ہے، چنانچہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''بلا ومصیبت صرف گناہ کی وجہ سے نازل ہوتی ہے اور اس کا دفعیہ توبہ کے سوانہیں ہوسکتا۔'' قرآن پاک میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَا اَصَابَكُمْ مِنْ مُصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيكُمْ﴾

(الشوریٰ:۳۰)

یعنی ''جو مصیبت تمہیں پہنچتی ہے وہ تمہارے اپنے اعمال کا نتیجہ ہوتی ہے۔''

پھر فرمایا:

﴿ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ لَمْ يَكُ مُغَيِّرًا نِّعْمَةً اَنْعَمَهَا عَلٰى قَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ﴾ (الانفال:۵۳)

یعنی ''یہ اس لئے ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی نعمت کو کسی قوم پر اس نے انعام کی ہو نہیں بدلتا تا آنکہ وہ لوگ اپنی اس روش کو نہ بدل ڈالیں۔''

اس آیتِ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے صاف طور پر خبر دی ہے کہ وہ اپنی دی ہوئی نعمت کو کسی قوم سے اس وقت تک واپس نہیں لیتا جب تک کہ وہ لوگ خود طاعت کو معصیت سے اور شکر کو کفران سے نہ بدل ڈالیں، اور اس کی رضا مندی کے اسباب کے بجائے اسبابِ غضب کے پابند نہ ہو جائیں۔

جب وہ ایسا کرنے لگتے ہیں تو پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھی ان کے ساتھ ویسا ہی سلوک کیا جاتا ہے، ورنہ اللہ تعالیٰ ہرگز اپنے بندوں پر کسی قسم کا ظلم جائز نہیں رکھتا، چنانچہ اطاعت کو معصیت سے بدل ڈالنے پر اللہ تعالیٰ بھی عافیت و عزت کی بجائے ان پر عقوبت اور ذلت نازل کرتا ہے، جیسا کہ ایک دوسری جگہ ارشادِ الٰہی ہے:

﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ وَاِذَا اَرَادَ اللّٰهُ بِقَوْمٍ سُوْٓءًا فَلَا مَرَدَّ لَهٗ وَمَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّالٍ﴾ (الرعد:۱۱)

یعنی ''بے شک اللہ تعالیٰ کسی قوم کی اچھی حالت بری حالت سے نہیں بدلتا جب تک کہ وہ خود اپنی روش کو نہ بدل ڈالیں، اور جب اللہ تعالیٰ کسی قوم پر عذاب بھیجنا چاہتا ہے تو اس کو کوئی نہیں روک سکتا، اور اللہ تعالیٰ کے سوا ان کا کوئی مددگار نہیں ہو سکتا۔''

بعض آثارِ الٰہیہ میں وارد ہے کہ: ''مجھے اپنی عزت وجلال کی قسم ہے کہ میرا کوئی بندہ جب کسی ایسی حالت میں ہوتا ہے جس کو میں پسند کرتا ہوں پھر وہ اپنی بری روش کی طرف منتقل ہوجاتا ہے جس کو میں برا سمجھتا ہوں تو میں بھی اپنی پہلی حالت سے منتقل ہوجاتا ہوں اور اس کی اس حالت کو بدل ڈالتا ہوں جس کو وہ پسند کرتا ہے اور اسے ایسی حالت کی طرف لے آتا ہوں جس کو وہ برا جانتا ہے، اور جب کوئی بندہ کسی ایسی حالت میں گرفتار ہو جس کو میں برا جانتا ہوں اور وہ اس حالت سے منتقل ہوکر ایسی حالت کی طرف آئے جس کو میں پسند کرتا ہوں تو میں اس کی بری حالت کو بدل کر اچھی حالت کی طرف لے آتا ہوں جس کو وہ پسند کرتا ہے۔ کسی کہنے والے نے کیا خوب اشعار کہے ہیں:

اذا کنت فی نعمةٍ فارعها   فان الذنوب تزلیل النعم

(جب تو کسی نعمت سے بہرہ یاب ہوتو اس کی نگہبانی کرتا رہ، کیونکہ گناہ نعمتوں کو زائل کردیتے ہیں)

وحطها بطاعة رب العباد   فرب العباد سریع النقم

(اور اس نعمت کو اللہ تعالیٰ کی عبادت کے ساتھ پیوند کردے، کیونکہ بندوں کا رب جلد انتقام لینے والا ہے)

وایاك والظلم مهما استطع   ت فظلم العباد شدید الوخم

(اور ظلم سے جہاں تک ہوسکے بچارہ، کیونکہ ظلم کی چراگاہ کا چارہ ہضم نہیں ہوا کرتا)

وسافر بقلبك بین الوری   لتبصر آثار من قد ظلم

(اور دلِ بینا لے کر اطرافِ عالم میں سیر کر، تاکہ تجھے ظلم کرنے والے لوگوں کے آثار نظر آئیں)

فتلك مساكنهم بعدهم شهود عليهم، ولاتتهم

(یہ ہیں ان کے بعد ان کے مکانات، (کھنڈرات) جو زبان حال سے ان کے ظلم وستم کی شہادت دے رہے ہیں اور اس شہادت میں وہ تہمت زدہ نہیں (یعنی ان کی شہادت سچی ہے)

وما كان شيء عليهم اضر من الظلم وهوالذى قد قصم

(اور ظلم سے بڑھ کر کوئی چیز ان کے حق میں مضر نہیں ہے، اسی نے ان کی پیٹھ توڑ ڈالی)

فكم تركوا من جنان ومن قصور واخرى عليهم اطم

(وہ بہت سے باغات ومحلات چھوڑ مرے، اور ظلم سے بڑھ کر کوئی مصیبت ان پر غالب نہ آسکی)

صلوا بالجحيم وفات النعيم وكان الذى نالهم كالحلم

(ظالم لوگ جہنم میں جا داخل ہوئے اور ان سے نعمتیں جاتیں رہیں، اور وہ سماں جو انھوں نے دیکھا تھا خواب ہو گیا)

گناہ سے دل میں خوف ورعب پیدا ہوجاتا ہے:

☆ گناہ کے نقصانات وآفات میں سے ایک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ گنہگار کے دل میں خوف ورعب ڈال دیتا ہے، چنانچہ وہ ہمیشہ خوف زدہ اور مرعوب پایا جاتا ہے، کیونکہ طاعت وعبادت اللہ تعالیٰ کا ایک مضبوط قلعہ ہے، جو شخص اسلام میں داخل ہوجائے وہ ہر قسم کے دنیوی واخروی عذابوں سے محفوظ ہوجاتا ہے، اور جو

شخص اس قلعہ سے باہر ہوجائے اسے ہرقسم کا خوف آگھیرتا ہے، اس لئے جو لوگ اس کی اطاعت کرتے ہیں، ان پر تمام خوف امن میں تبدیل ہوجاتے ہیں، اور جو لوگ اس کی نافرمانی کرتے ہیں ان کے لئے تمام امن خوف کی صورت میں ظاہر ہونے لگتے ہیں، گناہ کرنے والے شخص کا قلب ہروقت پرندے کے بازوؤں کی طرح پھرپھراتا رہتا ہے جہاں ذرا سی ہوا کی حرکت سے دروازہ کے ہلنے کی آواز بھی کان میں آگئی تو وہیں تھرتھر کانپنے لگ جاتا ہے کہ کوئی دشمن آپڑا اور جہاں ذرا سی آہٹ بھی معلوم ہوئی تو فوراً موت کا یقین کرلیتا ہے، اگر اِدھر اُدھر سے کوئی آواز سنائی دیتی ہے تو یہی سمجھتا ہے کہ یہ آواز میرے خلاف ہے، الغرض سخت کمزور دل ہوکر چھوٹی چھوٹی باتوں سے بھی اپنے تئیں مبتلائے مصیبت دیکھنے لگتا ہے، لیکن جب کوئی شخص اللہ تبارک وتعالیٰ سے ڈرتا ہے تو اس کے تمام تر خوف امن کی صورت میں اور دوسری حالت میں تمام تر امن خوف کی صورت میں نمودار ہوتے ہیں۔

بدا قضی اللہ بین الناس مذخلقوا إن المخاوف والاجرام فی قرن

"ابتدائے آفرینش سے ارادۂ الٰہی مخلوقات میں یوں جاری ہے
کہ خوف اور گناہ باہم ایک رسی میں باندھے گئے ہیں۔"

گناہ بندہ کو وحشت زدہ بنادیتا ہے:

☆ گناہ کا ایک نقصان یہ ہے کہ گناہ، گناہ کرنے والے کے دل کو نہایت وحشت زدہ بنادیتا ہے، اور یہ وحشت اس کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان اور اس کے اور دیگر مخلوقات کے مابین اور اس کی اپنی ذات کے درمیان واقع ہوتی ہے، گناہ جس طرح رفتہ رفتہ بڑھتے جاتے ہیں اس کی وحشت بھی قوی ہوتی جاتی ہے، اور

یہ امر مسلم ہے کہ وحشت زدہ اور خائف آدمی کی زندگی نہایت تلخ ہوجاتی ہے، اور انس پذیر آدمی نہایت پاکیزہ زندگی بسر کرتا ہے، اگر کوئی صاحبِ عقل بنظرِ غائر گناہ کی لذت اور اس کے نتائج خوف ووحشت کا بخوبی موازنہ کرے تو اس کو بدحالی اور زیاں کاری کا اچھی طرح یقین ہوجائے گا، کیونکہ وہ عبادت، امن اور روحانی لذت کو گناہ کی وحشت اور ایک عام خوف کے ساتھ بدل ڈالتا ہے۔

﴿فان کنت قداوحشتك الذنو　ب فدعها اذا شئت واستأنس﴾

یعنی ''جب تجھے گناہ وحشت زدہ بنادیں تو تو انھیں جب چاہے چھوڑ کر اُنس پذیر ہوجا''

☆ اس مسئلہ میں راز یہ ہے کہ عبادت قربِ خداوندی کا موجب ہے، اور جس قدر تقرب بڑھتا ہے، اسی قدر انس پذیری بھی قوی ہوتی جاتی ہے، اور گناہ اللہ تعالیٰ سے دور پھینک دیتا ہے اور جس قدر دوری بڑھتی جاتی ہے، اسی قدر وحشت بھی زیادہ ہوتی جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انسان اپنے اور اپنے دشمن کے درمیان ایک قسم کی وحشت پاتا ہے اور اس کی وجہ وہی دوری ہے جو دونوں کے درمیان قائم ہے، اگرچہ وہ دونوں بظاہر ایک دوسرے سے میل جول رکھتے ہوں، اس کے برعکس انسان اپنے اور اپنے عزیز دوست کے درمیان ایک قسم کا انس ومحبت محسوس کرتا ہے اگرچہ بظاہر وہ ایک دوسرے سے دور ہوں، اور اس وحشت کا سبب وہ حجاب ہے جو گناہ کرنے والے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان قائم ہوجاتا ہے اور جس قدر یہ حجاب شدید ہوتا جاتا ہے اسی قدر اللہ تعالیٰ سے وحشت زیادہ ہوتی جاتی ہے، لہٰذا غفلت موجبِ وحشت ہے، اور معصیت اس سے بڑھ کر موجبِ وحشت اور شرک وکفر اس سے بھی زیادہ، اس لئے جب ان تین موجباتِ وحشت میں سے کوئی امرِ موجب بنتا ہے تو اس کے مطابق اس شخص کے ظاہر وباطن پر وحشت غالب آجاتی ہے، جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے دور جا پڑتا ہے اور لوگ اس سے وحشت ونفرت کرنے لگتے ہیں۔ (نعوذ باللہ)

گناہ دل کا مریض بنا دیتا ہے:

☆ گناہ کا ایک نقصان یہ بھی ہے کہ گناہ قلب کو صحت واستقامت سے روک کر اس کو مریض اور منحرف بنا دیتا ہے۔ جس کی وجہ سے وہ ہمیشہ مریض رہتا ہے اور ان غذاؤں سے جن سے اس کی حیات وصلاح قائم ہوتی ہے ہرگز منتفع نہیں ہوتا، اس کی وجہ یہ ہے کہ گناہ کی تاثیر قلب میں بعینہ وہی حکم رکھتی ہے جو امراض جسمانی بدن انسانی میں، بلکہ گناہ قلب کے لئے ایک بیماری ہے جس کا علاج ترکِ گناہ کے سوا اور کچھ نہیں، تمام اہلِ سلوک اس امر پر متفق ہیں کہ قلب اپنے مقصودِ اصلی کو وصالِ مولیٰ (ذات باری تعالیٰ) کے سوا ہرگز نہیں پاسکتا، اور یہ وصالِ باری تعالیٰ اس کو اس کے سوا حاصل نہیں ہوسکتا کہ وہ بالکل صحیح سالم ہو اور اس کا صحیح سالم ہونا اس پر موقوف ہے کہ وہ امراض سے پاک صاف ہو، اور یہ چیز خواہشاتِ نفسانی کو ترک کرنے سے حاصل ہوسکتی ہے، کیونکہ یہی خواہشات اس کے امراض ہیں اور ان کی مخالفت اس کے لئے صحت اور شفا بخش ہے، لہٰذا جب مرض مستحکم ہوجاتا ہے تو قلب کو یا تو بالکل ہلاک کرڈالتا ہے یا قریب الہلاکت بنادیتا ہے، جس طرح خواہشِ نفس کو روکنے والا قیامت کو داخلِ جنت ہوگا، اس طرح اس دنیا میں بھی اس کا قلب ایک ایسی جنت کا مالک ہوتا ہے کہ کوئی دنیوی لذت اس کا ہرگز مقابلہ نہیں کرسکتی، ان دونوں لذتوں میں وہی تفاوت ہے جو دنیوی لذت اور اخروی لذت میں تفاوت ہے، اور اس تفاوت کا یقین صرف اسی کو ہوسکتا ہے، جو دونوں سے منتفع ہوچکا ہو۔ یہ نہ سمجھو کہ "اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِیْ نَعِیْمٍ وَاِنَّ الْفُجَّارَ لَفِیْ جَحِیْمٍ" (الانفطار:۱۳،۱۴) والی آیت صرف عالمِ آخرت کے متعلق ہے، بلکہ اس کا عالمِ دنیا، عالمِ برزخ اور عالمِ آخرت تینوں سے تعلق ہوسکتا ہے، کیونکہ گنہگار

لوگ تینوں عالموں میں واصلِ جہنم ہیں، اور متقی لوگ جنت میں، نعیمِ قلب سے بڑھ کر اور کوئی نعیم نہیں، اور عذابِ قلب سے بڑھ کر اور کوئی عذاب نہیں، خوف، ہم وحزن اور تنگیِ سینہ وغیرہ (لوازِم گناہ) سے بڑھ کر کیا عذاب ہوسکتا ہے؟ اللہ تعالیٰ اور دارِآخرت سے اعراض اور غیر اللہ کی محبت اور اللہ تعالیٰ سے تعلق کا انقطاع گناہ کا لازمی نتیجہ ہے، اور یہ سب امور جن کی محبت میں گناہ کرنے والا مستغرق ہوتا ہے اسے سخت عذاب دینے والی چیزیں ہیں۔

جو شخص غیر اللہ سے محبت رکھتا ہے اسے دنیا میں تین طرح کا عذاب بھگتنا پڑتا ہے، اوّل اس چیز کے حاصل ہونے سے پہلے سے لیکر اس کے حاصل ہونے تک دوم حاصل ہوجانے پر اس کے سلب وتلف ہونے کا خوف۔ سوم سلب ہوجانے پر حزنِ شدید اور فکرِ عظیم۔ یہ تو اس دنیا کا حال ہے۔ اب وہ عذاب جو اس پر عالم برزخ میں گزرتا ہے۔ وہ یہ ہے اس چیز کے فراق کا رنج اور اس کے فوت ہوجانے کا الم اور اللہ تعالیٰ سے اس کا محجوب رہنا اور جگر سوز حسرت کا سامنا جو اس کی روح کے لئے لازم ہیں سب جمع ہوکر اس کو سخت سے سخت عذاب میں مبتلا رکھتے ہیں۔ یہ حزن وغم اور حسرت والم اس کی روح کے ساتھ وہی عمل کرتے ہیں جو زمین کے کیڑے مکوڑے اس کے بدن کے ساتھ قبر میں کرتے ہیں، بلکہ روح کے لئے یہ عمل برابر جاری رہتا ہے حتی کہ وہ قیامت کے دن جہنم کے ایک ایسے سخت عذاب کی طرف لوٹا دیا جائے گا جونہایت ہی خوفناک اور تلخ ہے، بھلا ان مختلف جان کا، عذابوں کی اس شخص کی حقیقی خوشی اور روحانی سرور کے ساتھ کیا نسبت ہوسکتی ہے جو اپنے مولی کریم کے شوقِ دیدار میں بے قرار، اس کی محبت میں سرشار اور اس کے ذکر میں اشکبار رہتا ہے، اس دارالامتحان سے کوچ کرتے وقت بعض کی زبان پر فرطِ اشتیاق سے ''واطرباہ'' کا کلمہ جاری ہوتا ہے۔ (یہ حضرت بلالؓ کا قول ہے) اور بعض یوں کہتے ہیں کہ: ''اہل دنیا

بیچارے مساکین ہیں، دنیا سے ایسے حال میں چلے جاتے ہیں کہ خوش زندگی اور پاکیزہ لذت سے محروم رہتے ہیں۔'' اور بعض بایں الفاظ نغمہ سرا ہوتے ہیں: ''اگر سلاطینِ دنیا اور ان کے بیٹے ہماری اس لذت وسرور کو جانتے جو ہمیں اب حاصل ہے تو بزورِ شمشیر ہم سے چھیننا چاہتے۔'' (یہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا قول ہے)

اور بعض یوں کہتے ہیں کہ: ''دنیا میں ایک ایسی جنت ہے کہ جو شخص اس میں داخل نہیں ہوا وہ عالم آخرت کی جنت میں بھی داخل نہیں ہوگا۔''

ہائے افسوس! اس شخص کی حالت پر جس نے اس قدر گراں قیمت اور بے بدل نعمت کو ایک بے قدر اور ذلیل چیز کے بدلہ کھودیا جس کے معاملہ میں وہ زیاں کے علم کے باوجود زیاں کار رہا۔

اے ناداں! دیکھ اگر تجھے اس گراں قیمت متاع کی خبر نہیں تو ان لوگوں سے دریافت کر جو اس کی قیمت جانتے ہیں، سبحان اللہ! یہ وہ گراں بہا متاع ہے جس کا مشتری خود اللہ تعالیٰ اور جس کی قیمت جنت الماوٰی ہے اور وہ سفیر جو اس معاملۂ بیع میں واسطہ بنے اور قیمت کا ضامن قرار پائے وہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

اذا كان هذا فعل عبد بنفسه فمن ذالهٔ من بعد ذلك يكرم

یعنی ''جب کسی انسان کا اپنی ذات کے ساتھ یہ سلوک ہے تو پھر اور کون ہے جو اس کی عزت کرے گا۔''

اللہ تعالیٰ کا فرمان سچا ہے:

﴿وَمَنْ يُّهِنِ اللّٰهُ فَمَالَهٗ مِنْ مُّكْرِمٍ اِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَايَشَاءُ﴾ (الحج:۱۸)

یعنی ''جس کو اللہ تعالیٰ ذلیل کردے اس کی کوئی عزت نہیں کرسکتا، بے شک اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔''

فصل

گناہ سے نورِ بصیرت بجھ جاتا ہے:

☆ گناہ کا ایک سخت عذاب ونقصان یہ ہے کہ گناہ نورِ بصیرت کو بجھا دیتا ہے، اور علم کی راہوں کو مسدود کر دیتا ہے اور موادِ ہدایت کو روک دیتا ہے، امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ جب امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں باریاب ہوئے اور ان کے چہرہ سے آثارِ سعادت کو دیکھا تو امام مالکؒ نے امام شافعیؒ کو بایں الفاظ وصیت فرمائی:

﴿اِنِّیْ اَرَی اللّٰہ تَعَالٰی قَدْ اَلْقٰی عَلَیْكَ نُوْرًا، فَلَا تُطْفِئْهُ بِظُلْمَةِ الْمَعْصِيَةِ﴾

یعنی ''میں دیکھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے تجھے نورِ فطرت عطا فرمایا ہے، دیکھنا کہیں اسے گناہ کی ظلمت سے بجھا نہ دینا۔''

مطلب یہ ہے کہ نورِ ایمان درجہ بدرجہ کمزور ہوتا جاتا ہے، اور ظلمتِ معصیت ترقی کرتے کرتے دل کو شبِ تاریک کی طرح سیاہ بنا دیتی ہے، تب وہ شخص کئی ایک ہلاکتوں میں مبتلا ہو جاتا ہے، مگر وہ اس اندھے کی طرح ہے جو رات کو کسی ہلاکت خیز راستہ پر چل پڑتا ہے، پس جو شخص ایسی ہلاکت سے محفوظ ہے اس کی حالت کا اس شخص کی حالت سے مقابلہ کرنا چاہئے جو اس ہلاکت میں مبتلا ہے، یہ ہلاکت آہستہ آہستہ قلب سے تجاوز کر کے گناہ کرنے والے شخص کے جوارح واعضاء پر ظاہر ہونے لگتی ہے، چنانچہ جس قدر وہ زیادہ اور قوی ہوتی ہے اسی قدر چہرہ پر اس کے آثار نمایاں ہوتے ہیں، اور چونکہ موت کے وقت وہ پورے طور پر ظاہر ہوتی ہے اس لئے برزخ میں بھی اس کا ظہور ہوتا ہے، جیسے ایک حدیث پاک میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ

مبارک ہے: ’’یہ قبریں اہلِ قبور پر ظلمت سے بھری گئی ہیں، اور میری دعا سے اللہ تعالیٰ انھیں روشن کردے گا۔‘‘ (احمد، مسلم) جب قیامت کا دن ہوگا اور حشر ونشر ہوگا۔ یہی ظلمت گناہ کرنے والوں کے چہروں پر نمایاں ہوگی جس کو سب لوگ دیکھیں گے،

ہائے افسوس! وہ ایسا بدترین عذاب ہوگا کہ دنیا کی تمام فانی لذتیں مل کر بھی اس کا ہم پلہ نہیں ہوسکیں گی، ایک سمجھدار اور ذی ہوش آدمی کیونکر ایسی ناپائیدار لذت میں پڑ کر ابدی عذاب کو اختیار کرسکتا ہے جس کا زمانہ خواب وخیال سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا۔ واللہ المستعان

☆ گناہ کا ایک عظیم نقصان یہ ہے کہ گناہ نفس کو حقیر وذلیل اور ناقص بنادیتا ہے، اور اسے فسق وفجور اور جہالت کے حجابات میں مستور کردیتا ہے، حتی کہ وہ پھر ہر ذلیل سے بڑھ کر ذلیل اور ہر حقیر سے بڑھ کر حقیر ہوجاتا ہے جیسا کہ عبادت اس کو مزکیٰ، عزیز اور مکرم بنادیتی ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ’’قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا‘‘ (الشمس: ۹، ۱۰)

اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ جس شخص نے نفس کو اللہ تعالیٰ کی عبادت سے عزت دی اور اس کو پاک کیا وہ فلاح وکامیاب ہوگیا، اور جس نے ذکرِ الٰہی سے اس کے جوہرِ فطرت کو ظاہر نہیں کیا بلکہ اللہ کی نافرمانی سے اس کو حقیر، ذلیل اور گناہ کے پردوں میں مستور رکھا وہ زیاں کار بن گیا اور ناکام رہا، لفظ ’’دَسّٰا‘‘ کا مصدر تدسیہ ہے جس کے معنی اخفا کے ہیں، کیونکہ گناہ کرنے والا بھی اپنے نفس کو گناہ کے پردہ میں پوشیدہ رکھتا ہے، اور اس کو کمالِ حقیقی سے محجوب بنادیتا اہے جس سے وہ اپنی نظر میں خود اور اللہ تعالیٰ اور نیز تمام مخلوق کے نزدیک ذلیل ہوجاتا ہے، طاعت وعبادت سے نفس کی عزت وکرامت بڑھتی ہے، اور وہ تمام چیزوں سے عزیز ہوجاتا ہے، اور اس کے باوجود وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے خود کو حقیر و ذلیل خیال کرتا ہے مگر یہی امر اس کی

عزت وشرافت کا موجب ہوجاتا ہے، پس گناہ سے بڑھ کر کوئی ذلت نہیں اور طاعت خداوندی سے بڑھ کر کوئی رفعت، شرافت اور کرامت نہیں۔

گناہ گار ہمیشہ شیطان کے جال میں پھنسا رہتا ہے:

☆ گناہ کے دیگر نقصانات میں سے ایک بڑا نقصان یہ ہے کہ گناہ کرنے والا ہمیشہ شیطان کے جال اور پھندے میں گرفتار رہتا ہے اور وہ خواہشِ نفس کے زندان سے کبھی رہائی نہیں پاتا، اور ہوا وحرص کی زنجیر میں جکڑا رہتا ہے، اور اس اسیر سے زیادہ بدحال کونسا اسیر ہوگا جس کو دشمنِ اعظم (نفسِ امّارہ) اپنا اسیر بنالے اور زندانِ خواہش سے بدتر اور کونسا زندان ہوسکتا ہے اور ہوائے نفس کی زنجیر سے زیادہ سخت اور کونسی زنجیر ہوسکتی ہے؟ کیوں کہ یہ قیود وسلاسل اسے اللہ تعالیٰ اور دارآخرت کی طرف رجوع کرنے سے روک دیتے ہیں، جس کی وجہ سے ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھا سکتا، جب قلب اس طرح مقید ہوجاتا ہے، تو ہر جانب سے اس کو آفات آگھیرتی ہیں، الغرض قلب کی مثال پرندے جیسی ہے کیونکہ جس قدر وہ بلندی پر پرواز کرتا ہے اسی قدر آفات سے محفوظ رہتا ہے، اور جب وہ نیچے آتا ہے تو کئی ایک آفتوں میں گھر جاتا ہے۔ حدیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

﴿اَلشَّیْطَانُ ذِئْبُ الْاِنْسَانِ﴾

یعنی ''شیطان انسان کے لئے بھیڑیئے کی طرح ہے۔''

اس کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح وہ بکری جو محافظ کی زیرِ حفاظت نہیں، چاروں طرف سے بھیڑیوں میں گھری ہو، بہت جلد ہلاک ہوجاتی ہے اسی طرح جب

انسان کے قلب پر اللہ کی طرف سے نگہبان نہ ہوتو اس کا بھیڑیا اسے چیر پھاڑ کر کھا جائے گا، اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے نگہبانی کرنے والی چیز صرف تقویٰ ہے، کیونکہ تقوی قلب اور شیطان کے درمیان اسی طرح کی ایک آھنی دیوار ہے جس طرح وہ دنیا وآخرت کے عذاب سے بچنے کے لئے ایک قسم کی مضبوط ڈھال ہے، اور یہ امر مسلم ہے کہ بکری جس قدر چرواہے کے قریب اور آس پاس رہے گی اسی قدر وہ بھیڑیئے کی زد سے محفوظ رہتی ہے اور جس قدر دور ہوتی ہے، اسی قدر اس کی جان خطرے میں ہوتی ہے، پس بکری تب تک ہی امن میں رہے گی جب تک وہ چرواہے کے زیرِ نظر رہے، اور دور چلی جانے والی بکری پر بھیڑیا ضرور قابو پالیتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ قلب جس قدر اللہ تعالیٰ کے قریب ہوتا ہے اسی قدر اس سے ہر طرح کی آفات ومصائب دور رہتے ہیں اور جس قدر اللہ تعالیٰ سے دور ہوتا چلا جاتا ہے اسی قدر اس پر مختلف قسم کی آفتیں مصیبتیں قابو پالیتی ہیں۔ یاد رکھنا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ سے دور ہوجانے کے کئی مراتب ہیں۔

بعض مراتب بعض سے زیادہ سخت ہیں، مثلاً غفلت، یہ بھی اللہ تعالیٰ سے دوری کا سبب ہے، اور معصیت غفلت سے بڑھ کر دوری کا باعث ہے، اور بدعت یہ معصیت سے بھی بڑھ کر دوری کا موجب ہے، جبکہ نفاق اور شرک سب سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ سے بعد اور دوری کا ذریعہ ہیں۔

☆ گناہ کا ایک زبردست نقصان یہ ہے کہ گناہ سے گناہگار کی قدرومنزلت اللہ تعالیٰ اور اس کی مخلوق کی نظروں میں بالکل گر جاتی ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہی شخص سب سے زیادہ باعزت شمار ہوتا ہے جو سب سے زیادہ متقی ہو، اور سب سے زیادہ مقرب اس کے نزدیک وہی سمجھا جاتا ہے جو سب سے زیادہ فرمانبردار ہو، لہٰذا جس قدر انسان طاعت میں ترقی کرتا ہے۔ اسی قدر اللہ

کے نزدیک اس کا مقام ورتبہ بڑھتا ہے اور جب اس کی نافرمانی اور اس کے حکم کی خلاف ورزی کرنے لگتا ہے تو اس کی نظرِ رحمت سے محروم وساقط ہوجاتا ہے، پھر اللہ تعالیٰ بندوں کے دلوں سے بھی اس کی قدر نکال دیتے ہیں۔ جب اس کا لوگوں کی نظر میں یہ حال ہوجاتا ہے تو وہ اس کے ساتھ اسی کے مطابق سلوک کرنے لگتے ہیں جس کی وجہ سے وہ ایک بدترین زندگی، بدنامی اور ساقط الاعتبار ہوکر ذلیل ہوجاتا ہے، اسے پھر کسی قسم کی فرحت وخوشی حاصل نہیں ہوتی، کیونکہ ان حالات میں ہر قسم کا غم وحزن لازمی امر ہے، جس کے ساتھ کسی قسم کی خوشی نہیں ہوتی، اس رنج وغم کو لذتِ گناہ اور نشۂ شہوت کے ساتھ کیا نسبت ہوسکتی ہے؟ اور اللہ کی کسی بندہ کے لئے سب سے بڑی نعمت یہ ہے کہ وہ جہانوں میں نیک نام اور باعزت شمار کیا جائے، یہی وجہ ہے کہ اس نے اپنے انبیاء ورسل علیہم السلام کو ایک ایسی خاص عزت عطا فرمائی ہے جو کسی غیر کو حاصل نہیں ہوسکتی۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَاذْكُرْ عِبَادَنَا إِبْرَاهِيمَ وَإِسْحٰقَ وَيَعْقُوبَ أُولِي الْأَيْدِي وَالْأَبْصَارِ إِنَّا أَخْلَصْنَاهُمْ بِخَالِصَةٍ ذِكْرَى الدَّارِ﴾ (ص:۴۵،۴۶)

مطلب یہ ہے کہ "ہم نے ان انبیاء علیہم السلام کو ایک خاص خصوصیت بخشی ہے اور وہ ہے ذکرِ جمیل، جس کی وجہ سے وہ دنیا میں اچھے الفاظ میں یاد کئے جاتے ہیں اور ذکرِ جمیل سے وہی لسانِ صدق مراد ہے۔"

جس کے متعلق حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بارگاہِ رب

العزت میں یوں استدعا کی تھی:

﴿وَاجْعَل لِّيْ لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْآخِرِيْنَ﴾ (الشعراء:۸۴)

ایک دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ ان کے بارے میں فرماتے ہیں:

﴿وَوَهَبْنَا لَهُم مِّن رَّحْمَتِنَا وَجَعَلْنَا لَهُمْ لِسَانَ صِدْقٍ عَلِيًّا﴾ (مریم:۵۰)

اور اپنے محبوب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے اس طرح فرمایا:

﴿وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ﴾ (الم نشرح:۴)

ثابت ہوا کہ انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی کامل اتباع سے انسان اسی عزت واکرام کا وارث شمار ہوتا ہے جو انھیں حاصل تھی اور جو شخص ان کی مخالفت کرتا ہے وہ اپنی مخالفت کے مطابق اسی قدر ذلت کا مستوجب ہوتا ہے۔

گناہ انسان کو باعث مذمت بناتا ہے:

☆ نافرمانی کا ایک نقصان یہ بھی ہے کہ نافرمانی انسان کو عزت وتعریف کے القاب سے خالی اور عاری کر کے برے اور مذمت اور ذلت کے القاب سے ہمکنار کرتی ہے، چنانچہ مؤمن، نیک، مخلص، متقی، فرمان بردار، منیب، ولی، صالح، عابد، خائف، اوّاب اور پاکیزہ جیسے پیارے، معزز ناموں سے اس کو محروم کر کے فاجر، نافرمان، مخالف، بدکار، فسادی، خبیث، راندہ درگاہ، زانی، چور، قاتل، کاذب، خائن، لوطی اور دھوکہ باز جیسے برے القابات سے ملقب کرتی ہے۔ یہی وہ اسماء فسق ہیں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوقُ بَعْدَ الْاِيْمَانِ﴾ (الحجرات:۱۱)

''ایمان لانے کے بعد فسق کے برے نام ہیں۔''

☆ جو کہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی اور جہنم میں داخلے اور ذلت کی زندگی کے باعث ہیں۔ جبکہ اول الذکر اسماء رحمٰن کی رضا مندی، دخول جنت اور تمام نوعِ انسانی میں معزز کرنے کی سبب ہیں۔ گناہ کے اگر اور نقصانات نہ بھی ہوتے یہی برے ناموں سے پکارا جانا ہی کافی تھا اور اطاعت کے اور کوئی اجر وثواب نہ ہوتے تب بھی صرف انہی معزز ناموں سے موسوم ہونا ہی اطاعت کیلئے کافی تھا۔ مگر اصل بات یہ ہے کہ جس کو اللہ تعالیٰ اپنی عنایات سے نوازے اسے کوئی روکنے والا نہیں اور جس کو اللہ تعالیٰ نہ دینے پر آئے تو کوئی اسے دے نہیں سکتا، اور جس کو اللہ تعالیٰ اپنا قرب عطا فرمادے اسے کوئی اللہ تعالیٰ سے دور نہیں کرسکتا، اور جسے اللہ دور کرنا چاہے اس کو کوئی قریب نہیں کرسکتا۔

اور یہی قرآن مجید کا ارشاد ہے:

﴿وَمَنْ يُّهِنِ اللّٰهُ فَمَالَهٗ مِنْ مُّكْرِمٍ اِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَايَشَآءُ﴾ (الآیۃ:۱۸)

''جس کو اللہ ذلیل کرے اسے کوئی عزت دینے والا نہیں، اللہ جو چاہتے ہیں کرتے ہیں۔''

گناہ کا انسانی عقل پر اثر انداز ہونا:

☆ گناہ کا ایک نقصان یہ بھی ہے کہ گناہ عقل کو خاص طور پر کمزور کر دیتا ہے، چنانچہ دو عاقل اشخاص میں سے ایک اللہ تعالیٰ کے احکامات کو بجالانے والا

مطیع وفرمانبردار ہو اور دوسرا نافرمان ہو۔ اگر ان دونوں میں عقلی تقابل ہو تو مطیع وفرمانبردار شخص نافرمان کے مقابلے میں عقلی لحاظ سے کامل ہوگا۔ اس کی رائے درست اور فکر صائب ہوگی۔

یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم نے بھی عقل والوں کو اپنا مخاطب بنایا۔ (ارشاد باری تعالیٰ ہے)

﴿وَاتَّقُوْنِ یٰاُولِی الْاَلْبَابِ﴾

''اے عقل والو! مجھ سے ڈرو۔'' (البقرۃ:۱۹۷)

دوسری جگہ ارشاد ہے:

﴿فَاتَّقُوا اللّٰهَ یٰاُولِی الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾

''اے عقل والو! اللہ کا خوف اپنے اندر پیدا کرو تاکہ تم کامیابی سے ہم کنار ہو جاؤ۔'' (المائد)

ایک جگہ ارشاد ہے۔

﴿وَمَا یَذَّكَّرُ اِلَّا اُولُوا الْاَلْبَابِ﴾

''عقل والے ہی اللہ کی یاد کرتے ہیں۔'' (البقرۃ:۲۶۹)

اس کی بے شمار مثالیں قرآن کریم میں موجود ہیں۔ بھلا اس آدمی کو آپ کیسے کامل اور مکمل عقل والا قرار دے سکتے ہیں جو اپنے اس مالک کی نافرمانی کرتا ہے۔ جس کے گھر میں رہتا ہے۔ جس کے قبضہ قدرت میں ہے، اور ایک لمحہ کیلئے بھی ان کی نظروں سے اوجھل نہیں ہوسکتا۔ پھر بھی ان کے احکام کی خلاف ورزی کرتا ہے۔ ان ہی کی نعمتوں کو ان کی ناراضگی میں استعمال کرتا ہے، اور ہر وقت ان کے غضب لعنت، ان کے قرب سے دوری، ان کے دروازے سے دھتکارنے، ان کی بے توجہی اپنی ذلت ان کے دشمن سے دوستی، ان کی نظروں میں گرنے اور ان کی محبت ورضا سے محرومی کو

دعوت دیتا ہے۔ حالانکہ ان کے قرب میں آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔ ان کے جوار میں عظیم کامیابی ہے اوران کی طرف ایک نظر اولیاء اللہ کی جماعت میں شمولیت کا سبب ہے۔اس قسم کے بے شمار انعامات واکرامات نیک لوگوں کیلئے مخصوص ہیں۔

☆ بھلا وہ آدمی کیا عقلمند ہوگا جو ایک گھنٹہ یا ایک دن یا ایک مختصر زمانے کی بے حقیقت، خواب کی طرح گزرنے والی لذت کو عظیم الشان کامیابی، ہمیشہ باقی رہنے والی نعمتوں، دنیا وآخرت کی سعادتوں پر ترجیح دیتا ہو۔ ایسے آدمی کو تو مجنون کہنا چاہیے۔ بعض مجنونوں کی حالت بھی اس سے بدرجہا بہتر ہوتی ہے۔ اس لیے کہ مجنون کی آخرت تو محفوظ ہے۔ کیوں کہ وہ مرفوع القلم اور احتساب سے بری ہے۔ معاشی لحاظ سے گناہ کی تاثیر میں مطیع ونافرمان دونوں باہم شریک نہ ہوتے، توان کی عقل کا فرق خوب واضح ہوتا۔

اگر لوگوں کی عقلیں درست ہوتیں تو یقیناً جان لیتے کہ پاکیزہ زندگی، فرحت وسرور کی شیرینی اللہ تعالیٰ کی رضا مندی ہی میں مضمر ہے۔ اور تمام آلام وتکالیف اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کی وجہ سے ہیں، اللہ تعالیٰ کی رضا مندی میں آنکھوں کی ٹھنڈک، نفسوں کا سرور، دل کی حیات، ارواح کی لذت، پاکیزہ زندگی کی شیرینی اور ایسی پاک صاف نعمتیں ہیں کہ اس کی ذرہ کے برابر بھی پوری دنیا کی لذتیں نہیں ہوسکتی، بلکہ اس نعمت کی حلاوت کی تھوڑی مقدار بھی اگر دل کو میسّر ہوجائے تو دنیا وما فیھا کی ساری لذتوں کو اس پر قربان کردیگا۔

اللہ اکبر، کتنے کم عقل ہیں وہ لوگ جو موتیوں کو مینگنیوں اور مشک کو گوبر کے بدلے فروخت کرتے ہیں۔ اور شہداء، صدیقین اور صالحین (جن پر اللہ تعالیٰ کے انعامات کی بارش ہوتی ہے) کی مرافقت پر مغضوب علیھم اور ملعون لوگوں کی مرافقت کو ترجیح دیتے ہیں۔

فصل

گناہ اللہ تعالیٰ سے قطع تعلقی کا بھی سبب ہے:

☆ گناہ کی مضرتوں میں سب سے بڑی مضرت یہ بھی ہے کہ: وہ اللہ تعالیٰ اور بندے کے درمیان تعلق کو ختم کرنے کا موجب بنتا ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق جب ٹوٹ جاتا ہے تو خیر کے تمام راستے مسدود اور شر کے دروازے کھل جاتے ہیں۔ جب یہ کیفیت ہوتی ہے تو ایسے شخص کی فلاح کی امید کیسے کی جاسکتی ہے۔ جس سے بھلائی کے راستے بند اور شر و فساد کی راہیں کھل جائیں گی اور ایسے عظیم مولی سے قطع تعلق ہو جس کا انسان ہر لمحہ محتاج ہے، جس کی کوئی نظیر و بدل نہیں۔ اور اپنے سب سے بڑے دشمن سے ملے جو ہر وقت اسے نقصان وپہنچانے کی کوشش میں ہے۔ انسان کو معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ سے قطع تعلقی اور اس کے دشمنوں سے تعلق داری میں کس قدر آلام وآفات پوشیدہ ہیں۔

کسی بزرگ کا قول ہے: میں نے بندے کو اللہ تعالیٰ اور شیطان کے سامنے پڑا دیکھا: اللہ تعالیٰ اگر اس سے اعراض کریں تو فوراً شیطان اس پر قابو پاتا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کی رحمت اس کی طرف متوجہ ہوتی ہے۔ تو شیطان اس کے قریب تک نہیں آسکتا۔

فرمان باری تعالیٰ ہے:۔

﴿وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ اَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ وَذُرِّيَّتَهٗٓ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِيْ وَهُمْ لَكُمْ عَدُوٌّ بِئْسَ لِلظّٰلِمِيْنَ بَدَلًا﴾

(الکہف: ۵)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں نے تمہارے باپ (آدم) کو عزت دی، ان کے مرتبے کو بلند کیا۔ اپنی تمام مخلوق پر اس کو فضیلت دی اور ان کی عزت وتکریم کیلئے اپنے فرشتوں کو ان کے سامنے سجدہ ریز ہونے کا حکم دیا، تو انہوں نے میرے حکم کی تعمیل کی، مگر ان کے اور میرے دشمن ابلیس نے سجدہ کرنے سے انکار کرکے میری نافرمانی کی اور میری اطاعت سے نکل گیا۔ اس کے بعد تمہیں یہ کیسے زیب دیتا ہے کہ تم میری نافرمانی کرکے اس کے اور اس کی ذریت کے ساتھ دوستی کرو۔ میری مرضی کے خلاف اس کی پیروی کرو۔ حالانکہ وہ تمہارا سب سے بڑا دشمن ہے میں نے تو تمہیں اس کے ساتھ دشمنی کا حکم دیا اور تم اس سے دوستی کرتے ہو؟

اصل میں بات یہ ہے کہ بادشاہ کے دشمنوں کے ساتھ دوستی کرنیوالا بادشاہ کے دشمنوں میں شمار ہوتا ہے۔

کسی کی اطاعت ومحبت اس وقت تک مکمل نہیں ہوتی۔ جب تک اس کے دشمنوں سے دشمنی اور اس کے دوستوں کے ساتھ دوستی نہ ہو۔ تم بادشاہ کے دشمن کے ساتھ دوستی کرکے بادشاہ کی غلامی کا دم بھرتے ہو یہ کیسے ممکن ہے؟ جب صرف بادشاہ کے دشمن کے ساتھ دوستی نقصان کا باعث ہے تو اپنے حقیقی دشمن کے ساتھ دوستی کے نقصانات کا کیا اندازہ ہوگا۔ جبکہ تمہارے اور اس کی درمیان پائی جانے والی عداوت بکری اور بھیڑیئے کی باہمی عداوت سے بھی کئی گنا بڑھ کر ہے۔ تو ایک غافل کیلئے یہ کیونکر مناسب ہوگا کہ وہ اپنے اور اپنے حقیقی آقا (جن کے سواء کوئی اور آقا نہیں) کے دشمن کے ساتھ دوستی کا برتاؤ کرے۔

اس دوستی کی برائی پر اللہ تعالیٰ اس آیت کریمہ میں تنبیہ فرماتے ہیں۔ وَهُمْ لَكُمْ عَدُوٌّ (الکھف: ۵۰) اسی طرح دوسری جگہ ارشاد ہے: فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ ۔ جب یہ بات واضح ہوگئی کہ ابلیس کی رب تعالیٰ کے ساتھ عداوت اور ہمارے ساتھ دشمنی دونوں اس بات کا متقاضی ہیں کہ اس کے ساتھ دشمنی رکھی جائے تو پھر اس سے دوستی کیسی؟

﴿فصل﴾

گناہ بے برکتی کا بھی باعث ہے:

☆ گناہ کا ایک بڑا نقصان یہ بھی ہے کہ وہ طاعت، عمل، علم، رزق اور عمر کی برکتوں کو مٹا دیتا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ نافرمانی دین ودنیا کی برکتوں کے زوال کا سبب ہے، چنانچہ نافرمان کے دینی ودنیاوی امور اور اس کی عمر میں برکت نہیں ہوتی اور گناہوں ہی کی وجہ سے زمین سے برکتیں اٹھائی جاتیں ہیں۔ فرمان باری تعالیٰ ہے وَلَوْاَنَّا اَهْلَ الْقُرٰی آمَنُوْا واتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكَاتٍ مِنَ السَّمَاءِ والْاَرض۔ الاية

دوسری جگہ ارشاد باری ہے۔ وَاَن لَّوِ اسْتَقَامُوا عَلَى الطَّرِيْقَةِ لَاَسْقَيْنٰهم مَاءً غَدَقًا لِنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ۔ الاية۔ (الجن ۱۶،۱۷) ترجمہ: گناہ ہی کی وجہ سے ملنے والے رزق سے انسان محروم ہوتا ہے، آپ کا فرمان ہے۔

﴿ان روح القدس نفث فی روعی انه لن تموت نفس حتی تستكمل رزقها، فاتقوا الله واجملوافی الطلب، فانه لاینال ماعندالله الا بطاعته، وان الله جعل الروح والفرح فی الرضی والیقین وجعل الهم والحزن فی الشك والسخط۔ الحدیث﴾

''حضرت جبرئیلِ امین نے میرے دل میں یہ بات ڈال دی کہ ہر جان اپنا مقررہ رزق مکمل کر کے ہی مریگی۔ اپنے اندر خوف خدا پیدا کرو اور طلب رزق میں اعتدال سے کام لو، اور فرمانبرداری سے ہی اللہ تعالیٰ کی رحمتیں حاصل کی جاتی ہیں،

کیونکہ اللہ تعالیٰ نے خوشی اور فرحت کو اپنی خوشی اور رضا مندی کے ساتھ اور غم وحزن کو اپنی نافرمانی کے ساتھ جوڑ دیا ہے۔"

امام احمد کی کتاب الزہد سے منقول حدیث سابق میں گذری ہے جس میں یہ فرمایا گیا کہ

﴿انا اللہ اذا رضیت، بارکت ولیس لبرکتی منتھی، واذا غضبت لعنت ولعنتی تدرك السابع من الولد﴾

یعنی "میں ہی تمہارا پروردگار ہوں، برکت اس وقت نازل کرتا ہوں۔ جب راضی ہوتا ہوں۔ حالانکہ میری برکات بے انتہا ہیں اور جب ناراض ہوتا ہوں تو اپنی رحمت سے دور کرتا ہوں اور میری لعنت ساتویں پشت تک اثر انداز ہوتی ہے۔"

اور یہ بات بھی ذہن نشین رکھیں، کہ رزق وعمل کی وسعت ظاہری کثرت سے نہیں اور نہ ہی درازیٔ عمر سالوں اور مہینوں کی کثرت کا نام ہے بلکہ وسعتِ رزق اور طول عمر اس کی برکتوں سے تعبیر ہے۔

اور یہ بات بھی پہلے گزری ہے کہ عمر زندگی کی مدت کا نام ہے۔ اللہ تعالیٰ سے اعراض کر کے غیر اللہ میں مشغول ہونے والے کی زندگی ہی کیا ہوگی۔ بلکہ اس سے تو جانوروں کی زندگی بھی بدرجہا بہتر ہے۔ اور دل کی زندگی خالق کی معرفت، صرف ان ہی کی محبت، انہی کی عبادت، ان کی طرف رجوع ان کی یاد سے طمانیت اور ان کے قرب سے انسیت کے بغیر ممکن نہیں۔ اور جو اس قسم کی زندگی سے محروم ہے یقیناً وہ تمام بھلائیوں سے محروم ہے، اگرچہ اس کو دنیاوی آسایشیں بھی میسر ہوں بلکہ پوری دنیا و ما فیہا کی لذتیں مل کر بھی اس زندگی کا بدل نہیں ہوسکتیں۔ اس لئے کہ دنیا کی ہر چیز کا بدل مل سکتا ہے۔ مگر اللہ کا کوئی بدل، عوض ممکن ہی نہیں، اس لئے کہ محتاج

محض غنی مطلق کا بدل کیسا ہوسکتا ہے؟

عاجز بالذات قادر بالذات میں کیا تقابل؟ میت اور حی لایموت کی آپس میں کیا نسبت؟ مخلوق خالق کا ہمسر کیوں کر ہوسکتا ہے؟ شیطان کے ساتھ دوستی کے نقصانات کا کیا اندازہ ہوگا جبکہ تمہارے اور اس کے درمیان پائی جانے والی عداوت بکری اور بھیڑیئے کی باہمی عداوت سے بھی کئی گنا بڑھ کر ہے۔ معدوم شی ایک لازوال ذات کی جو ہمیشہ سے ہے اور کمالِ وجود اور کمالِ رحمت جس کے لازم ذات ہیں کیا برابری کرسکتی ہے؟ مالک ارض وسماء کا عوض ایسی چیز کیسے ہوسکتی ہے جو ایک مثقال بھر کی بھی مالک نہیں ہے؟

اللہ پاک کی نافرمانی اس لئے بے برکتی کا باعث ہے کہ گناہ سے شیطان کو انسان پر تصرف کرنے کا موقع ملتا ہے اور وہ اس تاک میں رہتا ہے کہ کسی طرح انسان سے گناہ کرا کے اس پر مکمل طور پر اثر انداز ہو۔ اس وجہ سے اس کا تعلق شیطان سے ہوجاتا ہے، اور جس شی کا تعلق اور جوڑ شیطان کیساتھ ہو اس سے برکت کا ہٹ جانا یقینی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کھانے پینے، سوار ہونے، غرض ہر کام کرنے سے قبل اللہ تعالیٰ کا نامِ مبارک لینے کا حکم دیا گیا ہے تا کہ اللہ تعالیٰ کے مبارک نام کیساتھ اتصال کی برکت سے شیطان دور ہو، اور وہ کام بابرکت اور مبارک ہو، اور جس کام کی ابتداء اللہ تعالیٰ کے نام سے نہ ہو اس میں برکت نہیں ہوتی ہے۔ اس لئے کہ ہر چیز میں برکت ڈالنے والی ذات صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ہے اور ساری کی ساری برکتیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں۔ جو چیز بھی اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہو وہ مبارک ہوتی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا کلام مبارک، ان کا رسول مبارک، ان پر ایمان لانے والا بندہ مبارک، ان کا گھر (بیت الحرام) مبارک، ان کی طرف منسوب سرزمینِ شام مبارک، جس کی برکت کو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی چھ آیات میں بیان

کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذاتِ اقدس خود بابرکت ہے اور جس چیز کی نسبت خاص اللہ تعالیٰ کی الوھیت ، ان کی محبت اور ان کی رضا کی طرف ہو وہ مبارک ہے۔ ویسے تو مخلوق ہونے کی حیثیت سے ہر چیز اللہ تعالیٰ ہی کی طرف ہی منسوب ہے اور جو چیز بھی اللہ تعالیٰ سے دور ہوجائے ذات کے قبیل سے ہو یا اقوالِ واعمال کے زمرے سے، اس میں برکت ہوتی ہے نہ خیرو بھلائی، اور جس چیز کی اللہ سے قربت ہوگی تو بقدر قرب اس میں برکتیں اور رحمتیں ہوں گی۔ اور برکت کی ضد لعنت ہے۔ لہٰذا جس شخص پر یا زمین پر یا جس عمل پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو وہ خیرو برکت سے کوسوں دور ہوگا، اور جس چیز کا شیطان کیساتھ جتنا تعلق وارتباط زیادہ ہوگا اتنی ہی اس میں بے برکتی ہوگی، اللہ تعالیٰ نے اپنے دشمن ابلیس کو ملعون بنایا، چنانچہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں اللہ تعالیٰ کی رحمت سے سب سے زیادہ دور ابلیس ہے لہٰذا جس کا جتنا تعلق ابلیس سے ہوگا وہ اتنا ہی اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور ہوگا۔ بس اس سے معلوم ہوا کہ عمر، رزق اور علم وعمل سے برکت اٹھ جانے میں سب سے بڑا دخل گناہوں کا ہے۔ لہٰذا انسان کو زندگی کا وہ لمحہ جس میں اللہ کی نافرمانی کی گئی ہو یا وہ مال جو اللہ کی مرضی کیخلاف استعمال ہو یا وہ بدن، جاہ ومنصب اور علم وعمل جو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں استعمال ہو انسان کیلئے وبالِ جان ہے، لہٰذا اس کی عمر، اس کا مال، اس کی قوت وعزت اور اس کے علم وعمل سے اس کو فائدہ جب ہوگا جبکہ ان کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں استعمال کرے۔ ورنہ بہت سے لوگ بظاہر زندگی سو سو سال گزارتے ہیں مگر اصل عمل جس سے فائدہ ہو دس سال بھی نہیں ہوتی۔ اسی طرح بعض لوگ سونے چاندی کے ڈھیروں کے بظاہر مالک ہوتے ہیں لیکن حقیقت میں ایک ہزار کے بھی مالک نہیں، یہی حال جاہ اور علم کا ہے ترمذی شریف میں آپ ﷺ کا فرمان ہے:

❁ الدنیا ملعونة وملعون مافیھا الا ذکر اللّٰہ وما والاہ

وعالم اومتعلم ﴾

''دنیا ملعون ہے اور جو کچھ اس میں ہے وہ بھی ملعون ہے سوائے ذکر اللہ یا ذکر اللہ کرنے والے اور عالم یا متعلم کے۔''

(رواہ ترمذی جلد نمبر۴ حدیث نمبر۲۳۲۲ وابن ماجہ جلد نمبر۲ ص۲۴۱۴)

گناہ انسان کو گھٹیا بنا دیتا ہے:

گناہ کا ایک نقصان یہ بھی ہے کہ وہ انسان کو اخلاق وکردار کے اعلیٰ مقام سے گرا کر اخلاقی گراوٹ کی پستیوں میں لا کھڑا کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق دو طرح کی پیدا کیے ہیں'' علیہ'' اونچے درجے یعنی فرسٹ کلاس کے لوگ اور'' سفلہ'' یعنی تھرڈ کلاس کے لوگ۔ اخلاق وکردار کے اعلیٰ صفات کے حامل اونچے درجے کے لوگوں کے لئے جنت کا اعلیٰ مقام علیین کو مقرر کیا اور اخلاق واطاعت سے خالی اور عاری نچلے طبقے کیلئے جہنم کا بدترین مقام اسفل السافلین کو تیار کیا ہے۔

اور اپنی اطاعت کرنے والوں کو دنیا وآخرت میں اعلیٰ مقام دیا ہے اور نافرمانوں کو دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی پست درجہ دیا ہے، اہل اطاعت کو اپنی تمام مخلوق میں معزز اور اہل عصیان کو تمام مخلوق میں ذلیل کیا ہے۔ عزت کو فرمانبرداروں کا مقدر اور ذلت کو نافرمانوں کے حصے میں رکھا ہے۔ اسی مضمون کو حضرت امام احمدؒ اپنی مسند میں حضرت عبداللہ بن عمرو کے حوالے سے نبی کریمؐ سے نقل کرتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

﴿بعثت بالسیف بین یدی الساعة وجعل رزقی تحت ظل رمحی ، وجعل الذل والصغار علی من

خالف أمری۔ الحدیث﴾

''مجھے تا قیامت جہاد کا حکم دیکر بھیجا گیا ہے میرے رزق میرے اسلحے سے وابستہ کردیا گیا ہے اور ذلت اور حقارت کو میرے مخالفین کا مقدر بنایا گیا۔'' (جامع الصغیر، طبرانی)

چنانچہ جب انسان ایک گناہ کا ارتکاب کرتا ہے تو ایک درجہ نیچے آتا ہے اس طرح وہ گناہوں کے مسلسل ارتکاب سے نیچے اترتا رہتا ہے یہاں تک کہ وہ گھٹیا طبقے میں شامل ہوجاتا ہے۔ جب کوئی نیک عمل کرتا ہے تو ایک درجہ بلند ہوجاتا ہے اور نیکی کرتے اور بلند ہوتے ہوتے سربلند اور اعلیٰ طبقہ کے لوگوں میں شمار ہوتا ہے۔ اسی طرح انسان اپنی مدت حیات کے اندر اسی اتار چڑھاؤ کے ساتھ زندگی گزارتا ہے اور مرتے وقت جس درجہ کے زیادہ قریب تر ہوتا ہے اس درجہ کے لوگوں میں شمار ہوتا ہے جس کا جو مقام ومرتبہ ہوگا وہی اسے ملے گا، کمی زیادتی ہرگز نہیں ہوگی۔

شبہ:

یہاں ذہن میں ایک شبہ پیدا ہوسکتا ہے وہ یہ کہ حدیث میں آتا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

﴿ان العبد یتکلم با لکلمة الواحدة لا یلقی لها بالا یهوی بها فی النار مابین المشرق والمغرب﴾

''بعض دفعہ انسان بے توجہی میں کوئی ایسی بات کہ ڈالتا ہے جس کی پاداش میں جہنم کے اندر اتنی گہرائی تک گرجاتا ہے کہ جتنا مشرق ومغرب کے درمیان میں بعد ودوری ہے۔''

(بخاری، مسلم، مسند احمد)

اور جب انسان اپنی اصلی حالت سے مشرق ومغرب اور زمین وآسمان کے بعد سے بڑھ کر گر جائے اور بلندی سے پستی کی طرف اتنا زیادہ نزول کرے تو دوبارہ اپنے اصلی مقام مین نیکیوں کے ذریعے ایک ایک درجہ بڑھنا کیسے ممکن ہوگا؟

جواب: غلطیوں کا پتلا ہونے کی وجہ سے انسان کیلئے روحانی اقدار سے نیچے اترنا لازمی امر ہے، لیکن بعض دفعہ اس پستی کی طرف آنا لاپرواہی اور غفلت میں گناہ کرنے کی وجہ سے ہوتا ہے۔ مگر جب اس غلطی پر تنبیہ اور بیداری ہوتی ہے اور غلطی کا شدت سے احساس ہوتا ہے اور نادم ہوتا ہے تو نہ صرف دوبارہ اپنے سابقہ درجے کی طرف عود کرتا ہے، بلکہ اس سے بھی بلند مقام تک پہنچ سکتا ہے۔ لہٰذا اس نزول کی مختلف صورتیں ہیں، بعض دفعہ مباحات کی طرف نزول کرتا ہے تو وہ جب بھی اطاعت کی طرف آتا ہے تو اپنے درجے میں دوبارہ آجاتا ہے اور کبھی اس تک نہیں پہنچ پاتا اور کبھی سابقہ درجے سے بھی آگے بڑھ جاتا ہے۔ کبھی گناہ صغیرہ کبیرہ کی طرف نزول کرتا ہے تو اس صورت میں اپنی حالت میں دوبارہ آنے کیلئے سچی توبہ اور انابت الی اللہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ البتہ اس بات میں علماء کے درمیان اختلاف ہے کہ گناہوں سے توبہ کرنے کے بعد آیا انسان اپنے سابقہ درجے تک دوبارہ پہنچ سکتا ہے یا نہیں؟ بعض فرماتے ہیں کہ بعداز توبہ اپنے اصلی مقام میں دوبارہ آجاتا ہے۔ اس لیے کہ توبہ گناہ کے نشانات تک کو مٹادیتی ہے۔ بلکہ اسے کالعدم بنادیتی ہے، لیکن بعض کے نزدیک گناہوں سے تائب ہونے کے بعد دوبارہ سابقہ اعلیٰ درجہ کی طرف عود نہیں کرسکتا۔ اس لیے کہ توبہ سے گناہ کی پاداش میں پہنچنے والی سزا تو معاف ہوسکتی ہے۔ مگر گناہ سے پہلے جس اعلیٰ درجہ پر فائز تھا اس تک دوبارہ نہیں پہنچ پائے گا، اس لیے کہ گناہ کے ارتکاب سے پہلے نیک اعمال کے ذریعے ترقی کی راہ پر گامزن تھا، ترقی پر ترقی ہورہی تھی۔ جبکہ ایک آدمی سارا مال لگا کر نفع حاصل کرے جو مال زیادہ ہوتو منافع بھی زیادہ ہوتا ہے مال کم ہو منافع بھی کم ہوگا اسی طرح گناہ کرنے کی وجہ سے سابقہ حالت میں آبھی

جائے تو جس رفتار پر بلندی کی طرف رواں دواں تھا اس میں کمی ضرور آئی گی لہٰذا سابقہ حالت میں آنے کے باوجود بھی نقصان ہر حال میں ہوگا۔ بعض حضرات نے اس کی مثال یوں بیان کی ہے کہ دو شخص دو مختلف لا متناہی سیڑھیاں چڑھ رہے ہوں اور دونوں برابر برابر زینوں میں راہِ ترقی میں مگن ہوں اسی دوران ان میں سے ایک، ایک زینہ آگے بڑھنے کی بجائے نیچے اتر جائے اگرچہ ایک ہی زینہ کیوں نہ ہو، پھر اوپر کی طرف زینہ بزینہ چڑھنا شروع کرے تو یقینی بات ہے کہ ان میں جو مسلسل آگے بڑھتا رہا ہے وہ یقیناً آگے نکال جائے گا اس صورت میں نیچے اتر کر آگے جانے والا یقیناً پیچھے ہی رہے گا یہ کوئی کم نقصان ہے؟ حضرت شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہؒ نے اس مسئلے (توبہ کے بعد سابقہ درجے پر آئے گا یا نہیں؟) کا یوں محاکمہ کیا ہے وہ فرماتے ہیں: اصل میں توبہ کرنے والے ہی تین طرح کے ہوتے ہیں، بعض تو توبہ کے ذریعے سابقہ درجہ کیا اس سے بھی آگے نکل جاتے ہیں، اور بعض اُسی درجہ پر دوبارہ پہنچتے ہیں اور بعض تو سابقہ مقام پر دوبارہ نہیں پہنچ پاتے ہیں۔ میرے نزدیک توبہ کرنے والوں کے درمیان یہ فرق توبہ کی قوت وضعف کی وجہ سے ہے، چنانچہ ارتکاب گناہ کے بعد دل میں خشوع، خضوع، انابت الی اللہ، عذاب الٰہی کا خوف آنکھوں میں خشیت کے آنسو ہوں تو توبہ میں قوت پیدا ہوتی ہے اس قسم کی توبہ سے تائب اپنے سابقہ مرتبے سے بھی کئی گناہ آگے نکلتا ہے اور گناہ سے پہلی کی حالت سے بدرجہا بہتر حالت میں ہوتا ہے، گویا یہ گناہ اس کے لئے باعث رحمت بن گیا، اس لئے کہ گناہ کی وجہ سے دل میں خوف پیدا ہوا اور اپنی غلطی کا احساس ہوا اور خود پسندی کی بیماری اس سے دور ہوگئی۔ اپنے اعمال پر گھمنڈ جاتا رہا۔ اپنے رب کی چوکھٹ پر ذلت وانکساری کا سر رکھا، ان کی قدر کو پہچان لیا، اپنی احتیاجی، اپنا فقر، اپنی ضرورت کو اپنے رب کے دربار میں پیش کیا اور ان کے عفوو کرم اور درگزر پر یقین نصیب ہوا۔ اسی گناہ ہی کے سبب اپنے اعمال صالحہ پر اترانا ختم ہوا، اعمال کے سلسلے میں دوسروں کو اپنے سے کم تر سمجھنے کا خیال دل سے محو ہوا، گناہ

ہی کی وجہ سے اپنے رب کے سامنے سر جھکانے شرمانے، ڈرنے، اپنی اطاعت کو کم تر اور گناہ کو بڑا سمجھے ہوئے خطا کاروں کے مقام میں کھڑے ہونے کی توفیق ہوئی اپنے نفس کی کمزوری اور برائی اور رب تعالیٰ کو یکتا، باکمال اور قابل تعریف سمجھنے کا احساس ہوا، جیسا کہ کسی شاعر کا قول ہے:

استأثر الله بالوفاء وبالحمد وولى الملامة الرجلا

ترجمہ: حمد وثنا اللہ کیلئے خاص ہے اور ملامت انسان کیلئے ہے۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو بھی نعمت ملی خود کو اس کا اہل نہیں سمجھا، بلکہ خود کو اس سے کم تر اور نعمت الٰہی کو برتر سمجھا اور جوں ہی مصیبت، آفات وبلیات سے دو چار ہوا اپنے نفس کو اس کا مستحق سمجھا اور ان آفات اور بلیات کو اپنے جرم وگناہ سے کم تر گردانا اور یہ سوچا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے گناہ کی سزا جرم سے بہت کم دے کر اس کے ساتھ احسان کا معاملہ کیا۔ بس حقیقت بھی یہی ہے کہ گناہ کی جو سزا ہے اس کو تو بڑے مضبوط پہاڑ بھی برداشت نہیں کر سکتے۔ چہ جائیکہ کمزور وناتواں اسے برداشت کر لے، کیونکہ وہ عظیم ذات جس سے بڑھ کر کوئی عظیم نہیں، وہ کبیر ذات جس سے بڑھ کر کوئی کبیر نہیں، وہ جلیل القدر ہستی جن سے بڑھ کر کوئی ہستی نہیں ان سے بڑھ کر کوئی جمیل وخوبصورت نہیں اور تمام چھوٹی بڑی نعمتیں انہی کی طرف سے ہیں۔ ان کی نافرمانی (اگرچہ کم ہو) کرنا انتہائی قبیح اور سخت قابل مذمت ہے۔ یہ تو عام سی بات ہے کہ بڑے بڑے معزز سر برآوردہ لوگوں کی نافرمانی کو سب لوگ، کافر ہوں یا مسلمان حتی کہ گھٹیا قسم کے لوگ بھی انتہائی بداخلاقی اور قابل مذمت سمجھتے ہیں تو پھر زمین وآسمان کے مالک وخالق کی نافرمانی کتنی قبیح اور کتنی شنیع اور قابل مذمت اور قابل سزا جرم ہوگی، مگر اصل میں بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ان کے غضب پر اور ان کی بخشش ومغفرت ان کی عقوبت وسزا پر غالب ہے، ورنہ ذرا سی ناشائستہ حرکت پر زمین اس کو ریزہ ریزہ کر کے ہموار کر دیتی۔ اللہ تعالیٰ کی ذات حلیم اور غفور ورحیم نہ ہوتی، تو

انسانوں کے گناہوں کی وجہ سے زمین آسمان تک ہل جاتے، فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ان اللّٰہ یُمسِکُ السموت والارض ان تزولا ولئن زالتا ان امسکھما من احد من بعدہ انہ کان حلیماً غفورًا﴾

ذرا آیت کے آخری دولفظوں ''حلیم''، ''غفور'' میں غور کیجئے کہ اگر اللہ کا اپنے گنہگاروں بندوں کے ساتھ حلم وبخشش کا معاملہ نہ ہوتو کیا یہ زمین وآسمان اپنی جگہوں پر قائم رہ سکتے؟

بعض لوگوں کی نافرمانی کے متعلق ایک دوسری جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿تکاد السموات یتفطرن منہ وتنشق الارض وتخر الجبال﴾

اللہ تعالیٰ نے ہمارے ماں باپ (حوا وآدم علیہما السلام) کوصرف ایک لغزش کی وجہ سے جنت سے نکال دیا، اور ابلیس لعین کوصرف ایک گناہ اور ایک حکم کے انکار پر راندہ درگاہ کیا۔ مگر ہم احمقوں کی جنت میں رہتے ہیں۔ بقول شاعر:

نصل الذنوب الی الذنوب ونرتجی درج الجنان الذی النعیم الخالد

ولقد علمنا اخرج الا بوین من ملکوتہ الاعلی بذنب واحد

☆ ہم گناہوں پر گناہ کر کے جنت النعیم کے امیدار بنے بیٹھے ہیں۔ حالانکہ ہم بخوبی جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمارے ماں باپ (آدم وحواء) کوصرف ایک گناہ کی پاداش میں جنت سے نکال دیا ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ انسان بسا اوقات توبہ کی برکت سے بھی آگے سابقہ حالت کی طرف ترقی کرجاتا ہے اور بعض دفعہ گناہ اس کی ہمت کو پست اور اس کے

عزم کو کمزور اور اس کے دل کو بیمار بھی کر دیتا ہے، ایسی صورت میں توبہ کی یہ دوا مکمل طور پر کارگر نہیں ہوگی اور اپنے سابقہ صحت پر دوبارہ نہیں لا سکے گی، اور کبھی توبہ سے اس کی روحانی صحت دوبارہ بحال ہو جائے گی اور مقام رفتہ دوبارہ حاصل کر لیتا ہے یہ سب کچھ تب ہے جب کہ ایمان برقرار رہے لیکن اگر اصل ایمان میں شکوک وریب اور نفاق پیدا ہو تو نیکی کے ذریعہ روحانی ترقی کی طرف عود اس وقت تک نہیں کر سکتا جب تک تجدید ایمان اور تجدید اسلام نہ کرے۔

گناہ دشمن کے جری ہونے کا بھی سبب ہے:

☆ گناہ کا ایک نقصان یہ بھی ہے کہ جس کے اندر اس کو نقصان پہنچانے کی جرأت نہ ہو وہ بھی اس پر حملہ آور ہونے کی جسارت کرتا ہے، چنانچہ شیاطین تکلیف پہنچانے، دل میں وساوس اور غم ڈالنے، اہم مصلحتوں کو بھلا دینے اور اللہ تعالیٰ سے غافل کرنے پر جری ہو جاتے ہیں۔ جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ وہ شیطان کے ورغلانے میں آ کر اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کر بیٹھتا ہے۔ اس طرح شیطان بھی اس کو نقصان پہنچانے پر دلیر ہوتا ہے اور نقصان پہنچا دیتا ہے۔ حتیٰ کہ بیوی بچے خدام، پڑوسی اور جانور تک نافرمانی پر اتر آتے ہیں۔ کسی بزرگ کا قول ہے۔ ﴿انی لاعصی اللہ فاعرف ذالك فی امرأتی ودابتی﴾ جب مجھ سے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہوتی ہے تو اس کا اثر اپنی بیوی اور سواری کے اخلاق سے پہچان لیتا ہوں گناہ کے سبب سے حکمران بھی سزا دینے پر اتر آتے ہیں حتیٰ کہ خود اس کا نفس اس کے خلاف شیر ہو جاتا ہے اور اس کی خلاف ورزی کرتا ہے، چنانچہ کسی نیکی کی طرف نفس کو لگا دے تو نہیں لگتا اور نافرمانی کرتا ہے اور بلکہ اسے کھینچ کر

ہلاکت کی طرف لے جاتا ہے وہ چاہے یا نہ چاہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری وہ محفوظ قلعہ ہے جس میں داخل ہوکر انسان تمام آفات وبلیات اور مشکلات سے محفوظ ہوجاتا ہے انسان جب محفوظ قلعہ سے جدا ہوتا ہے تو چور، ڈاکو وغیرہ اس پر حملہ آور ہونے کی جرأت کرتے ہیں تو انسان جتنی نافرمانیاں کرنے لگتا ہے اتنے ہی مصائب وآفات اس پر حملہ آور ہونے لگتے ہیں۔ اسی طرح انسان کیلئے ان حملہ آوروں کو دفعہ کرنے اور ان کے ساتھ مقابلہ کرنے کیلئے اپنے اندر قوت پیدا کرنا چاہئیے اس لئے کے انسان کی نیکیوں اور برائیوں کے اثرات وموجبات کا آپس میں مسلسل ٹکراؤ اور مقابلہ رہتا ہے لہٰذا جو قوت بھی غالب ہوگی نفس پر اس کی حکمرانی چلے گی۔ جب بھی نیکیوں کی وجہ سے اندر قوت مضبوط ہوگی تو مدافعت بھی مضبوط ہوگی اور اللہ تعالیٰ بھی ایسے لوگوں کی مدافعت فرماتے ہیں۔ چونکہ قول وعمل سے ایمان میں قوت وطاقت آجاتی ہے لہٰذا جتنے نیک اعمال زیادہ ہوں گے اتنا ایمان مضبوط اور قوی ہوگا، ایمانی قوت کے مطابق ہی انسان کے اندر دفاعی قوت پیدا ہوتی ہے۔ (واللہ المستعان)

گناہ پست ہمتی کا بھی سبب ہے:

☆ گناہ کا ایک نقصان یہ بھی ہے کہ وہ انسان کی سب سے زیادہ ضرورت کی چیز کے حصول میں رخنہ ڈالتا ہے۔ وہ اس طرح کہ ہر انسان کیلئے اپنے معاد اور معاش کے متعلق نفع نقصان کی پہچان ضروری ہے۔ اور اس کے تمام پہلوؤں پر درک رکھنے والا شخص ہی لوگوں میں عالم ودانا جانا جاتا ہے، اور لوگوں میں سب سے قوی اور ہوشیار بھی وہی ہے جو اپنے نفس پر مکمل

حاوی، مضبوط قوت ارادی رکھنے والا اور نفس کو اپنے فائدے کے لئے استعمال اور اپنے نقصان سے روکنے والا ہو۔ اور نفس پر حاوی ہونے کے اعتبار سے لوگوں کی علمی سطح ان کے ہمتوں اور مرتبوں میں فرق کیا جاتا ہے، چنانچہ تمام لوگوں میں سب سے زیادہ سمجھدار وہ ہے جو سعادت اور شقاوت کے اسباب سے واقف ہو، ان میں سب سے زیادہ ہدایت یافتہ وہ ہے جو اسباب سعادت کو اسباب شقاوت پر ترجیح دینے والا ہو، جیسا کہ سب سے زیادہ گمراہ شقاوت کے اسباب کو سعادت کے اسباب پر فوقیت دینے والا ہے۔

☆ لہٰذا انسان کی سب زیادہ ضرورت کی چیز سعادت وشقاوت کے اسباب کو جاننا ہے۔ اور ہمیشہ باقی رہنے والی عالیشان خوش نصیبی کو جلد ختم ہونے والی اورادنیٰ قسم کے نصیب وسرور پر ترجیح دینے کی سمجھ بوجھ رکھنا ہے۔ اس میں گناہ ہی سنگ راہ ہے دونوں جہانوں میں نفع بخش اور اعلیٰ وارفع علم میں مشغول ہوکر کمال پیدا کرنے کی راہ میں بھی گناہ ہی انسان کو پست ہمت بنا دیتاہے، چنانچہ جب انسان کسی ناپسندیدہ معاملے میں الجھ کر اس سے نکلنا چاہیے تو کم ہمتی، اس کے دل وجان اور اعضاء اس کی اطاعت سے روگردانی کریں گے۔ اس کی حالت بالکل اس شخص کی سی ہوگی جس کے پاس ایک زنگ آلود اپنی میان سے چپکی ہوئی تلوار ہو جو کھینچنے کے باوجود اس سے جدا نہ ہوتی ہو۔ اس دوران اس کا دشمن اس کو قتل کرنے کیلئے اس کے سامنے آجائے اور وہ اپنی اس تلوار کے دستے کی طرف ہاتھ بڑھائے اور تلوار کو میان سے جدا کرنے کی سعی کرے اور وہ جدا نہ ہو اور اس دوران دشمن اس پر زور آزمائی کرکے اپنے مقصد میں کامیاب ہوجائے، بالکل یہی

کیفیت دل کی ہے جو گناہوں کی وجہ سے زنگ آلود اور نیم جان ہوتا ہے۔ جب (شیطان اور نفس جیسے) دشمنوں کے ساتھ لڑائی کا وقت آ جائے تو اپنے پاس کچھ بھی نہیں پائے گا۔ جبکہ اس دشمن سے لڑائی، اس پر حملہ آوری اور پیش قدمی، دل ہی کے ذریعے ہوتی ہے اور اعضاء وجوارح تو محض دل کے تابع ہیں۔ جب بادشاہ ہی قوت مدافعت سے عاری وخالی ہو تو اس کے توابع کیا خاک مقابلہ کریں گے۔ اس طرح گناہ اور خواہشات کی وجہ سے نفس میں خبث اور ضعف پیدا ہوگا۔ یہاں نفس سے میری مراد نفس مطمئنہ ہے۔ ورنہ نفس امارہ تو گناہوں کی وجہ سے مزید قوی اور جری ہو جاتا ہے، جب نفسِ امارہ میں قوت آتی ہے تو نفس مطمئنہ کمزور وناتواں ہو جاتا ہے۔ اس صورت میں انسان پر نفسِ امارہ ہی کی حکومت چلتی ہے۔ گناہوں کی کثرت کے سبب سے بسا اوقات نفس مطمئنہ پر ایسی موت طاری ہو جاتی ہے کہ اس کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کی امید ہی نہیں ہوتی، اور اگر اس میں کچھ زندگی رہی بھی، تو بھی صرف تکالیف محسوس کرنے کی حد تک۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ گناہ گار بندہ جب کسی شدت، تکلیف، غم، آفات وبلیات میں مبتلا ہو جاتا ہے تو اس کا دل اس کی زبان اور اس کے اعضاء کسی بھی نفع بخش چیز کے حصول کے سلسلے میں اس کا ساتھ دینے کیلئے (گناہوں کے سبب پست ہمت ہونے کی وجہ سے) تیار نہیں ہوتے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کے حضور تذلل وانکساری، تضرع، خاطر جمعی، انابت الی اللہ اور توکل علی اللہ کیلئے دل تیار نہیں ہوتا اور نہ ہی زبان ذکر اللہ کیلئے اس کا کہنا مانتی ہے۔ اگر زبان سے ذکر کے الفاظ کہہ بھی دے تو دل نہ صرف ساتھ نہیں دیتا، بلکہ زبانی ذکر کیلئے رکاوٹ بھی بنتا ہے۔ اس سلسلے میں اگر

اعضاء وجوارح سے مدد لینے کی کوشش کرے تو وہ بھی بات ماننے اور ساتھ دینے کیلئے تیار نہیں ہوتے۔ یہ بالکل ایسا ہے جیسا کہ ایک شخص کے پاس دفاع کیلئے فوج ہو اور وہ اس فوج کی قوت کی طرف توجہ نہ دے اور غفلت کرکے فوج کی قوت کو ضائع کردے، اور دشمن کے حملہ آور ہونے کے وقت اگر ان سے مدد کے لئے کہے تو وہ فوج اسلحہ قوت کے بغیر کیا دفاع کریگی بلکہ یہ انتہائی خوفناک منظر ہوگا، لیکن اس سے بھی خوفناک اور خطرناک منظر مرتے وقت (خطرناک دشمن ابلیس کے اپنی پوری قوت کے ساتھ حملہ کے وقت) ظاہر ہوگا۔

اس لئے کہ گناہوں کی نحوست کی وجہ سے انتقال کے وقت بعض دفع زبان کلمہ طیبہ کہنے سے قاصر ہوتی ہے، چنانچہ میں نے بہت سے لوگوں کو مرتے وقت دیکھا ہے۔ ایک شخص سے کہا گیا: لاالہ الا اللہ پڑھو۔ تو کہنے لگا کہ آہ، آہ میں نہیں پڑھ سکتا۔ دوسرے سے کہا گیا کہ کلمہ پڑھو تو لا الہ الا اللہ کہنے کے بجائے ''شاہ رخ غلبلٹ'' کہتے ہوئے مرگیا۔ تیسرے شخص سے بھی لا الہ الا اللہ پڑھنے کو کہا گیا تو

یارب قائلة یوما ، وقد تعبت كيف الطريق الى الحمام المنجاب

کے الفاظ کہتا ہوا انتقال کرگیا۔ ایک اور سے لا الہ الا اللہ پڑھنے کو کہا تو گانا گانے لگا۔ اور اس طرح اس دنیا سے کوچ کرگیا۔ ایک کو کلمہ طیبہ کی تلقین کی گئی تو کہنے لگا کلمہ پڑھنے سے مجھے کوئی فائدہ نہیں ہوگا اس لئے کہ میں نے ساری زندگی گناہ میں گذاری ہے۔ اور ایک بار کلمہ پڑھنے کی ترغیب دی گئی تو کہنے لگا کے جو اس کو پڑھے گا وہ کافر ہوگا۔ ایک سے کہا لاالہ الا اللہ پڑھو تو کہنے لگا: میں تو کہنا چاہتا ہوں مگر زبان پر کلمہ جاری نہیں ہوتا۔

ایک بہکاری کے بارے مجھے بتایا گیا کہ جب اس کو کلمہ کی تلقین کی گئی تو بجائے کلمہ طیبہ پڑھنے کے فلس للہ، فلس للہ (اللہ کیلئے پیسہ دو اللہ کیلئے پیسہ دو) کے الفاظ کہتے کہتے موت کے منہ میں چلا گیا۔

ایک تاجر کے بارے اس کے ایک رشتہ دار نے جو اس کے جان کنی کے وقت اس کے پاس حاضر تھا مجھے بتایا: کہ جب اس کو کلمہ طیبہ پڑھنے کو کہا گیا تو بجائے لا الہ الا اللہ کہنے کے یہ کہنے لگا کہ یہ چیز سستی ہے یہ اچھی ہے اس کی اتنی قیمت ہے کے الفاظ کا ورد کرتا ہوا دار آخرت کی طرف انتقال کر گیا۔ سبحان اللہ اس جیسے عبرت کے کتنے مشاہدے لوگوں نے کیے ہیں۔ مگر یہ ان کی ظاہری حالت ہے جو حالت خفیہ گذر رہی ہے وہ اس سے بھی بڑھ کر ہے۔

ذرا غور کیجئے کہ اعضاء وجوارح میں قوت، ادراک میں کمال اور ذہن کے حاضر ہونے کے باوجود جب شیطان اس پر قابو پائے اور اپنی خواہش کے مطابق اس سے اللہ کی نافرمانی کرائے اور اس کے دل کو اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل، زبان کو ذکر الٰہی اور اعضاء وجوارح کو اطاعت سے روک دے تو کیا خیال ہے کہ قوت کے ختم ہونے اور قلب ودماغ اور نفس کے جان کنی کی سخت تکلیف میں مبتلا ہوتے وقت قابو نہ پا سکے گا؟ جب کے اس آخری وقت میں ایمان کو سلب کرنے کیلئے شیطان اپنی پوری طاقت کو یکجا کر کے بھرپور کوشش کرتا ہے، تو اس وقت شیطان انتہائی مضبوط اور طاقت ور اور مرنے والا شخص انتہائی کمزور و ناتوان ہوگا۔ جب مضبوط طاقت کی موجودگی میں نہ بچ سکا تو سخت کمزوری وعاجزی کے وقت شیطان کے داو اور حملے سے محفوظ ہو سکے گا؟ مگر انسان ایمان کے ساتھ عمل صالح کرتا رہے تو اللہ تعالیٰ اس آخری فیصلہ کن وقت میں بھی اس کی مدد فرماتے ہیں چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيَاةِ

الدُّنيَا وَفِي الاٰخِرَةِ وَيُضِلُّ اللّٰهُ الظَّالِمِيْنَ وَيَفْعَلُ اللّٰهُ مَايَشَاءُ﴾

تو اللہ تعالیٰ اس شخص کو کیسے حسنِ خاتمہ کی توفیق عطا فرمائیں گے جس کا دل ہمیشہ اللہ کی یاد سے غافل، زبان یاد الٰہی سے خالی اور اعضاء وجوارح اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے عاری، گناہ میں منہمک ہوں؟ ایسے شخص کے خاتمہء خیر پر ہونے کے امکانات تو بہت کم ہیں۔

آخر خاتمہ کے خوف نے بڑے بڑے پرہیز گاروں کی کمریں توڑ ڈالی ہیں۔ جبکہ نافرمانوں کے اعمال سے ایسا لگتا ہے گویا وہ ایمان کے شاہی فرمان حاصل کر چکے ہیں۔

(۱) یاأمنامع الفعل منه أهل   اتاك توقيع من اين انت تملكه؟

(۲) جمعت شيئين، امنا واتباع هو   هذا واحد اهافى المرء تهلكه

(۳) والمحسنون على درب المخاوف قد   ساروا و ذلك درب لست تسلكه

(٤) فرطت فى الزرع وقت البذر من سيفه   فكيف عند حصاد الناس تدركه

(٥) هذا، واعجب شى فيك زهدك فى   دار البقاء بعيش سوف مستركه

(٦) من السفينة اذا بالله انت ام ال   مغبون فى البيع عناسوف تدركه

(۱) اے برے فعل پر مامون ہونے والے! کیا تیرے پاس کوئی اس سے بچ نکلنے کی دستاویز ہے، یا تو اس کا مالک ہے۔

(۲) تم نے تو بے خوفی اور خواہشاتِ نفس دونوں کو جمع کیا ہوا ہے حالانکہ ان میں سے ایک بھی ہلاکت کیلئے کافی ہے۔

(۳) یہ لوگ تو خوف کی زندگی گذار رہے ہیں اور غلطی کے باوجود اس حالت میں ہو جس پر تو ہے

(۴) تم نے تو تخم ریزی کے وقت اپنی نااہلی سے غلطی کی ہے۔ کٹائی کے وقت تمہیں کیا ملے گا۔

(۵) اس سے زیادہ عجیب تر یہ ہے کہ تو ہمیشہ باقی رہنے والی زندگی کو ترک کر کے ناپائیدار زندگی اپنا رہا ہے۔

(۶) ذرہ بتایئے تو کون خسارے میں ہے؟ تو یا وہ جسے دنیاوی کاروبار میں خسارہ ہو۔ عنقریب تجھے اس کا ادراک ہوجائے گا۔

فصل

گناہ زوالِ بصیرت کا بھی باعث ہے:

☆ گناہ کا ایک نقصان یہ بھی ہے کہ وہ دل کی بصیرت کو زائل کردیتا ہے۔ اگر بالکل زائل نہ کردے تو کمزور ضرور کردیتا ہے اور یہ بھی واضح ہے کہ گناہ سے دل کا کمزور ہونا لازمی امر ہے۔ جب دل کے کمزور ہونے کے ساتھ بصیرت بھی زائل ہوجائے تو حق کی معرفت اور اس کو اپنے اوپر اور دوسروں پر نافذ کرنے کی قوت بقدر زوالِ بصیرت ختم ہوجاتی ہے۔

☆ انسانی کمال کا مدار دو اصولوں پر ہے۔ ایک حق و باطل کی معرفت، دوسرا حق کو باطل پر ترجیح دینے کی طاقت۔ اور اللہ تعالیٰ کے ہاں انسان کا دنیا اور آخرت کے مراتب میں فرق وتفاوت ان دو اصولوں پر عمل کرنے اور نہ کرنے کے اعتبار سے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی تعریف ان دو اصولوں پر مکمل عمل پیرا ہونے پر یوں بیان کی ہے:

﴿وَاذْكُرْ عِبَادَنَا اِبْرَاهِيْمَ وَاِسْحَاقَ وَيَعْقُوْبَ اُولِي الْاَيْدِيْ وَالْاَبْصَارِ﴾

''ہمارے خاص بندوں، ابراہیم، اسحاق اور یعقوب کو یاد کرو جو قوت اور بصیرت والے تھے۔'' (ص:۴۵)

یہاں ''اَلایدی'' سے حق کو مکمل نافذ کرنے کی قوت اور ''الابصار'' سے دینی بصیرت مراد ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرات انبیاء کرام کی توصیف حق وہدایت کے مکمل ادراک اور اس کو مکمل طور پر نافذ کرنے کی بناء پر کی ہے۔

حق کی پہچان اور اس کو نافذ کرنے کے اعتبار سے لوگوں کی چار قسمیں ہیں۔

پہلی قسم سو فیصد حق کو سمجھنے والے اور سو فیصد ہی اس کو نافذ کرنے والے ہیں اور یہ حضرات انبیاء کرام کا طبقہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے ہاں تمام مخلوق میں سب سے اشرف وارفع اور معزز ہیں۔

دوسری قسم: اس کا عکس ہے یعنی دین کے معاملے میں انتہائی بے بصیرت اور حق کی تنفیذ میں انتہائی کمزور ہے۔ اکثر عوام کا طبقہ اسی قسم میں داخل ہے۔ اور یہ طبقہ معاشرت و روح کی پژمردگی، دل کی بیماری، معاملات میں بے ضابطگی کا باعث ہے۔

تیسری قسم: ان لوگوں کی ہے جو حق وباطل کی معرفت اور بصیرت کے حامل تو ہیں مگر حق کو اپنے اور دوسروں پر نافذ کرنے اور لوگوں کو حق کی طرف بلانے کی طاقت نہیں رکھتے۔ یہ کمزور مومنین کا طبقہ ہے۔ جبکہ اللہ تعالیٰ کو قوی مومن پسند ہے۔

چوتھی قسم: میں وہ لوگوں ہیں جو قوت تنفیذ، ہمت وبصیرت تو نہیں رکھتے، البتہ تھوڑی بہت بصیرت کے حامل ہوتے ہیں، مگر اولیاء الرحمٰن اور اولیاء الشیطان میں

فرق نہیں کر سکتے۔ بلکہ ہر کالی چیز کو کھجور، ہر سفید چیز کو چربی، ہر بھنی ہوئی کو گوشت، اور زبردست مفیدہ دواء کو زہر قاتل سمجھتے ہیں۔ یہ طبقہ بھی دینی مقتداء بننے کی اہلیت نہیں رکھتا ہے۔

دینی مقتداء بننے کا حقدار صرف اور صرف پہلا طبقہ ہی ہے جو کمالِ انسانی کے دونوں اصولوں سے مکمل متصف ہے۔ اسی کو اللہ تعالیٰ اس آیت میں یوں ذکر فرماتے ہیں۔

﴿وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اَئِمَّةً يَهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا وَكَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يُوْقِنُوْنَ﴾

''صبر کرنے کی وجہ سے ہم نے ان میں سے مقتدا بنائے تھے جو ہمارے حکم سے رہنمائی کرتے تھے اور ہمارے آیات پر یقین کرتے تھے۔'' (السجدہ:۲۴)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ فرمارہے ہیں: یہ لوگ صبر اور یقین ہی کی بدولت دینی پیشوائی کے مستحق ٹھرے۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے جملہ خاسرین سے مستثنیٰ قرار دیا اور زمانے کی قسم کھا کر فرمایا:

﴿وَالْعَصْرِ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ﴾

(العصر:۱،۳)

مطلب یہ ہے۔''حق کی معرفت اور اس پر ثابت قدم رہنے پر اکتفا نہ کیا بلکہ ایک دوسرے کو حق کی وصیت اور حق کی طرف رہنمائی اور حق پر عمل پیرا ہونے کی ترغیب کو بھی لازمی قرار دیا، اور مذکورہ صفات سے خالی لوگوں کو ناکام اور خاسر قرار دیا گیا۔''

یہ بات بھی روز روشن کی طرح واضح ہوگئی کہ گناہ اور نافرمانیاں نورِبصیرت کو ختم کردیتی ہیں۔ جب دل کی آنکھوں کی بینائی ختم ہوجائے تو کماحقہ حق کا ادراک نہیں کرسکے گا اور جب قوتِ ارادی کمزور وضعیف ہوجائے تو حق پر ثابت قدم رہنا اور صبر کرنا دشوار ہوگا بلکہ یہ حالت مسلسل رہنے کی وجہ سے معاملہ الٹا بھی ہوگا۔ چنانچہ حق کو باطل، باطل کوحق، معروف کومنکر اور منکر کومعروف جانے گا۔ ہدایت اور صراط مستقیم پر چلنے کے بجائے ان لوگوں کے راستہ پر چلنے لگے گا جو دنیاوی زندگی میں خوش اور اس میں مگن ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے غافل اور اللہ تعالیٰ کی ملاقات کی استعداد کھو چکے ہیں۔ یہ سب کچھ گناہوں کے ارتکاب کی وجہ سے ہی ہوتا ہے۔

چنانچہ گناہوں کے اور نقصانات نہ بھی ہوتے صرف یہی ایک نقصان ان کو ترک کرنے اور ان سے کوسوں دور رہنے کیلئے کافی ہے۔(واللہ المستعان)

(اگر گناہ انسان کو گھٹا ٹوپ اندھیریوں میں دھکیل دیتا ہے) تو طاعت وفرمانبرداری دل کومنور، مجلّٰی، مصفی کردیتی ہے۔ یہاں تک کے دل صفائی وستھرائی میں شیشے کی مانند ہوجاتا ہے اور نور سے بھر جاتا ہے۔ چنانچہ شیطان اگر اس کے قریب آنے کی کوشش کرتا ہے تو وہ نور شہابِ ثاقب کی طرح اس کولگتا ہے تو شیطان خوف زدہ ہوکر بھاگ نکلتا ہے۔ بلکہ وہ انسان شیطان کو بری طرح گرادیتا ہے۔ جس پر دوسرے شیاطین جمع ہوکر پوچھنے لگتے ہیں: یار تمہاری یہ حالت کیوں کر ہوئی؟ تو کہنے لگتا ہے کہ ایک انسان سے پالا پڑا تھا۔ اس نے میری یہ حالت کردی ہے۔

فیا نظرۃ من قلب حرمنور　　　　یکادلھا الشیطان بالنور یحرق

(ایک مومن کے دل کا نور کیا ہی عجیب ہے کہ وہ شیطان کوبھی جلا ڈالتا ہے)

ذرا غور کیجئے۔ کیا اس مصفی مجلی ومنور دل کی وہ دل برابری کرسکتا ہے جوگھٹا ٹوپ اندھیروں اور مختلف خواہشاتِ نفسانی کے اندر گھرا ہوا ہے اور جس کو شیطان نے

اپنا وطن اور مسکن بنا رکھا ہے۔ کسی نے کہا کہ تم ایسے شخص سے دوستی کرتے ہو جو دنیا وآخرت دونوں میں ناکام ہے؟

قرينك في الدنيا وفي الحشر بعدها   فانت قرين لي بكل مكان

فان كنت في دار الشقاء فانني   دأنت جميعا في شفاء وهوان

''میں دنیا وآخرت میں تمہارا ہمنشین ہوں اور تو بھی ہر جگہ میرا مصاحب ہے اگر تم جہنم میں داخل ہوجاؤ گے تو ہم اکٹھے اس میں ذلت وبدبختی کی زندگی گذاریں گے۔''

فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَنْ يَعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطَاناً فَهُوَلَهٗ قَرِينٌ۔ وَاِنَّهُمْ لَيَصُدُّوْنَهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُهْتَدُوْنَ۔ حَتّٰى اِذَا جَآءَ نَاقَالَ يٰلَيْتَ بَيْنِيْ وَبَيْنَكَ بُعْدَ الْمَشْرِقَيْنِ فَبِئْسَ الْقَرِيْنَ۔ وَلَنْ يَنْفَعَكُمُ الْيَوْمَ اِذْظَلَمْتُمْ اَنَّكُمْ فِي الْعَذَابِ مُشْتَرِكُوْنَ﴾ (الزخرف:۳۶/۳۹)

مطلب یہ ہے۔''اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: جس نے ذکر یعنی قرآن کریم سے صرف نظر کیا اور اندھا بنا، اس میں تدبر کرکے اس کو سمجھ کر اللہ تعالیٰ کی مراد کی معرفت حاصل کرنے سے روگردانی کی، تو اللہ تعالیٰ سزا کے طور پر ایک شیطان کو اس پر مسلط کرے گا۔ یہ اٹھتے بیٹھتے چلتے پھرتے، سفر وحضر غرض ہر وقت اس کا ہمنشین ہوگا حتی کہ اس کا دوست اور اس خاندان میں شامل ہوگا۔''

رضیعا لبان ام تقا سما باسحم داج عرض، لانتفرق

''ایک ہی ماں کا دودھ پینے والے بھائیوں نے قسم کھائی کہ وہ آئندہ کبھی بھی ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوں گے۔''

اس کے بعد اللہ فرماتے ہیں: کہ شیطان اپنے اس دوست، ساتھی و ہمنشین کو اللہ تعالیٰ اور جنت تک پہنچانے والے صراط مستقیم پر چلنے سے روک کر غلط راستے پر ڈالے گا اور وہ سمجھے گا کہ میں راہ ہدایت پر ہوں اور یہ سلسلہ چلتا رہے گا یہاں تک روز قیامت آئے گا۔

دونوں ہمنشین آمنے سامنے ہوکر ایک دوسرے سے کہیں گے۔ کاش کے ہمارے درمیان مشرق ومغرب کی دوری سے بھی زیادہ دوری ہوتی۔ تو دنیا میں میرا بدترین ساتھی ومصاحب تھا۔ تم نے ہی مجھ کو راہِ حق سے ہٹا کر گمراہ کردیا اور اغواء کرکے ہلاکت میں ڈالا، اور آج بھی تم میرے بدترین ہم نشین ہو۔

جب انسان کسی مصیبت میں مبتلا ہوتا ہے اور دوسرے لوگ بھی اس مصیبت میں شریک ہوتے ہیں۔ تو ایک گونہ تکلیف میں تخفیف اور کچھ تسلی سی ہوتی ہے کہ میں اکیلئے اس مصیبت میں مبتلا نہیں ہوں بلکہ دوسرے لوگ بھی شریک ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ قیامت کے دن ان لوگوں کے لئے ذرا برابر بھی تخفیف وتسلی نہیں ہوگی حالانکہ دنیا میں مصیبت اگر عام ہوجائے تو سب لوگوں کے شریک ہونے کی وجہ سے تکلیف میں کچھ کمی محسوس ہوتی ہے۔ ان لوگوں کو اتنی بھی آسانی میسر نہیں آسکتی جیسا کہ خنسفا اپنے بھائی صحر کے بارے کہتی ہے۔

فلولا کثرت الباکین حولی علی اخوانھم لقتلت نفسی

وما یبکون مثل اخی ولکن اعزالنفس عنہ بالتاسی

''اگر میرے آس پاس اپنے بھائیوں پر رونے والوں کی

کثرت نہ ہوتی تو میں خودکشی کرتی حالانکہ وہ میرے بھائی کی طرح عظیم بھائیوں کیلئے نہیں رو رہے ہیں مگر پھر بھی اس سے نفس کو کچھ تسلی ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے جہنمیوں سے اس ذرا سی تسلی کو بھی ہٹا کر اعلان کیا:

﴿وَلَنْ يَنْفَعَكُمُ الْيَوْمَ اِذْ ظَلَمْتُمْ اَنَّكُمْ فِي الْعَذَابِ مُشْتَرِكُوْنَ﴾'' (الزخرف:۳۹)

ترجمہ:''اور آج تمہیں وہ ہرگز نفع نہیں دے گا جب تم نے ظلم کیا، تم عذاب میں شریک ہو۔

گناہ زبردست دشمن بھی ہے:

گناہ کا ایک نقصان یہ بھی ہے کہ وہ انسان کے دشمن (شیطان) کیلئے طاقت وسہارا، لڑائی کے وقت میں دشمن فوج کو تازہ دم کرنے اور کمک پہنچانے کا کام کرتا ہے۔ وہ اس طرح کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو ایک ایسے دشمن کے ساتھ مبتلا کیا ہے کہ جو پلک جھپکنے کی مقدار بھی اس سے جدا نہیں ہوتا نہ سوتا ہے اور نہ ہی اس سے غافل ہے۔ وہ اپنے سارے لشکر کے ساتھ انسان کو دیکھتا ہے، مگر انسان اسے نہیں دیکھ پاتا۔ اپنا سارا زور ہر وقت ہر آن اس کی دشمنی میں صرف کرتا ہے۔ اس کے خلاف سازش کرنے اور اس تک پہنچنے میں کوئی بھی دقیقہ فروگذاشت نہیں کرتا۔

اس سلسلے میں جنسی اور انسی شیطانوں سے مدد بھی لیتا ہے۔ اس نے بے خبری میں ہلاک کرنے کے لئے مختلف قسم کے پھندے تیار کر رکھے ہیں۔

اس کے آس پاس کانٹے اور جال بچھا رکھے ہیں، اور اس نے اپنے

کارندوں سے کہہ رکھا ہے کہ تمہارا اور تمہارے باپ کا یہ دشمن تم سے بچ نکلنے نہ پائے۔ یہ نہ ہو کہ وہ جنت میں جا کر مزے کرے اور تمہارا ٹھکانہ جہنم ہو۔ اس کے حصے میں رحمت آئے اور تم لعنت کے مستحق ہو جاؤ۔ تم یہ خوب جانتے ہو، کہ میری اور تمہاری یہ ذلت، رحمت الٰہی سے دوری اور ملعون ہونا اسی انسان ہی کے سبب سے ہے۔ تو بھی انسان کو اپنے ساتھ اس ذلت و مصیبت میں شریک کرنے کیلئے بھرپور کوشش کر۔ ہم اس کی وجہ سے جنت سے محروم کر دیئے گئے ہیں تو یہ بھی جنت میں نہ جانے پائے۔

تو دیکھئے! کہ اللہ تعالیٰ نے اس دشمن اور اس کی تمام کارستانیوں اور سازشوں اور طریقہ واردات سے ہمیں باخبر کیا ہے اور اس کے ساتھ سخت دشمنی کرنے اور اس کے ساتھ مقابلہ کرنے کا بھی ہمیں حکم دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: آدم اور اس کی اولاد کو اس دشمن کے ذریعہ آزمائش میں ڈالا گیا اور اس دشمن کو ان پر مسلط کر کے اس کے مقابلے کیلئے فوج اور لشکر بھی فراہم کیا گیا ہے، اور ان کے دشمن کو لاؤ لشکر سے لیس کر کے اس مختصر عمر (جو آخرت کے مقابلے میں ایک سانس کے برابر بھی نہیں) میں جہاد کا بازار گرم کرنے کے لئے کہا، اور مؤمنین سے جنت کے بدلے ان کی جانیں خرید لیں، جو اللہ کے راستے میں مریں گے اور ماریں گے، اور یہ بھی بتا دیا کہ آسمانی کتابوں توراۃ، انجیل اور قرآن میں اس وعدے کا پکا اور سچا ہونا مذکور ہے، اور یہ بھی بتا دیا کہ اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر وعدہ پورا کرنے والا کوئی نہیں۔ پھر اس معاہدے سے خوش ہونے کا حکم دیا۔ جو بھی اس معاہدے کی قدر جاننا چاہے تو اسے چاہئے کہ وہ غور و فکر کرے کہ کس کے ہاتھوں اپنی جان فروخت کر رہا ہے اور یہ بھی سوچ لے اس جان کے بدلے کیا چیز اسے مل رہی ہے۔ اور یہ بھی دیکھے کہ معاہدہ کس کے ہاتھوں اور کس کے سامنے ہو رہا ہے۔ بتائیے اس عظیم معاہدے سے بڑھ کر اور کوئی بڑی کامیابی ہو سکتی ہے؟ اور اس تجارت سے

بڑھ کر کوئی تجارت نفع بخش ہو سکتی ہے؟ پھر اس معاہدے کو ان الفاظ کے ساتھ مؤکد کیا۔

﴿یَا أَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّکُمْ عَلٰی تِجَارَةٍ تُنْجِیْکُمْ مِنْ عَذَابٍ أَلِیْمٍ۔ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُجَاهِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِکُمْ وَأَنْفُسِکُمْ، ذٰلِکُمْ خَیْرٌ لَّکُمْ اِنْ کُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ۔ یَغْفِرْ لَکُمْ ذُنُوْبَکُمْ وَیُدْخِلْکُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ وَمَسٰکِنَ طَیِّبَةً فِیْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ذٰلِکَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ۔ وَاُخْرٰی تُحِبُّوْنَهَا نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَفَتْحٌ قَرِیْبٌ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِیْنَ﴾ (الصف:۱۰۔۱۳)

''مطلب یہ ہے۔اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب مؤمن بندے پر اس دشمن کو اس لئے مسلط کیا ہے کہ جہاد اللہ تعالیٰ کو زیادہ محبوب ہے اور جہاد کرنے والے اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے اعلیٰ وارفع مخلوق ہیں، اور اللہ تعالیٰ کے قریب تر لوگ ہیں، اور اللہ تعالیٰ نے اس جہاد کا جھنڈا دل کو عطا فرمایا جو معرفت الٰہی، محبت وعبودیت خداوندی، اخلاص، توکل علی اللہ، انابت کا محل ومرکز اور انسان کا خلاصہ ہے۔ اور اس جنگ کے تمام امور دل کے حوالے کردئے۔ اور مسلسل ساتھ دینے والے فرشتوں کے ذریعے اس کو مزید تقویت دیکر مضبوط کیا۔ آیت ذیل میں اس کا تذکرہ موجود ہے۔''

﴿لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ مِنْ بَیْنِ یَدَیْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ یَحْفَظُوْنَهٗ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ﴾ (الرعد:۱۱)

''ہر شخص کی حفاظت کیلئے کچھ فرشتے مقرر ہیں اس کے آگے اور پیچھے اللہ کے حکم سے اس کی حفاظت کرتے ہیں۔''

یہ فرشتے یکے بعد دیگرے اس کے پاس آتے رہتے ہیں۔ ایک جاتا ہے تو

دوسرا حاضر ہوتا ہے۔ یہ اعمال صالحہ پر انسان کو مضبوط کرتے ہیں۔ بھلائی و نیکی کا حکم دیتے ہیں اور نیکی کی ترغیب اور نیکی پر برقرار رہنے کی تلقین کرتے رہتے ہیں۔اور کہتے ہیں بس ایک لمحے کی تکلیف پر صبر کرکے ہمیشہ کی راحت حاصل کرو۔

اس کے علاوہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی وحی اور کلام کے ذریعے اس کو تقویت بخشی۔ اپنے رسول کو کتاب عظیم دیکر اس کے پاس مبعوث فرما کر مزید قوت عطا فرما کر اس کی بھرپورا مداد کی۔ پھر عمل کو اس کیلئے وزیرومدبر، معرفت کو خیر خواہ مشیر، ایمان کو کیے گئے وعدوں کا مؤید ومعاون اور یقین کو امور کے حقائق کیلئے کاشف بنایا۔ جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ اپنی جماعت کو دشمنوں کے ساتھ جہاد کرنے کا حکم دیتے ہیں اور عقل اس کی فوج کے معاملات کی تدبیر کرتی ہے۔ نیز معرفت امور حرب اور اسباب جنگ کی تیاری اور اس کے لئے مناسب جگہ کا تعین کرتی ہے۔ ایمان کے ذریعے وہ اس جنگ میں ثابت قدم، مضبوط اور صابر ہوتا ہے۔ اور یقین، دشمن پر حملہ کرنے اور اقدام کرنے کا حوصلہ عطاء کرتا ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس قسم کی لڑائی کرنے والے کو ظاہری وباطنی قوتوں سے مالا مال فرما کر بھی مدد کی چنانچہ ان کو اس فوج کا ہر اول دستہ بنایا اور کان کو خبر پہنچانے والا، زبان کو ترجمان اور ہاتھ پیروں کو معین ومددگار بنایا، حاملین عرش اور عام فرشتوں کو اس کے لئے استغفار کرنے کو کہا چنانچہ فرشتے استغفار کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ سے اس کے لئے دخول جنت اور برائیوں سے بچنے کی دعائیں بھی کرتے ہیں۔

اس کی طرف سے دفاع کرنے کا اللہ تعالیٰ نے خود ذمہ لیا اور فرمایا:

﴿هؤلاء حزبي﴾ یہی لوگ میری جماعت ہیں، اور اللہ تعالیٰ کی جماعت ہی کامیاب ہوگی۔

فرمان الٰہی ہے:

﴿أُولٰئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ أَلَآ إِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾ (المجادلۃ:۲۲)

''یہی لوگ میری فوج ہے، اور غلبہ میری فوج ہی کو ہوتا۔''

اور فرمایا

﴿وَإِنَّ جُنْدَ نَا لَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ﴾ (الصفت:۱۷۲)

''اور میری فوج ہی کامیاب ہوگی۔''

اللہ تعالیٰ اس جہاد کا طریقہ اور اس کی کیفیت بھی بتادی، جس کو ان چار الفاظ میں جمع فرمایا، چنانچہ فرماتے ہیں:

﴿یٰأَیُّهَا الَّذِینَ اٰمَنُوا اصْبِرُوا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ﴾ (آل عمران:۲۰۰)

ان چار اصولوں (صبر، مصابرہ، مرابطہ اور تقویٰ) پر عمل کیے بغیر دشمن پر مکمل کامیابی نہیں ہوسکتی، چنانچہ صبر، مصابرہ کے بغیر نہیں ہوسکتا۔ مصابرہ کہتے ہیں دشمن کے سامنے ڈٹ جانے کو۔ جب دشمن کے سامنے سینہ سپر ہوکر ڈٹ جائے تو ایک اور چیز کی ضرورت ہوتی ہے۔ وہ ہے مرابطہ، نیز مرابطہ کہتے ہیں دل کی سرحد کو لازم پکڑنا اور اس کی حفاظت کرنا تا کہ دشمن (شیطان) اس میں داخل نہ ہونے پائے۔ اس طرح آنکھ، کان، زبان، پیٹ، ہاتھ اور پیر کی سرحدات کی حفاظت بھی مرابطے میں داخل ہیں، یہی وہ راستے ہیں جہاں سے دشمن اندر داخل ہوکر فساد مچاتا ہے۔

انہی سرحدوں کی حفاظت اور نگاہ داشت کا نام مرابطہ ہے۔

ذرا غور فرمائیں: حضرات صحابہ کرام، انبیاء کرام و مرسلین کے بعد تمام مخلوقات سے افضل ترین لوگ صحابہؓ ہیں۔ اور شیطان کے داؤ پیچ اور سازشوں سے سب سے زیادہ واقف تھے اس کے باوجود اس جگہ سے ہٹ گئے جہاں سے نہ ہٹنے کا

انہیں حکم دیا گیا تھا۔ جس کے سبب سے جو کچھ ہوا وہ آپ کے سامنے ہے۔ ان تینوں (صبر، مصابرہ، مرابطہ) کا مدار تقویٰ وللھیت پر ہے، چنانچہ صبر، مصابرہ اور مرابطہ بغیر تقویٰ کے بے سود ہیں، اور تقویٰ کا حصول صبر کے بغیر ممکن نہیں۔

دو لشکروں کا تصادم:

اپنے اندر دو لشکروں کے تصادم وٹکراؤ پر ذرا غور کیجئے کے کس طرح یکے بعد دیگرے ایک دوسرے پر غلبہ پاتے ہیں؟ ہوتا یوں ہے کہ دنیائے سازش کا بادشاہ (شیطان) اپنے تمام لاؤ لشکر کے ساتھ انسانی دل پر اپنا تسلط جمانے کیلئے متوجہ ہوا تو دل کو اپنے قلعے میں کرسئ مملکت پر براجمان پایا جو اپنا حکم نافذ کر رہا تھا اور اپنی فوج کے مضبوط حصار میں موجود تھا جو اس کی طرف ہر آنے والے دشمن کے ساتھ قتل وقتال میں مصروف ہے۔ تو مضبوط حصار، مدد ومعاون فوج کی کثرت کے سبب دل پر تسلط جمانا اس کے محافظین میں سے کسی ایک کو مدہوش وکمزور کئے بغیر ممکن نہ ہوا تو شیطان نے دل کے کسی ایسے خاص مدد ومعاون جو شیطان کیلئے بھی نرم گوشہ رکھتا ہو کے بارے دریافت کیا۔ تو اسے بتایا گیا تو وہ نفس ہی ہوسکتا ہے۔ تو اس نے اپنے کارندوں سے کہا کہ نفس کے مطلوب کے راستے اس کے اندر داخل ہونے کی کوشش کرو۔ اس کی محبوب چیزوں اور محبت کے مواقع کو معلوم کر کے اس کیلئے مہیا کرو۔ حصولِ محبوب کی امید دلاؤ خواب اور بیداری ہر حالت میں محبوب کی صورت اسے دکھا کر نشے میں مست کردو۔ جب وہ اس میں مست ہوجائے تو خواہشات کے درندوں اور اس کے اغواء کاروں کو اس پر چھوڑ دو۔ پھر انہی کے وساطت سے اس کو اپنی طرف کھینچتے رہو۔ جب نفس مدہوش ہوکر دل کا ساتھ دینے کی بجائے تمہارے ساتھ دینے لگے تو سمجھ لو ہاتھ، پیر، منہ، زبان، کان اور آنکھ کی سرحدوں پر تمہارا قبضہ ہوگیا۔ تو ان سرحدوں پر اپنا قبضہ خوب مضبوط کرو۔ جب تم ان سرحدوں کی راہ سے دل میں داخل

ہو جاؤ گے تو دل کو مردہ یا خواہشات کا قیدی یا زخموں سے چور چور پاؤ گے۔ لہٰذا ان سرحدوں کو اپنے افراد سے خالی نہ ہونے دینا۔ ایسا نہ ہو کہ تمہاری غفلت کی وجہ سے کوئی قافلہ دل میں داخل ہو کر تمہیں اس سے بے دخل کر دے۔ لہٰذا دل پر جب تمہارا غلبہ مضبوط ہو جائے تو اپنی فوج میں مزید اضافہ کرنے اور دل کو کمزور سے کمزور تر کرنے کیلئے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کرو۔ تمہارے کسی بھی مخالف کی دل تک رسائی نہ ہو۔ اگر دل تک پہنچ بھی جائے تو اتنا کمزور ہو کہ اس کا آنا نہ آنا برابر ہو۔

آنکھ کی سرحد:

جب ان تمام (آنکھ، کان، زبان وغیرہ) سرحدات پر تمہارا قبضہ ہو جائے تو آنکھ کی طرف خاص طور پر توجہ دو کہ کہیں وہ ان آنکھوں کے ذریعے عبرت کی نظر سے نہ دیکھے، بلکہ اگر چوری چھپے دیکھ بھی لے تو تفریح، غفلت اور کھیل کی نظر سے اس میں فساد ڈال دو۔ اگر کہیں عبرت کی نظر سے دیکھنے کی کوشش کرے تو غفلت ظاہری خوبصورتی اور شہوت کے ذریعے اسے خراب کر دو۔ کیوں کہ اس کا تعلق اور قرب دل سے زیادہ ہے۔ لہٰذا آنکھ کی طرف خاص توجہ دو۔ اس کے ذریعے تم اپنے مطلوب ومقصود کو آسانی سے پا سکو گے۔ اس لئے کہ میں نے بنی آدم کو سب سے زیادہ خراب آنکھ کے ذریعے ہی کیا۔ انسان کو بہکانے کیلئے میرا طریقہ واردات یہ ہے کہ سب سے پہلے آنکھ ہی کے ذریعے اس کے دل پر خواہشات وشہوات کے بیج بو کر امیدوں کے پانی سے اس کی آبیاری کرتا ہوں۔ پھر مسلسل یہ عمل کرتا رہتا ہوں۔ یہاں تک اس کا ارادہ پختہ ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اسے محفوظ قلعے سے شہوات وخواہشات کی لگام کے ذریعے آہستہ آہستہ نکال لیتا ہوں۔ لہٰذا تم بھی ان راہوں سے ہرگز غافل نہ ہونا۔ اس کو خراب اور کمزور کرنے کیلئے اپنی ساری توانائیاں کام لانے کی بھرپور کوششیں کرتے رہنا۔ آنکھ کی اہمیت کو اس کے دل سے نکال لو اور اس سے

کہدو، حسن ظاہر پر نظر تمہیں خالق کی تسبیح اور اس کی تخلیق میں غور وفکر کی طرف دعوت دیتی ہے۔ ان صورتوں کو اللہ تعالیٰ نے دیکھنے کیلئے پیدا کیا ہے۔ ان آنکھوں کو بیکار پیدا نہیں کیا ہے، اور نہ ان صورتوں کو آنکھوں سے چھپانے کیلئے تخلیق کیا ہے۔ اگر کسی کم علم اور فاسد العقل پر تمہارا قبضہ ہوجائے تو اس سے کہدو یہ صورتیں حق تعالیٰ کی قدرت کے مظاہر ہیں، اور اللہ تعالیٰ کی تجلیات کے مقامات ہیں تو اس کی طرف اس کا میلان ہوتو اسے وحدۃ الوجود کی طرف دعوت دو۔ اگر اسے قبول کرنے سے پس وپیش سے کام لے تو حلول کی طرف بلاؤ۔ تاکہ وہ اس کی طرف آکر عیسائیوں کی طرح عقائد رکھے۔ اس کے بعد اسے عفت، صیانت، عبادت، دنیا سے بے رغبتی کی طرف لانے کی کوشش کرو۔ اسی شخص کے ذریعے جاہلوں کا خوب شکار کرو۔ جو اس طرح کام کریگا وہ تیرا سب سے بڑا جانشین اور میری فوج کا سپہ سالارِ اعظم ہوگا جبکہ میں بھی اس کی فوج کا ایک ادنیٰ سپاہی ہوں گا۔

کان کی سرحد:

اس بات کا خاص خیال رکھو کہ کہیں کان کی راہ سے تمہارے کام میں بگاڑ پیدا کرنے والی کوئی بات اس کے دل کے اندر داخل نہ ہوجائے، اور خاص طور پر اس بات کی طرف توجہ مبذول کرو کہ کان کے اندر باطل اور غلط باتوں کے علاوہ کوئی اور بات نہ جانے پائے۔ کیوں کہ باطل چیزیں نفس کیلئے مرغوب ہوتی ہیں۔ اس کیلئے شریں الفاظ تلاش کرو جو اس کو رام کردیں، اور نفس کی پسندیدہ چیزوں کی اس میں آمیزش کرو۔ اس کے ساتھ اس کی دلچسپی اگر بڑھ جائے اور انہماک پیدا ہوجائے، تو اس جیسی مزید غفلت میں مبتلاء کرنے والی باتیں اسے سناؤ۔ اگر اس کے اندر کسی اور چیز کو اچھا سمجھنے کا داعیہ پیدا ہوتو اس کو دوسری طرف متوجہ کرکے زائل کرو۔

اور اس پر نظر رکھو کہ کانوں کی راہ کلام اللہ، حدیثِ رسول اللہ یا علماء کی کوئی

نصیحت اندر نہ جانے پائے۔ اگر تمہاری کوشش وممانعت کے باوجود مذکورہ صدر میں سے کوئی بات اندر داخل ہو بھی جائے تو اس پر غور کرنے اور سمجھنے کی راہیں مسدود کردو۔ اس کو بڑھا چڑھا کر طبیعت پر بڑا بوجھ بنا کر پیش کرو۔ تا کہ وہ اس پر عمل نہ کرسکے اور یہ کہو کہ یہ کام کرنے کا نہیں ہے، کام وہ کرو جو لوگوں کے ہاں مرغوب اور قابل تحسین ہو۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ تم باطل کو ہر اس صورت میں اس کے اندر داخل کرو جو اس کے لئے قابل قبول ہو اور آسان وسہل ہو اور حق کو اس سے نکالنے کا ہر وہ طریقہ اختیار کرو جو اس کے لئے حق کو ناپسند کرنے میں مدومعاون ہو۔ تو یہ ہیں جنسی شیاطین کے ورغلانے اور حق سے دور کرنے کے طریقہ ہائے واردات۔ اگر آپ اس بات کو مزید سمجھنا چاہتے ہیں تو ان کے بھائی انسانی شیاطین کے اندازِ فساد کو گہری نظر سے دیکھو کہ وہ انسان کو فضولیات اور لوگوں کی غلطیوں کے پیچھے ڈال کر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے کس طرح نکالتے ہیں؟ اور کس طرح لوگوں کے اندر فتنے بر پا کر دیتے ہیں؟ اور لوگوں کو سنت پر عمل کرنے سے نکال لیتے ہیں؟ اور اللہ تعالیٰ کیلئے جسم وتشبہ ثابت کر کے اللہ تعالیٰ کے بارے میں خود اللہ تعالیٰ کے بیان کردہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان فرمودہ عقائد سے کس طرح اسے خارج کرتے ہیں؟

مخلوقات پر اللہ تعالیٰ کے علو اور استواء علی العرش کو تحیز (فروکش ہونے) کا نام دیتے ہیں، اور آسمانِ دنیا پر اللہ کے نزول کو حرکت وانتقال سے تعبیر کرتے ہیں۔

قرآن کریم میں یداللہ، وجہ اللہ، جیسے الفاظ سے اللہ تعالیٰ کے لئے اعضاء وجوارح ثابت کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے افعال کو حادث اور آپ کی صفات کو اعراض کہتے ہیں۔ پھر ان امور کی نفی کو اللہ تعالیٰ کی عدمی صفات کے ساتھ جوڑ لگا کر کمزور بصیرت والے ناتجربہ کار، جاہل قسم کے لوگوں کو وہم میں ڈال دیتے ہیں اور کہتے ہیں: کہ قرآن وسنت نے اللہ تعالیٰ کے لئے جو صفات بیان کی ہیں وہ ان امور کو مستلزم ہیں۔ اور اس غلط نظریئے کو تنزیہ اور تعظیم کے خوبصورت ٹائیٹل کے ساتھ پیش کرتے

ہیں۔ چونکہ اکثر لوگ جاہل ہیں جو ظاہری الفاظ کو قبول کرتے ہیں اسی لئے انسانی اور جناتی شیاطین کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

﴿وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيَاطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا﴾ (الانعام:۱۱۲)

''اور اسی طرح ہم نے ہر نبی کے دشمن بہت سے شیطان پیدا کئے تھے کچھ آدمی اور کچھ جن، جن میں سے بعضے دوسرے بعضوں کو چکنی چپڑی باتوں کا وسوسہ ڈالتے رہتے تھے''۔

باطل کو زخرف سے تعبیر کیا گیا اس لئے کہ وہ باطل کو ملمع کر کے اور خوبصورت انداز سے پیش کر کے سننے والے کو دھوکے میں ڈال دیتا ہے۔

خلاصہ کلام:

یہ ہے کہ شیطان نے اس بات کو اپنے لئے لازم کیا ہے کہ کان کے ذریعے (ایمانی زندگی کیلئے) ضرر رساں چیز اندر داخل کرے اور نفع بخش فائدے کی بات ہرگز اندر داخل نہ ہونے دے۔

اور ہر نافع چیز کو کان تک پہنچنے سے بھرپور انداز سے روکے اگر کوئی بات کسی کے کان تک پہنچ بھی جائے تو اس کی افادیت کو برباد کر کے رکھ دے۔

زبان کی سرحد:

زبان کے بارے میں اپنے کارندوں سے شیطان یہی کہتا ہے کہ اس سرحد کی بڑی اہمیت ہے۔ بادشاہ (قلب) تک پہنچنے کا سب پہلا راستہ یہی ہے۔ لہٰذا زبان پر نقصان دہ اور غیر ضروری کلام جاری کرو اور، ذکر اللہ، واستغفار، تلاوت کلام

اللہ نصیحت علماء اور علم نافع کی باتیں جاری نہ کرنے کیلئے مقدور بھر کوشش کرو۔ زبان سے تم دو عظیم کام لے سکتے ہو۔ اگر ان میں سے ایک بھی حاصل ہو جائے تو بھی کافی ہے۔

پہلا کام:

زبان سے فضول کلام اور، جھوٹ بلوانا ہے، اس لئے کہ کلامِ باطل کا عادی شخص تمہارا ہی بھائی شمار ہوتا ہے۔ تمہارا سب سے بڑا مدد و معاون بلکہ تمہارے لشکر کا ایک فرد ہے۔

دوسرا کام:

حق بیان کرنے سے زبان کو روکنا، اس لئے کہ اظہار حق سے خاموش رہنے والا بھی تمہارا گونگا بھائی ہے۔ جیسا کہ فضول گفتگو کرنے والا ناطق (بولنے والا) بھائی ہے۔ بسا اوقات ناطق بھائی کے مقابلے میں گونگا بھائی زیادہ نفع بخش اور سود مند ثابت ہوتا ہے۔ لہٰذا اس سرحد کی نگرانی کی سخت ضرورت ہے کہ کہیں اس کے راستے حق بات اندر نہ داخل ہو۔ اور نہ ہی باطل بولنے سے رک جائیں بلکہ باطل کو اس کے لئے ملمع اور مزیّن کر کے پیش کرو۔

خوف و ہراس کے ہر طریقہ استعمال کر کے حق بولنے سے روکنے کیلئے مقدور بھر کوشش کرو۔

میرے پیارو! تم یقین کرلو کہ زبان کی غلطیوں کی پاداش میں ہی بنی آدمی سب سے زیادہ ہلاک ہوا۔ اور زبان ہی کی لغزشوں کی وجہ سے اوندھے منہ جہنم میں گرا ہے۔ میں نے اس زبان ہی کی راہ سے کتنوں کو قتل اور کتنوں کو قید اور زخمی کر دیا ہے، اور تمہیں بھی ایک نصیحت کرتا ہوں، اسے حرز جان بنالینا۔ وہ یہ کہ تم ایک انسان

کی زبانی باطل کہلواؤ اور دوسرے کو سنواؤاور پھر اس تعریف وتحسین کے اعادے کا مطالبہ کرو۔ انسان کو بہکانے کا ہر حربہ استعمال کرو اور کوئی موقع بھی ضائع نہ کرو، بلکہ تاک میں رہو کہ کہیں صحیح کام نہ کر سکے۔ کیا تم نے میری اُس قسم کو نہیں سنا جو میں نے ان کے رب کے سامنے کھائی تھی۔ میں نے کہا تھا:

﴿فَبِمَا اَغْوَيْتَنِي لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيمَ۔ ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ مِنْ بَيْنِ اَيْدِيهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ اَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَائِلِهِمْ وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شَاكِرِينَ﴾ (الاعراف:۱۶، ۱۷)

”بہ سبب اس کے کہ آپ نے مجھ کو گمراہ کیا ہے میں قسم کھاتا ہوں کہ میں ان کے لئے آپ کی سیدھی راہ پر بیٹھوں گا پھر ان پر حملہ کروں گا ان کے آگے سے بھی اور ان کے پیچھے اور ان کی دائیں جانب سے اور ان کی بائیں جانب سے بھی اور آپ ان میں سے اکثر کو احسان ماننے والا نہ پایئے گا۔“

کیا تم مجھے نہیں دیکھتے؟ کہ میں انسان کو بہکانے کی کوئی راہ نہیں چھوڑی بلکہ تمام راہوں میں بہکاتا رہتا ہوں، وہ مجھ سے بچ نہیں نکل سکتا۔

اسی کے متعلق ان کے پیغمبر نے انہیں ڈرایا ہے اور فرمایا ہے:

﴿ان الشيطان قد قعد لابن آدم بطريقه كلها، وقد قعدله بطريق الاسلام فقال: أتسلم وتذر دينك ودين آبائك؟ فخالفه واسلم، فقعدله بطريق الهجرة، فقال: انها تهاجر وتذر أرضك وسمائك؟ فخالفه وهاجر فقعدله بطريق الجهاد، فقال اتجاهد فتقتل فيقسم المال وتنكح زوجك﴾

”(اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کی) تمام راہوں میں شیطان بیٹھا ہوا ہے چنانچہ اگر کوئی اسلام لانا چاہتا ہے تو اسے کہتا ہے۔ تم اپنے آباء

واجداد کے دین کو چھوڑ کر اسلام لاتے ہو؟ اگر اس کی مخالفت کرکے مسلمان ہو ہی جاتا ہے تو اللہ کے راستے ہجرت سے روکنے کیلئے کہتا ہے۔ اپنی زمین و آسمان کو چھوڑ کر کہاں جا رہے ہو؟ اگر کوئی شخص اس میں بھی اس کی مخالفت کر کے ہجرت کر لیتا ہے تو جہاد کی راہ میں رکاوٹ بن کر کہتا ہے۔ تم جہاد کرو گے تو تم قتل ہو جاؤ گے۔ مال تمہارا مال دوسروں میں تقسیم کر دیا جائے گا۔ تمہاری بیوی سے کوئی اور نکاح کریگا۔''

اسی طرح تم انسان کو راہِ حق سے ہٹانے کیلئے تمام راستوں میں بیٹھ جاؤ۔ اگر کوئی صدقہ کرنے کا ارادہ کرے تو صدقے کے راستے سے آ کر اس کے نفس کو ڈراؤ کہ، تم اگر اپنا مال خرچ کرو گے تو فقیر و محتاج بن جاؤ گے۔ آخر کار دوسروں سے مانگنے کی نوبت آئے گی، کیا تم نے نہیں سنا؟ کہ ایک شخص نے ایک انسان سے صدقہ مانگا تو میں نے اس انسان کی زبانی یہ کہلوایا کہ یہ مال ہمارا ہے اگر میں اس کو تمہیں دوں تو میں بھی تم جیسا محتاج و فقیر ہو جاؤں گا۔ اور حج کی راہ میں رکاوٹ بنو، اور اس سے کہو کہ حج کا راستہ خوفناک اور پر مشقت ہے۔ حج کیلئے جانا اپنی جان و مال کو ہلاکت میں ڈالنا ہے۔ اسی طرح خیر کی تمام راہوں سے اسے ڈرا دھما کر مشکلات و آفات کو یاد دلا دلا کر متنفر کرو۔ بھلائی کی تمام راہیں مسدود کرنے کے بعد گناہوں کو مزّین و خوبصورت کر کے انسان کی آنکھوں کے سامنے لاؤ۔ اور ان گناہوں کو ان کے دلوں میں جاگزیں کرو۔ اس کو سرانجام دینے کیلئے تم عورتوں سے بھرپور مدد لے سکتے ہو عورتوں ہی کے ذریعے ان کے دلوں میں داخل ہو جاؤ۔ یہ عورتیں تمہاری بہترین مدد گار ثابت ہوں گی۔

اس کے بعد ہاتھ پیر کی سرحدوں کی نگرانی کرو، کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ ہاتھوں اور پیروں سے نیک عمل کر کے تمہیں نقصان پہنچا دیں۔

نفس امّارہ کا کردار:

یقین جانیے کہ ان تمام سرحدات کو مکمل کنٹرول کرنے کے لئے نفس امارہ کی مصلحتیں تمہاری بہترین مددگار ثابت ہوں گی۔

لہٰذا نفس امارہ کو قبول کر کے اس کو استعمال کرو۔ نفس مطمئنہ کے ساتھ جنگ میں نفس امارہ سے خوب کام لو۔ نفسِ مطمئنہ کی قوت کو توڑنے اور ختم کرنے میں انتہائی محنت کرو کیونکہ اس کی قوت کو ختم کئے بغیر اس پر قابو نہیں پایا جاسکتا۔ جب اس کی طاقت ختم ہوجائے گی اور نفس امارہ کی قوت مضبوط ہوجائے گی تو اس کے کارندے تمہارے تابع ہوں گے۔ تو اس وقت بادشاہ (دل) کو اس کے قلعے سے نکال کر اسے بادشاہت سے معزول کردو اور اعضاء کی حکمرانی نفس امارہ کے سپرد کردو، وہ تمہاری خواہش ومنشاء کے مطابق فیصلہ کریگا تمہارے ناپسند کے فیصلے نہیں کریگا۔ بلکہ تمہارے اشارے کا منتظر ہوگا۔ تمہاری طرف سے جو بھی اشارہ ہوگا وہ کر گذریگا۔

دل اپنی مملکت کو حاصل کرنے کی اگر کوشش کرے تو دل اور نفس کے درمیان نکاح کا معاملہ کر کے نفس امارہ کو خوب صورت بنا کر اس کے سامنے لاکر پیش کرو، نفس کو بہترین دلہن کی صورت میں اس کو دکھا کر کہو اس دلہن کے وصال کا مزہ خوب چکھ لو جس طرح کہ تو نے نفس کے ساتھ جنگ کی کڑواہٹ وتلخی چکھی تھی، مگر پھر نفس امارہ کے ساتھ تعلق کی لذت اور اس کے ساتھ برائی کی تلخی کا موازنہ کرو اور لڑائی جھگڑے کو ترک کردو۔

شیطان اپنے کارندوں سے یہ بھی کہتا ہے کہ اے میری اولاد! دو عظیم فوجوں سے مدد حاصل کرو۔ ان کی مدد کے بغیر انسانی قلب پر تمہارا تسلط مکمل نہیں ہوسکے گا۔ ان میں سے پہلا لشکر، لشکر غفلت ہے۔ لہٰذا ابن آدم کے دلوں کو اللہ تعالیٰ

اور دارآخرت سے غافل کرنے کیلئے ہر حربہ استعمال کرو۔

حصولِ مقصد کیلئے غفلت سے بڑھ کر کوئی ہتھیار تمہیں نہیں مل سکے گا۔ کیوں کہ دل جب غافل ہوتا ہے تبھی اس پر تمہارا تسلط ہوگا اور اسے اغواء کرنا تمہارے لئے آسان ہوگا۔

دوسرا عظیم لشکر جس کے ذریعے بنی آدم کو زیر کیا جاسکتا ہے وہ خواہشات کا لشکر ہے۔ لہٰذا تم خواہشات کو بناؤ سنگار کر کے دلوں کے سامنے لاؤ۔ خوبصورت بنا کر آنکھوں کے سامنے پیش کرو۔ انہی دولشکروں کی مدد سے (قلب انسانی پر) حملہ کرو اس لئے کہ انسان کے اندر تمہارے فائدے کیلئے اس سے بہتر چیز نہیں ہوسکتی۔

غافل کرنے کے لئے خواہشات سے اور خواہشات میں ڈالنے کے لئے غفلت سے مدد لو۔ دو غافلوں کو ملا کر ذاکر کے مقابلے میں لاؤ کیونکہ ایک آدمی پانچ کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔ پانچ اس طرح کہ دو غافل اور دو ان کی ساتھ مؤکل شیطان اور ذاکر پر مقرر شیطان۔

اگر کسی جگہ ذکر اللہ، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا مذاکرہ اور دینی باتوں پر لوگ یک جا ہوں اور تم ان کو منتشر نہیں کرسکو تو انہی کے جنس کے انسانی شیطانوں سے کام لو اور انہی کے ذریعے ان میں افتراق اور دلوں میں کھوٹ ڈال کر ان میں جدائی پیدا کردو۔

خلاصہ یہ کہ انسان کو بہکانے کا کوئی موقع ضائع نہ کرو بلکہ جو حربہ بھی کارگر ہو ضرور استعمال کرو۔ انسان کے ارادوں خواہشات کے دروازے سے آکر اچھے انداز میں اسے بہکا سکتے ہو، خواہشات اور ارادوں کی تکمیل کے سلسلے میں اس کی مدد کرو جب اللہ تعالیٰ نے انہیں تمہارے مقابلے میں صبر کرنے، ڈٹ جانے اور تمام سرحدات کی حفاظت کرنے کا حکم دیا ہے تو تم بھی ڈٹ جاؤ، بھرپور مقابلہ کرو، تمام سرحدوں کو اپنے کنٹرول میں لانے کی کوشش کرو۔ انسان کے غصہ سے بھرپور

اور خواہشات سے مخمور ہونے کے وقت سے بھرپور فائدہ اٹھاؤ۔ بہرحال انسان کو اپنے دام میں پھنسانے کے یہی دو (غضب اور شہوت) عظیم ہتھیار ہیں۔

خوب جان لو: کہ بعض انسانوں میں قوتِ غضب کے مقابلے میں قوتِ شہوت غالب ہوتی ہے، تو ان کو شہوت کے ذریعے پکڑو، اور غضب کی طرف کم توجہ دو۔ اور بعض کے اندر قوتِ غضب غالب ہوتی ہے تو غضب کی طرف توجہ کے ساتھ قوت شہوت سے بھی اس کے دل کو خالی نہ ہونے دو اور اس سرحد کی خاص طور پر نگرانی کرنے سے غافل مت ہو جاؤ۔ انسان جب غصے کے وقت خود پر قابو نہ پاسکا تو شہوت کے وقت بالکل بھی اپنے نفس پر قدرت نہ رکھ سکے گا۔ غصے اور شہوت کا آپس میں تعلق کرا دو بلکہ ایک کو دوسرے میں ضم کر دو۔

انسان کو شہوت میں مبتلا کرنے کیلئے غضب سے کام لو اور غضب میں ڈالنے کیلئے شہوت کو استعمال کرو۔ خوب سمجھ لو کہ ابن آدم کے اندر سے تمہیں ملنے والے یہ دو بہترین ہتھیار ہیں۔ اسی خواہش ہی کی مدد سے میں نے ان کے ماں باپ (آدم وحواء) کو جنت سے نکالا۔ غصہ ہی تو ہے کہ جس کے ذریعے میں نے بنی آدم کے اندر دشمنیاں ڈال دیں۔ غصہ ہی کے ذریعے ان کے درمیان دراڑیں ڈال دیں۔ اسی غضب کے ہتھیار کو استعمال کرکے میں نے ان میں خون ریزی کا بازار گرم کیا۔ غصہ ہی کی وجہ سے آدم کے ایک بیٹے نے دوسرے بیٹے کو قتل کیا۔

یہ بھی خوب جان لو! کہ غصہ قلب انسانی میں چنگاری کا اور شہوت اس کو بھڑکانے کا کام کرتی ہے اور دیکھو کہ غصے کی آگ، وضو، نماز، ذکر اور تکبیر سے بجھ جاتی ہے۔ خبردار! غصہ کے وقت انسان وضو، نماز اور ذکر کی طرف متوجہ نہ ہونے پائے۔ اگر ان چیزوں کی طرف متوجہ ہوا تو غصہ کا ہتھیار تمہارے ہاتھوں سے نکل جائے گا۔ ان کے نبیؐ نے غضب کے وقت انہیں وضو کا حکم دیکر فرمایا ہے:

﴿ان الغضب جمرة فی قلب ابن آدم أما رئیتم من

احمرار عينيه وانتفاخ اوداجه فمن احسّ بذلك فليتوضأ﴾

''غصہ قلب انسانی میں چنگاری کا کام کرتا ہے۔کیا تم غصہ کے وقت آنکھوں میں سرخی اور رگوں کے پھولنے پر غور نہیں کرتے؟ لہٰذا جو بھی اپنے اندر غصہ محسوس کرے جلد وضوء کرے۔''

ان کے رسولؐ نے ان سے یہی فرمایا ہے کہ غصہ کی آگ وضوہی سے بجھ جاسکتی ہے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''کہ شیطان کے مقابلے میں نماز اور صبر سے کام لو۔'' لہٰذا تم اس کے نماز پڑھنے کی راہ رکاوٹ بنو۔صبر اور نماز کو ان سے بھلادو۔ اور اس کام کیلئے شہوت وغضب سے بھر پور مدد حاصل کرو۔ اس سلسلے میں سب سے اعلیٰ ترین اور کارآمد ہتھیار اللہ کی یاد سے اور دار آخرت سے غفلت اور خواہشات نفس کی پیروی ہے۔ انسان کے پاس تمہیں زیر کرنے اور خود کو محفوظ کرنے کا بہترین اور فائدہ مند اسلحہ یادالٰہی اور خواہشات نفسانی کی مخالفت ہی ہے۔ خواہشات نفسانی کی مخالفت کرنے والے انسان کے قریب مت جاؤ، اس لئے کہ ان کو بہکانا اور ورغلانا ناممکن ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ گناہ اور نافرمانیاں دشمن کے ایسے اسلحے ہیں جس کے ذریعے دشمن (شیطان) انسان کو کھینچ کر لے جاتا ہے۔ انسان گناہوں کا ارتکاب کر کے اپنے نفس کے مقابلے میں شیاطین کی مدد کرتا ہے اور اس کا ساتھ دیتا ہے۔ یہ انسان کی انتہائی جہالت ہے۔

﴿مايبلغ الاعداء من جاهل مايبلغ الجاهل من نفسه﴾

''جاہل خود کو دشمنوں سے زیادہ نقصان پہنچاتا ہے۔''

کتنی عجیب بات ہے کہ انسان خود اپنے نفس کو کمزور کرنے کے لئے محنت

---

۱ کنز العمال ج ۳ ص ۷۷۱

ومشقت کرکے بزعم خود یہ خیال کرتا ہے کہ اس نے اپنی عزتِ نفس کو برقرار رکھا ہے۔ نفس کو اس کے عظیم وارفع حظ سے محروم کرکے سمجھتا ہے کہ اس نے اپنے حق کے حصول کیلئے جدوجہد کرنے کی سعی کی ہے اور اپنے نفس کی تحقیر وتذلیل کرکے اسے بلند وبالا گرادنتا ہے۔

کسی بزرگ کا ارشاد ہے: بعض لوگ ایسے بھی ہیں کہ اپنے نفس کی توہین کرکے سمجھتے ہیں کہ اس کی تکریم کی ہے۔ اور نفس کو مذمت میں ڈال کر خیال کرتے ہیں اس کو عزت دی۔ اس کو ضائع کرکے گمان کرتے ہیں کہ اس کی حفاظت کا انتظام کیا ہے۔ انسان کے جاہل ہونے کیلئے اتنا ہی کافی ہے کہ اپنے نفس کے خلاف اپنے دشمن کا ساتھ دے۔ اور اپنے نفس کے خلاف وہ کام کرے جو دشمن بھی نہ کرسکے۔

گناہ خود سے غفلت کا بھی سبب ہے:

گناہ کا ایک نقصان یہ بھی ہے کہ وہ انسان سے اس کے نفس کو بھلا دیتا ہے۔ جب انسان اپنے نفس ہی کو بھول جائے تو اس سے غافل ہوکر اس کو خراب کرکے ہلاکت میں ڈال دیتا ہے۔

سوال:

اگر سوال کیا جائے کہ انسان اپنے آپ کو کیسے بھول سکتا ہے؟ اگر خود کو بھول جائے تو کونسی چیز اس کو یاد دلائیگی؟ اور خود کو بھول جانے کا کیا مطلب ہے؟

جواب:

جی ہاں انسان خود کو بہت زیادہ بھول سکتا ہے۔ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ نَسُوا اللّٰهَ فَأَنْسَاهُمْ أَنْفُسَهُمْ أُولٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ﴾ (الحشر:۱۹)

''تم ان لوگوں کی طرح مت ہو جنہوں نے اللہ تعالیٰ سے بے پروائی کی، سو اللہ تعالیٰ نے خود ان کی جان سے ان کو بے پرواہ بنا دیا۔ یہی لوگ فاسق ہیں۔''

بات اصل میں یہ ہے کہ انسان جب اپنے رب کو بھول جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اس کو بھلا دیتے ہیں، بلکہ اس کے نفس سے بھی اس کو غافل کر دیتے ہیں۔ جیسا کہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے۔

﴿نسوا الله فنسيهم﴾ (التوبہ:٦٧)

جو شخص خدا کو بھول جاتا ہے تو نہ صرف یہ کہ اللہ تعالیٰ بھی اس کو بھول جاتے ہیں بلکہ خود اس کو بھی نفس سے غافل کر دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا اپنے بندے کو بھلانا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے بے توجہی فرما کر اپنی مدد کا ہاتھ کھینچ لیتے ہیں۔ جس سے اس کی ہلاکت یقینی ہو جاتی ہے۔ اور خود اپنے نفس کو بھول جانے کا مطلب نفس کا اپنے عظیم الشان حصہ سعادتمندی یا فلاح وصلاح سے غافل ہونا ہے یا اپنے کمال کے تمام اسباب سے یک سر غافل ہو جانا ہے۔ یعنی ان چیزوں کا تذکرہ تک دل میں نہیں رہتا۔

اسی وجہ سے نفس اپنے عیوب اور آفات ونقصانات سے بالکل بے خبر رہتا ہے۔ اسی لئے نفس میں ان عیوب کو زائل کرنے کا احساس تک ختم ہو جاتا ہے۔ اسی طرح وہ اپنے دل کے امراض اور اس کی تکالیف سے یکسر بے حس ہو جاتا ہے۔ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ دل کی ان بیماریوں کے علاج کا احساس تک بھی اس کے دل میں نہیں گذرتا جو اس کی خرابی اور ہلاکت کا باعث ہیں۔

غفلت کے اس مرض میں عام وخاص سبھی مبتلا ہیں، اور یہ گناہوں کی سب سے بڑی سزا ہے۔ اپنے نفس سے بے توجہی برت کر اس کو ضائع کرنے سے اور اس

کی مصلحتوں، اس کی بیماریوں کے علاج سے نیز اس کی سعادت مندی۔ صلاح وفلاح، ہمیشہ باقی رہنے والی نعمتوں میں ہمیشہ کی زندگی سے غفلت میں مبتلا ہونے سے بڑھ کر کیا سزا ہوسکتی ہے؟

انسان جب اس موقع پر غور کریگا تو اسے یقیناً معلوم ہوگا کہ اکثر لوگ نفس کی حقیقت ہی کو بھول چکے ہیں اوراس کی افادیت کو ضائع کر چکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملنے والے اس کے حصے کو ضائع کر چکے ہیں، اور نفس کو نقصان عظیم کے ساتھ انتہائی کم قیمت میں فروخت کر چکے ہیں۔

مگراس نقصان عظیم کا احساس موت کے وقت ہوگا۔ اس کا مکمل ظہور قیامت کے دن ہوگا جب معلوم ہوگا کہ اس تجارت میں سخت نقصان اٹھانا پڑا ہے اور دنیا میں اسی خسارے کا شکار لوگ خود کو نفع مند تاجر سمجھتے ہیں حالانکہ وہ دنیا کی فانی لذتوں کو آخرت کی عظیم اور باقی رہنے والی لذتوں کے بدلے خرید چکے ہیں۔ اور دنیا کی زندگی سے خوش ہوگئے اور ساری توانائیاں دنیا حاصل کرنے میں لگا چکے ہیں۔

آجل کو عاجل کے بدلے، نسیہ کو نقد کے عوض، غائب کو حاضر کے بدلے فروخت کر چکے ہیں اور اسی کو عقل کا تقاضا سمجھ بیٹھے ہیں۔ اور بعض نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ جو چیز سامنے ہے اسے حاصل کرو، سنی سنائی چیز کو چھوڑ دو۔ اور بعضوں نے کہا کہ میں موجود، نقد اور مشاہد شی کو غیر موجود شی کے بدلے کیسے فرخت کروں؟ ایمان کی کمزوری خواہشات کی قوت اور دنیا کی محبت اس خیال کو مزید تقویت بخشتی ہے اس طرح لوگوں کی اکثریت اس تجارت میں خسارے کا شکار ہوجاتی ہے۔ جن کے بارے میں فرمان خداوندی ہے۔

﴿أُولٰئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْحَيَاةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ﴾ (البقرۃ:۸۶)

’’یہ وہ لوگ ہیں کہ انہوں نے دنیوی زندگی کو لے لیا ہے بعوض آخرت کے، سو نہ تو ان کی سزا میں تخفیف کی جائے گی اور نہ کوئی ان کی طرفداری کرنے پائے گا۔‘‘

انہی کے بارے میں ایک اور جگہ ارشاد ہے:

﴿فَمَا رَبِحَتْ تِجَارَتُهُمْ وَمَا كَانُوا مُهْتَدِينَ﴾ (البقرۃ:۱۶)

’’تو سود مند نہ ہوئی ان کو یہ تجارت اور نہ یہ ٹھیک طریقے پر چلے‘‘۔

جب قیامت قائم ہوگی تو اس وقت اس عظیم خسارے کا علم ہوگا اور شدید افسوس ہوگا۔

مذکورہ لوگوں کے بالمقابل اس تجارت میں نفع پانے والوں نے فانی کو باقی کے عوض، خسیس کو نفیس کے بدلے اور حقیر کو عظیم کے بدلے بیچ کر کہتے ہیں: اس حقیر وخسیس دنیا کی کیا حقیقت ہے کہ اسے ہم آخرت کے بدلے خریدیں؟

دنیا کی زندگی تو ایک بے حقیقت خواب کی مانند ہے آخرت کی ہمیشہ کی زندگی سے اس کی کیا نسبت ہے؟ فرمان الٰہی ہے:

﴿وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ كَأَنْ لَّمْ يَلْبَثُوا إِلَّا سَاعَةً مِّنَ النَّهَارِ يَتَعَارَفُونَ بَيْنَهُمْ﴾ (یونس:۴۵)

’’اور ان کو وہ دن یاد دلایئے جس میں اللہ تعالیٰ ان کو کیفیت میں جمع کرے گا کہ گویا وہ سارے دن کی ایک آدھ گھڑی رہے ہونگے اور آپس میں ایک دوسرے کو پہچانیں گے‘‘۔

ایک اور مقام پر ارشاد ہے:

﴿یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ السَّاعَةِ اَیَّانَ مُرْسَاهَا فِیْمَ اَنْتَ مِنْ ذِکْرَاهَا اِلٰی رَبِّکَ مُنْتَهَاهَا۔ اِنَّمَا اَنْتَ مُنْذِرُ مَنْ یَّخْشَاهَا۔ کَاَنَّهُمْ یَوْمَ یَرَوْنَهَا لَمْ یَلْبَثُوْا اِلَّا عَشِیَّةً اَوْ ضُحَاهَا﴾

(النازعات:۴۲/۴۶)

''یہ لوگ آپ سے قیامت کے متعلق پوچھتے ہیں کہ اس کا وقوع کب ہوگا؟ اس کے بیان کرنے سے آپ کا کیا تعلق ہے؟ اس کا مدار صرف آپ کے رب کی طرف ہے آپ تو صرف اس شخص کے ڈرانے والے ہیں جو اس سے ڈرتا ہو، جس روز یہ اس کو دیکھیں گے تو ایسا معلوم ہوگا کہ گویا صرف ایک دن کی آخری حصہ میں۔

اور ایک جگہ ارشاد ہے:

﴿کَاَنَّهُمْ یَوْمَ یَرَوْنَ مَا یُوْعَدُوْنَ لَمْ یَلْبَثُوْا اِلَّا سَاعَةً مِّنْ نَّهَارٍ بَلَاغٌ﴾ (الاحقاف:۳۵)

''جس روز یہ لوگ اس چیز کو دیکھے گے جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے تو گویا یہ لوگ دن بھر میں ایک گھڑی رہے ہیں۔ یہ پہنچادینا ہے۔''

ایک اور مقام میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿کَمْ لَبِثْتُمْ فِی الْاَرْضِ عَدَدَ سِنِیْنَ قَالُوْا لَبِثْنَا یَوْمًا اَوْ بَعْضَ یَوْمٍ۔ فَسْئَلِ الْعَادِّیْنَ۔ قَالَ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا قَلِیْلًا لَّوْ اَنَّکُمْ کُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴾ (المؤمنون:۱۱۲/۱۱۴)

''تم برسوں کے شمار سے کس قدر مدت زمین پر رہے

ہوگے؟ وہ جواب دیں گے ایک دن یا ایک دن سے بھی کم رہے ہونگے سو گننے والو سے پوچھ لیجئے۔ ارشاد ہوگا کہ تم تھوڑی ہی مدت رہے کیا خوب ہوتا تم سمجھے ہوتے۔"

﴿وقال تعالیٰ: یَوْمَ یُنْفَخُ فِی الصُّور وَنَحْشُرُ الْمُجْرِمِیْنَ یَوْمَئِذٍ زُرْقًا۔ یَتَخَافَتُوْنَ بَیْنَهُمْ اِنْ لَبِثْتُم اِلَّا عَشْرًا۔ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا یَقُوْلُوْنَ اِذْ یَقُوْلُ اَمْثَلُهُمْ طَرِیْقَةً اِنْ لَّبِثْتُم اِلَّا یَوْمًا﴾ (طہ:۱۰۲/۱۰۴)

"جس روز صور میں پھونک ماری جائے گی اور ہم اس روز مجرم لوگوں کو اس حالت سے جمع کریں گے کہ کرنجے ہونگے۔ چپکے چپکے آپس میں باتیں کرتے ہونگے کہ تم لوگ صرف دس روز رہے ہوگے جس کی نسبت وہ بات چیت کریں گے اس کو ہم خوب جانتے ہیں جبکہ ان سب میں کا زیادہ صائب الرائے کا یوں کہنا ہوگا کہ نہیں کہ تم تو ایک ہی روز رہے ہو۔"

روز قیامت دنیا کی یہی حقیقت سامنے آئیگی اور دنیا کی زندگی کی قلت اور دنیا کے گھر کے علاوہ دوسرے ہمیشہ برقرار رہنے والے گھر کے بارے میں معلوم ہوگا تو اس غبن کا بھی علم ہوگا۔ جو لوگ آخرت کی ابدی زندگی پر دنیا کی بے ثبات زندگی کو ترجیح دے چکے ہوں گے تو اس وقت اپنی اس تجارت میں نفع ان پر ظاہر ہوگا۔

اس دنیا میں ہر انسان تاجر ہے اور خرید و فروخت میں مصروف ہے: فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿ان اللّٰه اشتری من المؤمنین انفسهم وأموالهم بأنّ لهم الجنّة یقاتلون فی سبیل اللّٰه فیقتلون ویُقتلون وعدًا علیه حقًّا فی التوراة والانجیل والقرآن۔ ومن اوفی بعهده من اللّٰه فاستبشروا ببیعکم الذی بایعتم به وذلك هو الفوز العظیم﴾ (التوبہ:۱۱۱)

بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے ان کی جانوں کو اور ان کے مالوں کو اس بات کے عوض میں خرید لیا ہے کہ ان کو جنت ملے گی وہ لوگ اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں۔ جسمیں قتل کرتے ہیں اور قتل کیے جاتے ہیں۔ اس پر سچا وعدہ کیا گیا ہے۔ توریت میں اور انجیل میں اور قرآن میں اور اللہ سے زیادہ اپنے عہد کو کون پورا کرنے والا ہے تو تم لوگ اپنی اس بیع پر جس کا تم نے معاملہ ٹھہرایا ہے خوشی مناؤ اور یہ بڑی کامیابی ہے۔

''یہ اس تجارت کا پہلا نقد ثمن ہے۔ لہٰذا اس تجارت کی طرف آجاؤ اور اگر اس ثمن پر قادر نہیں تو اس کے علاوہ بھی ثمن موجود ہے جو یہ ہے۔''

﴿التائبون العابدون الحامدون السائحون الراکعون الساجدون الأمرون بالمعروف والناهون عن المنکر والحافظون لحدود اللّٰه وبشر المؤمنین﴾ (التوبہ:۱۱۲)

''وہ ایسے ہیں جو توبہ کرنے والے ہیں، عبادت کرنے والے، حمد کرنے والے، روزہ رکھنے والے، رکوع اور سجدہ کرنے والے، نیک باتوں کی تعلیم کرنے والے اور بری باتوں سے باز رکھنے والے اور اللہ کی حدوں کا خیال رکھنے والے، اور ایسے مؤمنین کو

آپ خوشخبری سنا دیجئے۔''

﴿یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ھَلْ اَدُلُّکُمْ عَلٰی تِجَارَۃٍ تُنْجِیْکُمْ مِنْ عَذَابٍ اَلِیْمٍ۔ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ وَتُجَاھِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ بِاَمْوَالِکُمْ وَاَنْفُسِکُمْ ذٰلِکُمْ خَیْرٌ لَّکُمْ اِنْ کُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴾ (الصف:۱۱،۱۲)

''اے ایمان والو! کیا میں تم کو ایسی سوداگری بتلاؤں جو تم کو ایک دردناک عذاب سے بچالے؟ تم لوگ اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اللہ کی راہ میں اپنے مال اور جان سے جہاد کرو۔ یہ تمہارے لئے بہت ہی بہتر ہے اگر تم کچھ سمجھ رکھتے ہو۔''

خلاصہ کلام یہ ہے کہ گناہ اس عظیم نفع بخش تجارت سے فائدہ اٹھانے سے انسان کو غافل کر دیتا ہے اور خسارے میں ڈالنے والی نقصان دہ تجارت میں مشغول کر دیتا ہے۔ یہ کتنا بڑا نقصان عظیم ہے؟

گناہ زوالِ نعمت کا بھی باعث ہے:

گناہوں کا ایک نقصان یہ بھی ہے کہ گناہوں کے سبب موجودہ نعمتیں زائل اور آئندہ ملنے والی نعمتیں منقطع ہو جاتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملنے والی نعمتوں کا اطاعت سے بڑھ کر کوئی محافظ نہیں اور اسی طرح اطاعت سے بڑھ کر نعمتوں کو کھینچ لانے والا کوئی نہیں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہر شئی کے حصول کیلئے سبب اور اس کے زوال کیلئے آفت مقرر کر رکھی ہے۔ چنانچہ نعمتوں کو کھینچ لانے کا سبب اطاعت الٰہی ہے اور زوال

نعمت کی آفت معصیت ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ جب اپنے بندے کی نعمتوں کی حفاظت کا ارادہ فرماتے ہیں تو اپنی اطاعت اور فرمان برداری کی توفیق عطا فرماتے ہیں۔ اگر اس سے نعمتوں کو زائل کرنے کا ارادہ فرماتے ہیں تو اس کو ذلیل کرتے ہیں یہاں تک کہ وہ نافرمانی کر بیٹھتا ہے جس کی پاداش میں اسے نعمتوں سے محروم کر دیا جاتا ہے۔

عجیب بات تو یہ ہے کہ انسان گناہوں کی وجہ سے نعمتوں سے محروم ہونے کا بارہا مشاہدہ کرنے اور ان کی واقعات سننے کے باوجود گناہوں کو نہیں چھوڑتا۔ ایسا لگتا ہے وہ اس اصول سے خود کو مستثنیٰ سمجھتا ہے کیونکہ یہ معاملہ دوسروں کے ساتھ ہو رہا ہے اس کے ساتھ نہیں۔ اس سے بڑھ کر جہالت اور کیا ہو سکتی ہے؟ اس سے بڑھ کر اپنے نفس پر کیا ظلم ہو سکتا؟

گناہ انسان پر مقرر فرشتے سے دوری کا بھی باعث ہے:

گناہ کا ایک نقصان یہ بھی ہے کہ وہ انسان سے اس کے ایسے دوست کو دور کر دیتا ہے جو تمام مخلوقات میں سب سے زیادہ اس کو فائدہ پہنچانے والا اور سب سے زیادہ خیر خواہ ہے۔ جس کی قربت باعث سعادت۔ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس پر مقرر کردہ فرشتہ ہے۔

نیز گناہ اس کے اس دشمن کو قریب تر کر دیتا ہے جو سب سے زیادہ دھوکہ باز اور ضرر رساں ہے وہ ہے شیطان۔

انسان سے جب ارتکاب گناہ ہوتا ہے تو بقدر نحوست گناہ فرشتہ مؤکل اس سے دور ہو جاتا ہے۔ بلکہ بعض اوقات صرف ایک جھوٹ بولنے سے وہ اس سے

کوسوں دور چلا جاتا ہے۔ حدیث میں ہے:

﴿اذا کَذَبَ الْعَبْدُ تَباعَدَ عَنهُ الْمَلَكُ مِیلًا مِن نَتنِ رِیحِه﴾

''انسان جب جھوٹ بولتا ہے تو اس کی بدبو کی وجہ سے فرشتہ اس سے ایک میل دور چلا جاتا ہے۔''

اندازہ کیجئے کہ جب صرف ایک جھوٹ بولنے کی وجہ سے فرشتہ اتنا دور چلا جاتا ہے تو اس سے بڑھ کر گناہ کرنے اور مسلسل کرنے سے اس سے کتنا بعید ہوگا؟ کسی بزرگ کا قول ہے: جب صبح ہوتی ہے تو فرشتہ اور شیطان ایک دوسرے سے آگے نکلنے کی کوشش کرتے ہیں۔ انسان اللہ کا ذکر، الحمدالله، الله اکبر اور لا الہ الا اللہ کہتا ہے تو شیطان اس سے دور اور فرشتہ اس کے قریب ہوتا ہے۔ اگر انسان صبح کی ابتداء ذکر اللہ کے بغیر کردے تو شیطان اس پر قبضہ کرلیتا ہے اور فرشتہ دور ہوجاتا ہے۔

رفتہ رفتہ فرشتہ اتنا قریب جاتا ہے کہ انسان پر پھر اس کا غلبہ ہوجاتا ہے۔ ساری زندگی فرشتہ اس کے ساتھ رہتا ہے۔ یہاں تک موت اور پھر روز قیامت تک ساتھ دیتا ہے۔ جیسا کہ فرمان خداوندی ہے۔

﴿انَّ الَّذِینَ قَالُوا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا تَتَنَزَّلُ عَلَیْهِمُ الْمَلَائِكَةُ أَلَّاتَخَافُوا وَلَا تَحزَنُوا وَ أَبْشِرُوا بِالْجَنَّةِ الَّتِی كُنتُمْ تُوعَدونَ نَحنُ اَولِیائُكُمْ فِی الْحَیَاةِ الدُّنیا وَفِی الْأٰخِرةِ﴾ (فصلت: ۳۰/۳۱)

''بے شک جنہوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے، پھر اس پر قائم رہے، ان پر فرشتے اتریں گے کہ تم خوف نہ کرو، اور غم نہ کرو، اور جنت میں خوش رہو۔ جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے۔ ہم تمہارے

دنیا میں بھی دوست ہیں اور آخرت میں بھی۔''

جب انسان کو فرشتے کی سرپرستی حاصل ہوگئی تو سمجھ لو کہ سب سے زیادہ خیر خواہ نافع کی سرپرستی حاصل ہوگئی۔ وہ فرشتہ انسان کو دین پر ثابت قدم رکھے گا۔ جس سے اس کا دل مضبوط ہوگا نیز اللہ تعالیٰ کی مدد بھی شامل حال ہوگی۔ فرمان تعالیٰ ہے:

﴿اِذْيُوحِي رَبُّكَ اِلَى الْمَلٰئِكَةِ اَنِّي مَعَكُمْ فثبتُوا الَّذِينَ اٰمَنُوا﴾ (الانفال:۱۲)

''تیرے رب نے فرشتوں کو حکم دیا کہ مسلمانوں کے دلوں کو مضبوط کردو۔''

حدیث میں آتا ہے: موت کے وقت فرشتہ اس سے کہے گا:

﴿لاتخف ولاتحزن وابشر بالذی یسرك﴾

''نہ خوف کر اور نہ ہی غمگین ہو (بلکہ) خوش کرنے والی زندگی کی خوشخبری سن۔''

دنیاوی زندگی میں سب سے ضروری چیز ایمان ہے جو موت کے وقت بھی اور قبر میں سوال جواب کے وقت اس کو خوب مضبوط اور ثابت قدم رکھے گا۔ انسان کیلئے فرشتے کی صحبت سے بڑھ کر کوئی نافع چیز نہیں۔ اس لئے کہ وہ بیداری اور نیند، موت وحیات اور قبر غرض ہر حالت میں اس کی حفاظت کرتا ہے۔ قبر کی وحشت میں اس کا مونس، خلوت کا ہم نشین و رلاز دان ہے اس کی طرف سے دشمن کی کارستانیوں کا مدافع اور اس کے مقابلے میں اس کا مدد ومعاون ہے۔'' بھلائی کی طرف ابھارنے والا نیز حق کی تصدیق پر برانگیختہ کرنے والا ہے۔ جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے۔

﴿ان للملك بقلب ابن ادم لمة، وللشيطان لمة، فلمة الملك ايعاد بالخير وتصديق بالوعد ولمة الشيطان ايعاد بالشر وتكذيب بالحق﴾

''انسان کے دل میں فرشتہ القا کرتا ہے، اور شیطان بھی وسوسہ ڈالتا ہے، مگر فرشتہ خیر وفلاح اور اللہ تعالیٰ کی وعدوں پر یقین کی دعوت دیتا ہے اور شیطانی وساوس یہ ہیں کے شر اور حق کو جھٹلانے کے خیالات دل میں ڈالتا ہے جب انسان کے ساتھ فرشتے کی قربت وصحبت قوی تر ہوجاتی ہے تو انسان کی زبان میں فرشتہ بولنے لگتا ہے اور اس کی زبان پر درست اور حق کی باتیں القا کرتا ہے۔ اور جب فرشتہ دور اور شیطان اس کے قریب ہوتا ہے تو شیطان اس کی زبان سے بولتا ہے جو جھوٹی اور فحش گفتگو اس کی زبان پر جاری کر دیتا ہے۔''

لہٰذا جب انسان بولتا ہے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ فرشتے کی زبان بول رہا ہے، یا شیطان کی۔ حدیث شریف آیا ہے:

﴿ان السكينة تنطق على لسان عمرؓ﴾

''حضرت عمر کی زبان طمانینت بولتی ہے۔''

وہ حضرات کسی نیک وصالح شخص سے کوئی اچھی بات سنکر فرماتے۔ یہ باتیں فرشتہ ہی نے تمہیں القاء کی ہیں اور اگر بری اور فحش بات کسی سے سنتے تو فرماتے یہ باتیں القاء شیطانی کی وجہ سے ہورہی ہیں۔

فرشتہ انسان کے دل میں حق بات القاء کرکے زبان سے جاری کراتا ہے۔ اسی طرح شیطان باطل اور غلط خیالات کو دل میں ڈال کر زبان سے جاری کرا دیتا

ہے۔ گناہ کی سزا ونقصان یہ بھی ہے کہ اس کے سبب انسان فرشتہ جیسے دوست کو جس کی صحبت وقربت سعادتمندی وخوش بختی کی ضامن ہے دور کر کے اس دشمن کو قریب کر دیتا ہے جس کی صحبت باعث بدبختی اور سبب ہلاکت وفساد ہے۔ جبکہ فرشتہ بندے کی طرف سے دشمن، نفس وشیطان کی کارستانیوں کی مدافعت کرتا اور مقابلہ کرتا۔

جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے: ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے دو شخص آپس میں جھگڑ رہے تھے۔ ان میں ایک دوسرے کو گالی دے رہا تھا اور دوسرا خاموش سن رہا تھا۔ جب دوسرا بھی انہی الفاظ کے ساتھ جواب دینے لگا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اٹھ کر جانے لگے تو اس شخص نے کہا: کہ یارسول اللہ! جب میں خاموش تھا۔ آپ بیٹھے رہے اور جب جواب دینے پر آیا کو آپؐ جانے لگے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

﴿كان الملك يدافع عنك فلما رددت عليه جاء الشيطان فلم أكن لاجلس﴾

''جب تو خاموش تھا تو فرشتہ تمہاری طرف سے مدافعت کرر ہا تھا اور جب تم خود جواب دینے پر آئے تو شیطان آیا پس میں کیسے بیٹھ سکتا تھا''

جب کوئی مسلمان اپنے کسی مسلمان بھائی کیلئے پوشیدہ طور پر دعا کرتا ہے تو اس پر فرشتہ آمین کہتا ہے۔ اور کہتا ہے: لك بمثله تمہیں بھی ایسا ہی عطا ہو۔ انسان جب سورۃ فاتحہ پڑھ کر فارغ ہوتا ہے تو فرشتے آمین کہتے ہیں اسی طرح فرشتہ کی بات ماننے والا متبع سنت وموحدّ شخص جب گناہ کا ارتکاب کرتا ہے تو حاملین عرش اور عام فرشتے اس کے لئے دعا کرتے ہیں۔

اور سوتے وقت جب باوضو ہوتا ہے تو فرشتے اس کی حفاظت کرتے ہیں۔

مؤمن کے ساتھ مقرر فرشتہ شیطان اور نفس کے مقابلے میں اس کی مدافعت کرتا اور اس کو سمجھاتا ہے نیز نیکی پر ثابت قدم رہنے کی ترغیب اور حوصلہ افزائی کرتا ہے۔

تو ایسے عظیم خیر خواہ پڑوسی کو تکلیف پہنچانا اس کی بے اکرامی کرنا اس کو اپنے سے دور کرنا کیسے زیب دیتا ہے؟ جبکہ وہ فرشتہ انسان کا عظیم ومکرم مہمان بھی ہے۔

جب کے عام مہمان کا اکرام اور عام پڑوسی کے ساتھ حسن سلوک لازمہء ایمان اور تقاضائے ایمان سمجھا جاتا ہے تو انتہائی معزز ومکرم مہمان اور بہترین وعظیم ترین خیر خواہ پڑوسی کا اکرام اور حسن سلوک کتنی اہمیت کا حامل ہوگا؟

لیکن جب انسان معاصی کا ارتکاب کر کے فرشتے کو تکلیف پہنچاتا ہے تو فرشتہ اللہ کے حضور اس کے لئے بددعا کر کے کہتا ہے۔

﴿لاجزاك الله خيرا﴾

''اللہ تمہیں اچھا بدلہ نہ دے''

اور جب نیک عمل کرتا ہے تو فرشتہ اس کے لئے خیر کی دعا کرتا رہتا ہے۔

کسی صحابیؓ کا قول ہے:

﴿ان معكم من يفارقكم، فاستحيوا منهم واكرموهم﴾

''ہر وقت تمہارے ساتھ رہنے والا ساتھی تمہارے ساتھ ہے۔
اس سے حیاء کرو اور اس کی تکریم کرو۔''

عظیم، صاحب قدر، شریف و معظم ہم نشین سے نہ شرمانے والے اور اس کی قدر ومنزلت نہ کرنے والے سے بڑھ کر کوئی کمینہ نہیں ہوسکتا؟ اس پر اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ سے تنبیہ کی ہے۔

﴿وَاِنَّ عَلَیْکُمْ لَحٰفِظِیْنَ۔ کِرَامًا کَاتِبِیْنَ۔ یَعْلَمُوْنَ مَاتَفْعَلُوْنَ﴾ (الانفطار: ۱۰/۱۲)

یعنی ان حافظین کرام سے حیاء کرو، ان کی تکریم کرواور ان کی قدر پہچانو، جب تم انسانوں کے سامنے گناہ کرنے سے شرم محسوس کرتے ہوتو فرشتوں کے سامنے کرنے سے بدرجہ اولی شرم کرنی چاہیے۔ انسان کی طرح فرشتے بھی فسق وفجور سے اذیت اور تکلیف محسوس کرتے ہیں۔ جب ایک انسان معاصی کی وجہ سے اذیت محسوس کرتا ہے تو غور کیجئے کہ کراما کاتبین کو اس سے کس قدر تکلیف ہوگی؟

گناہ باعث ہلاکت بھی ہیں:

گناہوں کا ایک نقصان یہ بھی ہے کہ وہ انسان کے دنیاوی وآخروی ہلاکت کے اسباب کو کھینچ لاتے ہیں۔ گناہ امراض ہیں جب وہ بدن میں مستحکم ہوتے ہیں تو ہلاک کر کے رکھ دیتے ہیں۔ یہ بالکل ایسا ہے کہ جیسا کہ بدنِ انسان کی صحت کیلئے مضبوط غذا اور فاسد مواد کا اخراج ضروری ہے بالکل یہی کیفیت قلب انسانی کی ہے۔

دل کی حیات، ایمان، اعمالِ صالحہ، توبہ نصوح کے ذریعے اور گناہوں کے مادۂ فاسدہ کے اخراج کے ذریعے اور پرہیز کے ذریعے ممکن ہے۔ نیز نقصان دہ اعمال سے اجتناب بھی ضروری ہے۔ انہی اشیاء کے مجموعے کا نام تقویٰ ہے۔ مذکورہ میں سے ایک بھی مفقود ہوتو تقویٰ میں کمی واقع ہوجائے گی۔

جب یہ معلوم ہو چکا کہ گناہ مذکورہ امور کے اضداد میں سے ہیں اور نقصان دہ اور فاسد مواد کے جمع ہونے کا باعث ہیں۔ اور توبہ نصوح کی راہ میں بڑی رکاوٹ ہیں ایک بیمار انسان میں غور کرو، کہ جب اس کے اندر مختلف بیماریاں اور فاسد مواد جمع ہوجائیں تو وہ اس سے خلاصی نہ پاسکے گا اور نہ ہی ان بیماریوں کو روکنے کی کوئی

صورت ہوگی۔ اس کیلئے ان سے صحت یاب ہوکر زندہ رہنا کیسے ممکن ہوگا؟

کسی نے کیا خوب کیا ہے:

جسمك بالحمية حصنته مخافة من ألم طاری

وكان اولی بك ان تخشی من المعاصی خشية الباری

''جب پرہیز کے ذریعے آنے والی بیماری سے جسم کو محفوظ کرنا ضروری ہے تو خوف خدا کی بنا پر گناہوں سے پرہیز کرنا بطریق اولی ضروری ہے۔''

لہٰذا جو شخص اللہ تعالیٰ کے احکامات کو بجالا کر دل کو قوت بخشے اور پرہیز کر کے گناہوں سے خود کو بچائے، توبہ کے ذریعے گناہ کے غلط اثرات سے دل کو صاف کرے، تو وہ شخص اپنے لئے حصولِ خیر اور زوالِ شر کو یقینی بنالیتا ہے۔ (واللہ المستعان)

ارتکاب گناہ پر شرعی سزائیں:

اگر گناہوں کے مذکورہ نقصانات بھی گناہوں سے باز آنے میں کافی نہ ہوں اور تیرے دل میں کوئی اثر پیدا نہ ہو، تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ان گناہوں پر عائد کردہ شرعی سزاؤں کو پیش نظر رکھو مثلاً چور کے ہاتھ کٹنے اور ڈاکہ ڈالنے والے کے ہاتھ پیر کٹنے، کسی پاک دامن شخص پر تہمت لگانے پر اور شراب پینے پر اسی کوڑے لگنے اور شادی شدہ زانی کو سنگسار کرنے اور غیر شادی شدہ زانی کو سو کوڑے بطور حد لگنے اور بطور تعزیر شہر بدر کرنے پر غور کریں، اسی طرح جان بوجھ کر فرض نماز چھوڑنے، کفریہ کلمات بکنے، لواطت کرنے یا جانوروں کے ساتھ بدفعلی کرنے پر تعزیراً قتل کے احکامات کو بھی پیش نظر رکھیں۔ اسی طرح جماعت کی نماز

سے (بلا عذر) غائب رہنے والوں کے گھروں کو جلانے کے عزم پر بھی غور کریں کہ یہ گناہ اتنے سخت ہیں کہ ان کے ارتکاب پر اتنی سخت سزائیں مقرر ہوئیں، اور اللہ تعالیٰ اپنی حکمت سے ہر گناہ کی مناسب سزا مقرر فرمائی ہے۔

ذرا غور وخوض سے کام لیں کہ: جب گناہ کی طرف طبیعت امادہ نہیں اور نہ ہی طبیعت میں اس کو کرنے کا داعیہ پیدا ہوتا ہے تو اس کے ارتکاب پر کوئی حد مقرر نہیں فرمائی، بلکہ اس کو صرف حرام قرار دیا اور اس کے ارتکاب پر سزا کو حکومتِ وقت پر چھوڑ دیا۔ مثلاً گندگی کھانا، خون پینا اور مردار کھانا، یہ ایسے افعال ہیں کہ خود طبیعت ان کی طرف مائل نہیں ہوتی ہے۔

اور جس گناہ کو کرنے کیلئے نفس کے اندر داعیہ موجود ہو تو اس کے ارتکاب پر اس گناہ کے مفسدہ اور اندر سے ابھرنے والے جذبے کی بقدر سزا خود اللہ نے مقرر فرمائی۔ اسی بنا پر زنا پر سخت سزا (سنگسار) مقرر کی گئی، کیوں کہ دوسرے دواعی گناہ کے مقابلے میں زنا کا داعیہ (جذبہ) قوی ہے اس لئے اس کی سزا بھی سخت مقرر ہوئی ارتکاب زنا پر سب سے کم تر سزا (سو کوڑے) دوسرے گناہوں پر عائد آخری سزا سے بھی زیادہ ہے۔ لواطت چونکہ سخت گناہ ہے اس لئے اس کے ارتکاب پر قتل کا حکم ہے۔ اسی طرح چوری کا مفسدہ بھی قوی ہے اس لئے اس کی سزا بھی اس کے مطابق قطع ید مقرر ہوئی۔

اللہ تعالیٰ کی حکمت بالغہ میں غور فرمایئے۔ کہ جس عضو سے انسان نے ارتکاب جرم کیا اسی کو کاٹنے اور تلف کرنے کا حکم شاہی نازل فرمایا۔ جیسے ڈاکہ ڈالنے والے کے ہاتھ کاٹنے کا فرمان جاری کیا گیا جس کے ذریعے ارتکاب جرم ہوا ہے، مگر کسی پاکدامن پر تہمت لگانے والے کی زبان کاٹنے کا حکم نہیں فرمایا، کیوں کہ تہمت پر اگر زبان کاٹ دی جائے تو سزا اصل جرم سے بڑھ جاتی ہے۔ تو اس میں کوڑے کے ذریعے سزا کو تمام بدن پر تقسیم کیا گیا۔ اسی طرح زنا پر آلہ زنا (آلہ تناسل) کو کاٹنے کا

حکم کئی وجوہ سے نہیں دیا۔

پہلی وجہ: یہ کہ اس کے کٹنے سے سزا اصل گناہ سے بھی بڑھ جاتی ہے اس لئے کہ اس سے نسل کا منقطع ہونا لازم آتا اور اس میں مرنے کا بھی اندیشہ ہے۔

دوسری وجہ: یہ ہے کہ گناہوں پر سزا کی ایک حکمت یہ بھی ہے کہ اس سے دوسروں کیلئے عبرت ہو۔ شرم گاہ چونکہ پوشیدہ اور خفیہ ہے۔ خفیہ ہونے کی وجہ سے عام لوگوں کیلئے عبرت نہیں ہوگی بخلاف ہاتھ کاٹنے کے کہ اس کو سب لوگ دیکھ کر عبرت حاصل کرسکیں گے۔

تیسری وجہ: یہ کہ ایک ہاتھ کٹ بھی گیا تو دوسرا موجود ہے جبکہ آلہ تناسل کٹنے کی صورت میں اس کا متبادل نہیں ہے۔

چوتھی وجہ: یہ آلہ تناسل صرف آلہ ہے جبکہ لذت میں تمام بدن شامل ہے تو انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ سزا بھی تمام بدن پر عام ہو۔ تو شرعی سزائیں انصاف و عقل اور مصلحت کے عین مطابق ہیں۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ ان جرائم پر شرعی یا قدرتی سزاؤں کا مقصد یہ ہے بندہ ان سزاؤں کے خوف سے ان گناہوں کی طرف نہ جائے۔ اگر اس میں مبتلا ہے تو باز آجائے۔

ارتکاب گناہ پر سزا کی قسمیں:

گناہ پر عائد سزاؤں کی دو قسمیں ہیں۔

(۱) شرعی سزائیں (حدود و تعزیرات)　　(۲) قدرتی سزائیں (بیماری و غم وغیرہ)

ارتکاب گناہ پر جب شرعی سزا لگ جائے تو قدرتی سزا ختم ہوتی ہے یا بالکل کم ہو جاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ ایک جرم پر دوسزائیں (حد، قدرتی عذاب) نہیں دیتے ہاں اگر ایک سزا گناہ کے اثر ختم کرنے میں کافی نہ ہو مثلاً گناہ کے مرض کا اس سے شافی علاج نہ ہوتو دوسری سزاء بھی دی جاتی ہے۔

اگر شرعی سزا (حدود) نہ دی گئی تو (گناہوں کے مہلک امراض سے کامل شفایابی کیلئے) قدرتی سزائیں ناگزیر ہوجاتی ہیں۔ بلکہ بسا اوقات شرعی سزاؤں سے بھی شدید ہوتی ہیں۔ بعض دفع شرعی سزا کی شدت سے کم مگر دوسروں پر عام ہوتی ہے جبکہ شرعی سزا تو صرف مجرم یا کسی جرم کیلئے سبب یا وسیلہ بننے پر دی جاتی ہیں جبکہ قدرتی سزائیں کبھی خاص مجرم پر اور کبھی عام لوگوں پر آتی ہیں۔

گناہ اگر پوشیدہ طور پر ہوتو صرف مرتکبِ گناہ سزا کا مستحق ہوتا ہے۔ گناہ اگر علانیہ کیا جائے اور اس پر نکیر نہ ہوتو اس کا وبال اور اس کی سزا سب پر عام ہوتی ہے۔

یہ بات پہلے گذر چکی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے شرعی سزاؤں کو گناہوں کے مفسدے کے مطابق مقرر فرمایا ہے۔ اور وہ تین طرح کی ہیں۔(۱) قتل (۲) ہاتھ کاٹنا (۳) کوڑے لگانا

قتل کو کفر اور کفر کے قریب جرائم، زنا، لواطت جیسے قبیح افعال کیلئے بطور سزا مقرر کیا اس لئے کہ یہ افعال دینی فساد، نسب میں خرابی اور نوع انسانی میں خلل کا باعث ہیں۔ حضرت امام احمد بن حنبلؒ نے تو یہاں تک فرمایا کہ

﴿لا اعلم بعد القتل ذنبا اعظم من الزناء﴾

''میں نہیں سمجھتا کہ قتل کے بعد اور کوئی گناہ زناء سے بڑھ کر گناہ ہو۔''

استدلال حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی حدیث سے کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ سب سے بڑا گناہ کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

﴿ان تجعل لله ندا وهو خلقك﴾

"اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی شریک کو ماننا حالانکہ اسی نے تمہیں پیدا کیا۔"

پھر میں نے پوچھا کے اس کے بعد بڑا گناہ کیا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

﴿ان تقتل ولدك مخافة ان يطعم معك﴾

"رزق کی تنگی کے خوف سے اپنے بچے کو قتل کرنا۔"

پھر میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا، اس کے بعد سب سے بڑا گناہ کیا ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

﴿ان تزاني حليلة جارك﴾[1]

"اپنے پڑوسی کی بیوی سے زنا کرنا" اللہ تعالیٰ نے بھی اس کی تصدیق قرآن کریم میں ارشاد فرمایا:

﴿وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُوْنَ﴾ (الفرقان:۶۸)

"اور وہ جو اللہ کے سوا کسی اور کو نہیں پکارتے، اور اس جان کو ناحق قتل نہیں کرتے جسے اللہ نے حرام کردیا، مگر حق کے ساتھ، اور زنا بھی نہیں کرتے۔"

اس حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے سائل کے سوال کے مطابق گناہ کی ہر نوع کے آخری درجے کو بیان فرمایا: اس لئے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے سب سے بڑے گناہ کے متعلق سوال کیا، تو جواب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب بڑے گناہ گنوادیئے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو برابر ٹھہرانا شرک کا آخری درجہ ہے، اور اپنے ساتھ کھانے پینے اور رزق میں شریک ہونے کے ڈر

[1] بخاری، مسلم، ترمذی

سے اپنے بچے کو مار ڈالنا قتل کا انتہائی درجہ ہے، جبکہ اپنے پڑوسی کی بیوی کے ساتھ زنا کرنا زنا کی آخری حد ہے۔

غیر شادی شدہ عورت سے زنا کرنے کے مقابلے میں شادی شدہ کے ساتھ زنا کرنے کی سزا بہت زیادہ ہے۔ اس لئے کہ اس میں بہت ساری قباحتیں جمع ہوتی ہیں۔ اس لئے کہ اس میں شوہر کی عزت تار تار ہوتی ہے۔ اس کے حقوق تلف ہوتے ہیں۔ نسب میں خلل واقع ہوتا ہے۔ اسی کے علاوہ دوسرے تکلیف دہ معاملات رونما ہوتے ہیں۔ تو یہ انتہائی سخت جرم ہے۔

اپنے پڑوسی کی بیوی کے ساتھ زنا کرنا ایک سو غیر شادی شدہ عورتوں سے زنا کرنے سے بھی سخت ہے۔ زنا کے تمام قبائح کے ساتھ بدترین اور شدید ترین ہونے کا سبب پڑوسی ہونے کا ثبوت بھی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

﴿لا یدخل الجنة من لا یأمن جاره بوائقه﴾[1]

''وہ آدمی جنت داخل نہیں ہوسکتا جس کی شرارتوں سے اس کے پڑوسی محفوظ نہ ہوں۔''

اگر یہی پڑوسی، بھائی یا قریبی رشتے دار بھی ہوں تو قطع رحمی کے شدید گناہ کا بھی سبب ہے۔ اس طرح پڑوسی کی بیوی کے ساتھ زنا کرنے کا گناہ دو چند ہوتا ہے اور اگر پڑوسی نماز کیلئے، علم دین کے حصول کیلئے یا اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد میں جانے کی وجہ سے گھر سے غائب ہو تو گناہ کے شدت میں سخت اضافہ ہوجاتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنے والے کی بیوی کے ساتھ زنا کرنے والے کو قیامت کے دن کھڑا کرکے اس مجاہد سے کہا جائے گا۔ اس کی نیکیوں میں سے اپنی مرضی کے مطابق حاصل کرلو۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: تمہارا کیا خیال ہے کہ وہ اس

---

[1] مسلم، ابن حبان

کیلئے ایک نیکی کو بھی چھوڑیگا جبکہ اس کو اس کی نیکیاں لینے کا مکمل اختیار دیدیا جائیگا؟ اور ایک ایک نیکی کی ایسی انتہائی ضرورت ہوگی کہ باپ بیٹے کیلئے اور دوست دوست کیلئے ایک نیکی بھی چھوڑنے پر آمادہ نہیں ہوگا۔

اتفاق سے اگر وہ عورت رشتہ دار بھی ہوتو اس عظیم گناہ کے ساتھ ساتھ قطع رحمی کے گناہ میں بھی اضافہ ہوگا۔ اگر زانی خود شادی شدہ ہوتو گناہ اور بھی سخت ہوجاتا ہے، اور اگر عمر رسیدہ بھی ہوتو گناہ کا کیا ٹھکانا؟ بلکہ وہ ان میں لوگوں سے ہوگا جن کے ساتھ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن کلام تک نہیں فرمائیں گے، اور نہ ان کو گناہوں سے پاک کریں گے، بلکہ اس کو سخت تکلیف دہ عذاب میں مبتلا کریں گے۔ اگر یہ فعلِ قبیح قابل احترام شہر (مکہ یا مدینہ) یا اللہ تعالیٰ کے ہاں معظم وقت مثلاً اوقات نماز اور دعا کی قبولیت کے اوقات میں ہو، تو گناہ کی شناعت اور قباحت میں سخت اضافہ ہوجاتا ہے۔ گناہ کی ان برائیوں اور گناہ میں مزید اضافوں اور اس پر مقرر شرعی اور قدرتی سزاؤں اور گناہ کے دیگر نقصانات پر غور کرو اور ان سے عبرت حاصل کرو۔ (واللہ المستعان)

فصل

افسادِ مال پر قطع ید کی سزا:

شریعت نے کسی کے مال پر ہاتھ ڈالنے پر ہاتھ کاٹنے کا حکم اس لئے صادر فرمایا ہے کہ چور محفوظ مال کو خفیہ طور پر حاصل کرتا ہے اور گھروں میں نقب لگاتا ہے اور بلی کی طرح دیواریں پھلانگ کر پوشیدہ طور پر گھروں کے اندر گھس جاتا ہے۔

چوری کا گناہ اتنا نہیں کہ سزا کے طور پر اس کو قتل کردیا جائے اور اتنا کم بھی نہیں کہ کوڑوں سے اس موذی مرض کا آسانی سے علاج ہوسکے۔ تو اللہ تعالیٰ اپنی عظیم حکمتِ بالغہ کے تحت نہ قتل کا حکم دیا نہ کوڑے لگانے کا۔ بلکہ اس عضو کو بدن سے جدا

کرنے کا حکم صادر فرمایا جس سے اس جرم کا ارتکاب کیا ہے اور کوڑے لگانے کو شرابی اور پاک دامن پر تہمت لگا کر اس کی عزت پر حملہ کرنے والے کیلئے بطور سزا مقرر کیا۔ گناہوں پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے بدنی سزاؤں کی صرف مذکورہ بالا قسمیں ہیں۔ اور اسی طرح مالی سزا کی تین قسمیں ہیں۔

(۱) غلام آزاد کرنا۔ (۲) مسکینوں کو کھانا کھلانا۔ (۳) روزے رکھنا

گناہوں کی قسمیں:

اللہ تعالیٰ نے گناہوں کو تین قسموں پر تقسیم فرمایا:

ایک قسم: وہ ہے جس کے ارتکاب پر صرف حد واجب ہے۔ کفارہ واجب نہیں۔

دوسری قسم: وہ ہے جس پر صرف کفارہ ہے، حد نہیں ہے۔ جیسا کہ رمضان المبارک میں روزے کی حالت میں جماع، احرام کی حالت میں ہمبستری، بیوی کے ساتھ ظہار، قتل خطاء اور قسم توڑنا۔

تیسری قسم: وہ ہے کہ جس کے ارتکاب پر حد ہے نہ کفارہ۔ یہ دو قسموں پر مشتمل ہے۔

پہلی قسم: وہ ہے کہ جس سے بچنے کا داعیہ خود نفس کے اندر ہی موجود ہو اور جس کے کرنے پر طبیعت اس آمادہ نہ ہوتی ہو۔ مثلاً گندگی کھانا، پیشاب پینا وغیرہ۔

دوسری قسم: وہ ہے جس کی شناعت وقباحت کی سزا حد کی درجے کو نہیں پہنچتی۔ جیسے کسی غیر محرم کی طرف دیکھنا، اس کو ہاتھ لگانا، اس سے بات چیت کرنا یا ایک دو پیسے چوری کرنا یا اس جیسے اور چھوٹے چھوٹے گناہ۔

کفارہ کی اقسام:

تین قسم کے گناہوں پر کفارہ واجب ہے۔

ایک قسم: وہ یہ ہے کہ کسی جائز فعل پر عارضی پابندی لگی ہو اور اس پابندی کے زمانے میں اس فعل کا ارتکاب کیا ہو۔ مثلاً حالتِ احرام میں یا روزے کی حالت میں یا حالت حیض و نفاس میں اپنی بیوی سے جماع کرنا۔ البتہ اپنی بیوی کے پچھلے حصہ میں جماع کرنا اس قسم میں داخل نہیں ہے۔ اس لئے مذکورہ پابندیاں عارضی اور خاص حالت میں ہیں جبکہ بیوی کے دبر میں جماع کرنا دائمی حرام ہے۔

دوسری قسم: اللہ تعالیٰ کیلئے نذر ماننا یا اللہ تعالیٰ کے نام لیکر کسی کام کرنے کی قسم کھانا اور پھر اسے نہ کرسکنا یا اللہ تعالیٰ کی حلال کردہ اشیاء کو حرام کرنا۔ ان افعال کے ارتکاب پر اللہ تعالیٰ نے کفارہ مشروع کیا ہے اور کفارہ ادا کرنے کو تحلہ کے ساتھ موسوم کیا ہے۔

مگر اللہ تعالیٰ کے نام گرامی کی بے حرمتی کا گناہ ان کفارات سے مکمل ختم نہیں ہوگا۔ اگرچہ بعض فقہاء اس کے قائل ہیں۔ اس لئے کہ بعض دفعہ قسم کھانے کے بعد اس کو توڑنا واجب اور بعض حالات میں مستحب اور بعض اوقات مباح ہوتا ہے جبکہ کفارہ صرف اس کام کو حلال کرنے کیلئے مشروع ہے۔

تیسری قسم: وہ کفارات جو تلافی مافات کیلئے ہوتے ہیں: جیسے قتل خطا کا کفارہ، اس میں گناہ نہیں ہے اور خطاءً شکار کو قتل کرنے کا کفارہ۔

تیسری قسم جوابر (تلافی) کے قبیل سے ہے اور پہلی قسم زواجر (تنبیہ ڈنٹ) کے قبیل سے جبکہ دوسری قسم کو تحلہ کہتے ہیں۔

حد اور تعزیر جمع نہیں ہوسکتے:

ایک گناہ پر حدِ شرعی اور تعزیز دونوں جمع نہیں ہوتے۔ کسی گناہ پر شرعی حد لگ جائے تو تعزیری سزا نہیں ہوگی۔ بلکہ حد ہی کافی ہے۔ اس طرح ایک معصیت پر حد اور کفارہ بھی جمع نہیں ہوسکتے۔ بلکہ حد لگنے کے بعد کفارہ بالکل نہیں ہوگا۔ اور جسمیں کفارہ مشروع ہو اس میں حد نہیں ہے، اور وہ گناہ جس میں حد نہیں ہے اس میں

کفارہ اور تعزیر دونوں کو جمع کیا جا سکتا ہی یا نہیں؟ مثلاً حالت حیض یا حالت احرام میں جماع کرنا تو اس میں دو قول ہیں۔ بعض کے نزدیک کفارہ کے ساتھ تعزیر بھی ہونی چاہیے۔ اس لئے کہ کفارہ اللہ تعالیٰ کے نام مبارک کی بے حرمتی کی نحوست مٹانے میں ناکافی ہے۔ اور بقول بعض کفارہ ادا کرنے کے بعد تعزیر کی ضرورت نہیں ہے۔ اس لئے کہ کفارہ ہی اس کی تلافی کیلئے کافی ہے۔

ارتکابِ گناہ پر قدرتی سزائیں:

نافرمانیوں کی پاداش میں قدرت کی طرف سے پہنچنے والی سزائیں دو نوعیت کی ہیں۔ (۱) دل وجان پر طاری ہونے والی سزائیں۔ (۲) بدن اور مال پر جاری ہونے والے عقوبتیں۔

ارتکابِ گناہ پر دل پر اثر انداز ہونے والی سزاؤں کی دو قسمیں ہیں۔۱۔ دل کو پہنچنے والی تکالیف ۔۲۔ دل کی صلاحیت ومواد کا ختم ہونا۔ اور جب دل سے اس کی صلاحیت منقطع ہوجائے تو دل ان صلاحیتوں کے اضداد سے متصف ہوگا۔ بدنی سزا کے مقابلے میں یہ دلی سزا بہت زیادہ تکلیف دہ اور باعث مضرت ہے، بلکہ بدنی تکلیف کی اصل بھی وہی قلبی عذاب ہے۔

گناہوں کی نحوست سے دل پر طاری ہونے والی تکلیف بڑھتی رہتی ہے یہاں تک پورے بدن پر اثر انداز ہوتی ہے۔ جیسا کہ بدن پر آنے والی تکلیف دل تک پہنچ جاتی ہے۔

جب جان تن سے جدا ہوجائے تو تکلیف وعذاب کا تعلق صرف نفس وجان کے ساتھ ہوتا ہے اور اس وقت تکلیف صرف دل کو ہوتی ہے۔اسی کا نام عذاب قبر ہے جیسا کہ دنیا میں بدن کو تکلیف ہوتی ہے اس کا کچھ اثر دل پر ہوتا ہے۔ اس طرح برزخ میں تکلیف اصلی دل کو ہوگی۔

گناہ کے ارتکاب پر بدن پر طاری ہونے والی سزائیں:

بدن پر لاگو ہونے والی سزائیں بھی دو قسموں میں منقسم ہیں۔ ایک قسم کا تعلق دنیا سے ہے اور دوسری قسم کا تعلق آخرت سے ہے، اور ان سزاؤں میں شدت وخفت اور ان کا دائمی ہونا، وغیرہ گناہ کی نوعیت کے مطابق ہوگا۔

اس عذاب کا سبب بداعمالی ہے اور بداعمالی کا سبب شرِ نفس ہے۔ گویا یہی دو شر نفس اور اعمال بدان سزاؤں سے دو چار ہونے کی اصل وجہ ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خطبوں میں انہی دو چیزوں سے ان الفاظ کے ساتھ پناہ مانگا کرتے تھے: ﴿ونعوذباللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا﴾ اپنے نفسوں کے شرور اور برے اعمال کے ارتکاب سے ہم خود کو اللہ تعالیٰ کی پناہ میں دیتے ہیں۔ انسان سے برے اعمال کا صدور بھی نفس کے شرارتوں کی وجہ سے ہوتا ہے۔ گناہ اور اس کی پاداش میں مبتلاءِ سزا ہونا ان سب کی بنیاد نفس ہے، اور اعمالِ بد اس شر کے نتیجے میں پیدا ہونے والے ثمرات ہیں۔

﴿ومن سیئات اعمالنا﴾ کی تشریح میں علماء کا اختلاف ہے کہ سیئات کی اضافت اعمال کی طرف نوعی ہے یا بیانی؟ بعض کے نزدیک نوعی ہے۔ یعنی افعال کی برائی سے پناہ چاہتا ہوں اور بعض کے نزدیک اضافت بیانیہ ہے یعنی برے افعال سے پنا مانگتا ہوں۔ اور بعض علماء فرماتے ہیں کہ یہاں مضاف مقدر ہے یعنی تقدیر عبارت یہ ہے۔ من عقوبات اعمالنا التی تسوء یعنی بداعمال کی سزاؤں سے پناہ مانگتا ہوں، یہ آخری قول راجح ہے۔ اس لئے کہ یہ شر کے تمام پہلوؤں پر مشتمل ہے۔ اس لئے کہ نفس کی شرارتیں اعمالِ بد کے ارتکاب کے اسباب ہیں اور اعمال بد کے ارتکاب پر سزائیں ملتی ہیں۔ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا شرورِ نفس اور سیئاتِ اعمال سے پناہ مانگنا دراصل شر کی بیناد، اس کی فرع اور اس کی غایت ومقتضا سب سے

پناہ مانگنا ہے۔

اسی طرح فرشتوں نے بھی انسان کو بچانے کیلئے اللہ تعالیٰ سے ان الفاظ میں دعا کی ہے۔

﴿وَقِهِمُ السَّيِّئَاتِ وَمَنْ تَقِ السَّيِّئَاتِ يَوْمَئِذٍ فَقَدْ رَحِمْتَهُ﴾

''اے اللہ! ان کو برائیوں سے بچائیو! اور جس کو اس کی برائی سے بچالیا تو اس پر یقیناً آپ نے رحم کیا۔'' (غافر:۹)

فرشتوں کی دعا اعمالِ بد اور ان کی پاداش میں ملنے والی سزا سے بچنے پر مشتمل ہے: اس لئے کہ جب اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کو ارتکابِ اعمال بد سے بچایا تو اس کی پاداش میں ملنے والے عذاب سے ضرور بچائے گا جیسا کہ ومن تق السیئات یومئذفقدر حمته میں اس کی وضاحت موجود ہے۔

اگر یہ کہا جائے کہ فرشتوں کی دعا بالکل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے استعاذہ کی طرح ہے اس میں کوئی فرق نہیں۔اس لئے کہ فرشتوں نے اللہ تعالیٰ سے مؤمنین کو عذاب جحیم سے بچانے کی درخواست کی جو بعینہ عقوبات سیئہ ہے۔ اور لفظ یومئذ سے اس پر اشکال نہ کیا جائے۔ اس لئے کہ ان سب سے اصل مقصود اور مطلوب اسی دن اعمالِ بد کے شرور سے بچانا ہے۔ اور یہی شرورِ نفس ہی اعمالِ بد کے لئے محرک ہیں،تو کہا جائے گا کہ اعمال بد کے ضرر سے بچاؤ کی دوصورتیں ہیں۔

پہلی صورت یہ ہے کہ اعمال بدکرنے کا موقع ہی نہ دیا جائے۔ دوسری صورت یہ ہے عملِ بد کا ارتکاب تو ہولیکن اس کی پاداش میں ملنے والی سزا معاف ہوجائے۔ اس پر عذاب نہ دیا جائے۔ تو آیت ان دونوں صورتوں کو شامل ہے یعنی اس میں ان دونوں سے بچانے کی درخواست اللہ تعالیٰ سے کی گئی ہے۔اور یومئذ کا

تعلق جملہ دعائیہ سے نہیں بلکہ اس کا تعلق جملہ شرطیہ سے ہے۔

عرش الٰہی کو اٹھانے والے اور اس کے اردگرد رہنے والے فرشتے اپنے رب کی تعریف اور ان کی تسبیح بیان کرتے رہتے ہیں، اور ان پر ایمان لاتے ہیں اور ان پر ایمان لانے والوں کیلئے بخشش مانگتے رہتے ہیں اور کہتے ہیں: تیری رحمت اور تیرا علم سب پر حاوی ہے تو توبہ کرنے والوں اور اپنی راہ چلنے والوں کو بخشدے۔اور انہیں جہنم کی آگ سے بچائے۔ اے ہمارے رب! ان کو جنت میں داخل فرمادے جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ جس کا آپ نے ان سے وعدہ بھی کیا ہے۔

ذرا فرشتوں کی اس دعا کے مندرجات میں غور کیجئے کہ فرشتے مؤمنین کو ایمان اور اعمال صالح کی صفت کے ساتھ یاد کرتے ہیں، چنانچہ فرشتوں نے اللہ تعالیٰ سے ان کے گناہوں کی معافی کی درخواست کر کے ان پر احسان کا معاملہ کیا۔ اللہ تعالیٰ سے طلب بخشش سے پہلے اللہ تعالیٰ کے علم اور ان کی رحمت کی وسعت کو وسیلہ بنایا باوجود یکہ اللہ تعالیٰ ان کے گناہوں کو گناہوں کے اسباب کو گناہوں سے بچنے میں کمزوری کو ان کے نفسوں کی خواہشات کو، ان کی طبیعتوں پر قبضے کو اور دنیا کو ان کیلئے مزین کرنے کو ان کی پیدائش سے پہلے جانتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کو یہ بھی معلوم ہے، کہ یہ لوگ گناہ کا ارتکاب کریں گے اور اللہ تعالیٰ معاف اور بخشش کو پسند بھی کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت وسیع ہے۔ اللہ تعالیٰ ایمانداروں اور اپنے سے محبت کرنے والوں کو جہنم میں ڈال کر ہلاک نہیں فرمائیں گے۔ غرض اللہ تعالیٰ کی وسیع رحمت سے انتہائی بدبخت ہی محروم ہوگا۔ ورنہ اللہ تعالیٰ کی رحمت بہت وسیع ہے۔

اس کے بعد (فرشتے) اللہ تعالیٰ کے ساتھ محبت کے راستے پر چل کر گناہوں سے توبہ کرنے والوں کیلئے دعاءِ مغفرت بھی کی اور جہنم کے عذاب الیم سے انہیں بچانے کی بھی درخواست کی۔ اور اللہ تعالیٰ سے یہ بھی دعا کی کہ ان مؤمنین کو ان کی اولاد اور ان

کی زوجات کو جناتِ عدن میں داخل فرمادے جس کا آپ نے ان سے وعدہ کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اگرچہ اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتے، مگر پھر بھی اس کے لئے اسباب مقرر کر رکھے ہیں۔ انہیں اسباب میں سے جنت میں داخل کرنے کیلئے فرشتوں کی دعاء اور نیک اعمال کی توفیق اور فرشتوں کا مسلسل ان کے لئے دعا کرنا بھی ہے۔

فرشتوں نے اپنی دعاء کے آخر میں کہا ہے:

﴿اِنَّکَ اَنۡتَ الۡعَزِیۡزُ الۡحَکِیۡمُ﴾ (البقرة:۱۲۹)

ترجمہ: بیشک آپ ہی غالب حکمت والے ہیں۔

یعنی ان تمام کا اصل مرجع، اس کی غایت آپ ہی کی قدرت اور علم کا کمال ہے۔ اپنی دو صفتوں کمال قدرت اور کمال علم (حکمت) کے ذریعے آپ کسی کام کے کرنے اور کسی کام کے نہ کرنے کا حکم صادر فرماتے ہیں، ماننے پر ثواب اور نہ ماننے پر عذاب دیتے ہیں۔ یہی دو صفتیں خلق وامر کے مرجع ومصدر ہیں۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اعمال بد پر مقرر سزائیں شرعی اور قدرتی سزاؤں پر مشتمل ہیں۔ تو یہ سزائیں کبھی دل پر اور کبھی بدن پر اور بسا اوقات قلب وبدن دونوں پر واقع ہوتی ہیں۔ اور کچھ سزائیں مرنے کے بعد عالم برزخ میں اور عالم حشر میں دامن گیر ہوتی ہے۔

بہر حال کوئی گناہ بھی سزا سے خالی نہیں ہے، لیکن انسان اپنی جہالت کی بنا پر ان سزاؤں کا احساس نہ کر سکے تو اور بات ہے۔ اس لئے کہ انسان (اپنی غفلت کی بناء پر) نشہ میں مست یا خوابیدہ شخص کی طرح ہے جسے تکلیف کا احساسِ تک نہیں ہوتا۔ اور جب بیدار ہو یا ہوش میں آجائے تب اسے احساسِ تکلیف ہوتا ہے۔ گناہ کی پاداش میں عقوبت میں مبتلا ہونا ایسا ہی ضروری ہے جیسا کہ آگ کیلئے جلانا، توڑنے کیلئے ٹوٹنا، پانی کیلئے غرق کرنا، اور زہر کیلئے بدن کو برباد کرنا۔ لیکن ضروری نہیں

ہے کہ گناہ کے فوراً بعد ہی سزا ہو بلکہ اس میں کبھی تاخیر بھی ہوتی ہے، اور کبھی ارتکابِ گناہ کے فوراً بعد بھی سزا مل جاتی ہے۔ جیسا کہ بیماری ہے، اسباب گناہ کے بعد بیماری کبھی جلدی اور کبھی کچھ وقت گذرنے کے بعد لاحق ہوتی ہے۔

اس مقام میں اکثر لوگ مغالطے کا شکار ہوسکتے ہیں۔ اس لئے کہ گناہ کے ارتکاب کے بعد فوراً گناہ کی سزا کے اثرات دکھائی نہیں دیتے۔ اسی بناء پر انسان کو سزا نہ ہونے کا گمان ہوتاہے مگر گناہ زہر کی طرح آہستہ آہستہ اپنا عمل کرتا رہتا ہے۔ اگر اس دوران اس زہر کا علاج کردیا اور اثراتِ زہر کو ختم کردیا تو ٹھیک۔ ورنہ آہستہ آہستہ زہر اپنا کام کرکے اس کو ہلاکت کے دروازے پر پہنچا دیتا ہے۔ اسی طرح اگر گناہ کو توبہ کی دوا کے ذریعے ختم کردیا تو ٹھیک ورنہ وہ اس کو ہلاک کردے گا۔

ذرا غور کیجئے! جب صرف ایک گناہ بھی باعث ہلاکت ہےتو گناہوں پر گناہ کرنے والے اور اس کا علاج بھی نہ کرنے والے کا کیا حال ہوگا؟

گناہوں پر مرتب ہونے والی بعض سزائیں:

اللہ تعالیٰ کی طرف سے گناہوں پر مرتب ہونے والی سزاؤں کو دل ودماغ پر حاضر کرکے اس میں مبتلا ہونے کو ذرا سوچو، اور نفس کو ان سزاوں سے ڈرا کر گناہوں کو چھوڑنے پر آمادہ کرو۔ میں گناہ کی چند سزاؤں کو یہاں درج کرتا ہوں ان میں سے چند پر یقین کرنا ہی ترک گناہ کیلئے کافی ہے۔ جبکہ عاقل کیلئے اشارہ ہی کافی ہوتا ہے۔

دل پر مہر لگنا:

ایک سزا دل اور کانوں پر مہر اور آنکھوں پر پردہ پڑنا ہے، دلوں کا قبول حق

سے بند ہونا، تہہ بتہہ زنگ آلود ہونا، دلوں کا اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل ہونا، خود اپنے آپ تک سے غفلت برتنا، حق سے روگردانی کرنا، اللہ تعالیٰ کا اس کے دل کی تطہیر کے ارادے کو ترک کرنا نیز سینہ کو قبول حق سے ایسا تنگ و مشکل کرنا جیسا کہ آسمان کی طرف چڑھنا اس کے لئے مشکل ہے۔ دل پر امراض کی بہتات کی وجہ سے دل کا منحوس ہونا جیسا کہ حضرت امام احمد بن حنبلؒ حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل فرماتے ہیں کہ دل چار ہوتے ہیں۔ ایک دل وہ ہے جو تمام گندگیوں سے صاف ستھر اور چراغ کی طرح روشن ہو۔ یہ مومن کا دل ہے۔ ایک وہ ہے جو پردوں میں بند ہے وہ کافر کا دل ہے۔ دل کی ایک قسم اوندھا ہے یہ قلب منافق ہے۔ ایک قسم وہ ہے جس میں دو مادے ہوتے ہیں۔ ایک مادہ نفاق کا دوسرا ایمان کا۔ ان میں سے جو بھی غالب ہو جائے اعتبار اس کا ہوگا۔

دل پر اثر انداز ہونے والی سزاؤں میں سے ایک سزا یہ ہے کہ گناہ سے دل طاعت سے ہٹ جاتا ہے اور عمل کرنے سے اپاہج ہو کر رہ جاتا ہے۔

دل پر اثر انداز ہونے والی ایک عقوبت دل کا گونگا، بہرا، اور اندھا ہونا ہے۔ اس دل اور حق سے اس کو فائدہ پہنچنے کی مثال بالکل ایسی ہے جیسا کہ بہرہ آواز سے، گونگا بولنے سے اور اندھا اشیاء کو دیکھنے سے فائدہ نہیں اٹھا سکتا۔ اسی سے معلوم ہوا کہ اصلی بہرا پن، گونگا پن اور اندھا پن دل کا ہے اور زبان، کان اور آنکھ کا گونگا، بہرہ اور اندھا ہونا عارضی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان بھی ایسا ہی ہے۔

﴿فَاِنَّهَا لَاتَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِىْ فِى الصُّدُوْرِ﴾ (الحج:۴۶)

''نابینا نہیں ہوتی آنکھیں لیکن سینوں میں دل کی بصیرت ختم

ہوتی ہے۔''

لہٰذا اس آیت میں ظاہری آنکھوں کے نابینا ہونے کی نفی نہیں ہے۔ کیوں کے قرآن کریم ہی کا ارشاد ہے۔

﴿لَیْسَ عَلَی الْاَعْمٰی حَرَجٌ﴾ (النورہ:۶۱)

''نابینا کیلئے کوئی حرج نہیں ہے۔''

دوسری جگہ ارشاد ہے:

﴿عَبَسَ وَتَوَلّٰی اَنْ جَآئَہُ الْاَعْمٰی﴾ (عبس:۱۔۲)

بلکہ اس نفی سے مقصود یہ بتانا ہے کہ اصلی اندھا پن دل کا اندھا ہونا ہی ہے۔ دل کے اندھا ہونے کے مقابلے میں آنکھ کی بینائی کا ختم ہونا کم تر ہے حتیٰ کہ اس کی اس بینائی کی نفی کرنا بھی درست ہے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔ پہلوان وہ نہیں جو کسی کو بچھاڑ دے بلکہ اصلی پہلوان وہ ہے جو غصے کی حالت میں اپنے آپ پر قابو پاسکے ۔ دوسری جگہ ارشاد ہے۔(اصل) مسکین وہ شخص نہیں جو ایک دو لقموں کے خاطر مارا مارا پھرے۔ بلکہ اصلی مسکین وہ ہے جو نہ لوگوں کو اپنی ضرورت بتائے اور نہ ہی لوگ اس کی ضروریات سے باخبر ہوں کہ اسے کچھ دیدیں۔ نتیجہ کلام یہ ہے کہ اللہ کی نافرمانی کی ایک سزا یہ بھی ہے اس سے دل اندھا، گونگا اور بہرہ ہوجاتا ہے۔

دل کا دھنس جانا:

گناہوں کا ایک نقصان یہ بھی ہے کہ اس سے دل اندر دھنس جاتا ہے جیسا کہ مکان زمین میں تمام سامان کے ساتھ دھنستا چلا جاتا ہے۔ یہاں تک دل سے احساس زیاں ختم ہوجاتا ہے اور انسان اسفل السافلین تک پہنچ جاتا ہے مگر اس کو اس کا

احساس تک نہیں ہوتا۔

اس کی علامت یہ ہے کہ ایسے دل کا حامل شخص ہمیشہ گناہوں کی غلاظتوں، نازیبا حرکات اور برے افعال کے گرد مسلسل گھومتا رہتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا مقرب دل خیر وفلاح اور اعلیٰ کردار واخلاق کا عادی اور دلدادہ ہوتا ہے۔

کسی بزرگ کا قول ہے کہ ہر دل گھومنے اور گشت کرنے والا ہے لیکن بعض دل تو عرش الٰہی کے گرد وپیش چکر لگاتے ہیں اور بعض غلاظتوں کے طواف میں مصروف ہیں۔

دل کا مسخ ہونا:

گناہ کی ایک سزا یہ ہے کہ صورت کے مسخ کی طرح دل بھی گناہوں کی نحوست کی وجہ سے بگڑ جاتا ہے۔ حتیٰ کہ دل بگڑ بگڑ کر اخلاق وکردار اور افعال واعمال میں حیوان کے دل کی طرح ہوجاتا ہے۔ چنانچہ بعض لوگوں کے دل اتنے بگڑ جاتے ہیں کہ خنزیر کے افعال واعمال کی طرح عمل کرنے لگتے ہیں اور بعضوں کے دلوں میں بگاڑ پیدا ہوکر وہ کتوں کی طرح حرکات کرتے ہیں اور بعض گدھے، بعض سانپ اور بچھوؤں کے کردار ادا کرتے ہیں۔

فرمان الٰہی ہے:

﴿مَا مِنْ دَابَّةٍ فِی الْاَرْضِ وَلَا طَائِرٍ يَّطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ اِلَّآ اُمَمٌ اَمْثَالُكُمْ﴾ (الانعام:۳۸)

”کوئی چلنے والا زمین میں نہیں اور نہ کوئی پرندہ جو اپنے دو بازؤں سے اڑتا ہے۔ مگر تمہاری طرح کی جماعتیں ہیں۔“

چنانچہ حضرت سفیان تشریح فرماتے ہیں: بعض لوگوں کے دل درندوں کے اخلاق کے حامل ہوتے ہیں اور کچھ لوگوں کے دل گدھوں کے، بعض کے دل سوروں اور بعض کے موروں کے دلوں کی طرح ہوتے ہیں۔ چنانچہ بعض لوگ گدھے کی طرح کندذہن ہوتے ہیں اور بعض مرغوں کی طرح دوسروں کو اپنی ذات پر ترجیح دینے والے ہوتے ہیں۔ بعض کبوتر کی طرح محبت کرنے والے، بعض اونٹ کی طرح بغض رکھنے والے، بعض بکری کی طرح سراپابرکت والے اور بعض لومڑی کی طرح وفاداریاں بدلنے والے ہوتے ہیں۔

اور اللہ تعالیٰ نے بھی بعض لوگوں کی مثال کبھی گدھوں کے ساتھ، کبھی کتوں کے ساتھ کبھی چوپایوں کے ساتھ دی ہے۔

دل کے اس بگاڑ کا ہلکا سا اثر چہرے پر بھی ظاہر ہوتا ہے جسے اہل دل سمجھتے ہیں اور اعمال کے سرزد ہونے کو تو ہر ایک دیکھ اور سمجھ سکتا ہے۔ یہ بڑھتے بڑھتے اس کی شکل وصورت کو بھی بدنما بنا دیتا ہے۔ اس حالت میں باذن الٰہی اس کی مسخ ہوجاتی ہے اور اصل مسخ تو یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ اس شخص کی ظاہری صورت کو بھی اس جانور کی صورت میں کردیتا ہے جس جانور کی عادات وافعال کے ساتھ یہ شخص مشابہت رکھتا ہو، جیسا کہ یہود کے ساتھ ہوا، بعض کی شکلیں بندروں اور بعض کی سوروں میں تبدیل ہوئیں۔ سبحان اللہ! کیسے تعجب وحیرت کی مقام ہے کہ بعض لوگوں کا دل اندھا ہوجاتا ہے۔ مگر اسے اس کا احساس تک نہیں ہوتا، اور بعض کے دل بالکل مسخ ہوچکے ہوتے ہیں مگر انہیں شعور تک نہیں ہوتا۔ اور بے شمار لوگ دوسروں سے اپنی تعریف سن کر دھوکے میں آجاتے ہیں اور بعض لوگ اللہ تعالیٰ کی پردہ پوشی فرمانے سے دھوکے میں مبتلا ہوجاتے ہیں اور اکثر لوگ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جلد عذاب نہ آنے کی بنا پر عیش وعشرت میں مبتلا ہوکر اپنی حقیقت کو بھول جاتے ہیں۔ یہ تمام مذکورہ

چیزیں عذاب وسزا اور ذلت کے سامان ہیں مگر انسان اپنی جہالت کی بنا پر اسے اپنی عزت سمجھ بیٹھتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا معاملہ اس شخص کے ساتھ ایسا ہی ہوگا، چنانچہ فریب کار ٹھٹا مذاق کرنے والے اور کج فہم سے ویسا ہی معاملہ کیا جائے گا۔

دل کا الٹ جانا:

دل کو گناہوں سے نقصان پہنچنے کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ دل بالکل الٹ جاتا ہے، جس سے حق وباطل میں فرق نہیں کر پاتا۔ بلکہ حق کو باطل اور باطل کو حق سمجھتا ہے۔ نیکی کو بدی اور بدی کو نیکی تصور کرتا ہے۔ فساد برپا کر کے اس کو اصلاح کہتا ہے، اور راہِ الٰہی میں رکاوٹ بن کر خود کو داعی سمجھتا ہے، ہدایت کے بدلے گمراہی خرید کر خود کو ہدایت یافتہ گردانتا ہے۔ اپنی خواہشات کی پیروری کر کے گمان کرتا ہے کہ وہ اپنے رب تعالیٰ کا مطیع وفرمان بردار ہے۔ دل کی یہ ساری بربادیاں گناہ ہی کی وجہ سے ہوتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ سے حجاب پیدا ہونا:

دل پر گناہ کے برے اثرات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ انسان کے دل میں معرفت الٰہی سے حجاب ہوتا ہے۔ اور قیامت میں اس سے بھی بڑا حجاب ہوگا۔ جیسا کہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿كَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ٥ كَلَّآ اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ﴾ (المطففين: ۱۴/۱۵)

”ہرگز نہیں۔ بلکہ ان کے دلوں پر میل لگا ہے ان کے کرتوتوں کے سبب، ہرگز نہیں بے شک وہ اپنے رب سے اس دن روک دیئے جائیں گے۔“

چنانچہ گناہ انسان اور اس کے دل کے درمیان اس مسافت کے طے کرنے میں رکاوٹ بنتے ہیں جس پر چل کر انسان دل کی گہرائیوں میں پہنچ کر اپنی مضرت ومنفعت پر غور کرتا ہے اور دل ہی کے ذریعے اللہ تعالیٰ تک پہنچ کر اپنا مطلوب ومقصود حاصل کر کے عظیم کامیابی سے ہم کنار ہوتا ہے اور خود کو مسرور اور نفس کو خوش کرتا ہے۔ اس عظیم راہ میں گناہ ہی رکاوٹ بنتے ہیں۔

زندگی میں تنگی:

گناہ کے برے اثرات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اس کی وجہ سے دنیا اور عالم برزخ میں زندگی انتہائی تنگ گذرتی ہے اورانسان آخرت میں سخت درد ناک عذاب کا شکار ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

﴿وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِکْرِی فَاِنَّ لَهٗ مَعِیْشَةً ضَنْكًا وَنَحْشُرہٗ یَوْمَ الْقِیَامَةِ اَعْمٰی﴾ (طہٰ:۱۲۴)

”اور جو لوگ میرے ذکر سے روگردانی کریں گے تو ان کی معیشت تنگ ہوگی اور قیامت کے دن ان کو اوندھا اٹھایا جائے گا۔“

بعض حضرات نے ”مَعِیْشَة ضَنْكًا“ کی تفسیر عذاب قبر سے کی ہے۔ بلاشبہ عذاب قبر تنگ زندگی ہے مگر آیت کا مفہوم اس سے بھی وسیع تر ہے۔

آیت مذکورہ میں اگرچہ فقرہ مثبت ہے (جو خصوص پر دلالت کرتا ہے) مگر معنوی لحاظ سے اس میں عموم ملحوظ ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے تنگ زندگی کو اپنے ذکر اور احکام سے روگردانی کا نتیجہ قرار دیا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ کی یاد سے ہر اعراض کرنے والے کی زندگی بقدر اعراض تنگ ہوگی، اگرچہ دنیا میں بظاہر دنیاوی نعمتوں

سے مالا مال ہو، اور رزق کثیر سے بہرہ مند اور خوشحال ہو۔ (مگر گناہوں کی وجہ سے) اس کا دل سخت ذلت، بے پناہ وحشت اور بے پناہ کوفت وحسرت سے چور چور ہوتا ہے۔ مگر خواہشات کی بہتات، حب جاہ ومنصب اور دنیا کے عشق ومحبت کے نشہ ومستی کی بنا پر یہ حسرتیں بظاہر دکھائی نہیں دیتیں۔ یہ نشہ کوئی شراب کا نشہ نہیں ہے مگر مخمور کرنے کے اعتبار سے اس کا نشہ شراب سے بھی کئی گناہ بڑھ کر ہے۔ کیوں کہ شراب کا نشہ کسی وقت اتر بھی جاتا ہے مگر دنیاوی منصب اور مال ومنال کا نشہ نہ صرف اترتا نہیں بلکہ اس میں دن بدن اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ انسان موت کے دھانے تک پہنچ جاتا ہے۔

الغرض تنگ زندگی اسلامی احکامات سے روگردانی کرنے والے کیلئے لازم اور ضروری ہے۔ انسان کیلئے دنیاو برزخ اور آخرت میں دل کی خوشی، قلب کا اطمینان آنکھوں کی ٹھنڈک ذات الٰہی سے وابستگی میں ہی مخفی ہے۔

لہٰذا جس شخص کی آنکھ باری تعالیٰ کے قرب سے مسرور ہو تو اس سے تمام آنکھیں مسرور ہوں گی۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کی قربت سے اپنی آنکھوں کو خوشی وٹھنڈک نہ بخش سکے تو وہ ہمیشہ دنیا کی حسرتوں کے سمندر میں غرق ہو کر رہے گا۔ اللہ تعالیٰ نے پاکیزہ اور مسرور زندگی کو ایمان اور عمل صالح ہی کے ساتھ وابستہ کر رکھا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

﴿مَنْ عَمِلَ صَالِحاً مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثىٰ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيَاةً طَيِّبَةً وَلَنَجْزِ يَنَّهُمْ أَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوا يَعْمَلُوْنَ﴾ (النحل:۹۷)

''جو شخص مرد ہو یا عورت، نیک عمل کرے اور وہ مؤمن بھی ہو تو ہم (دنیا میں) ضرور اسے پاکیزہ زندگی بسر کرائیں گے اور ان

کے اچھے کردار کے مطابق آخرت میں بھی انہیں بدلہ عطا کریں گے۔"

اللہ تعالیٰ نے ایمان اور عمل صالح پر ہے دنیا میں پاکیزہ اور اچھی زندگی اور آخرت میں عظیم جزا عطا فرمانے کا وعدہ کیا ہے۔ لہٰذا ایمان کے ساتھ اعمالِ صالحہ پر زندگی گذرانے والے ہی بہترین زندگی گذارنے والے ہیں اور دونوں جہانوں میں اصل حیات سے معمور ہیں۔

یہی اس آیت میں فرمایا گیا ہے:

﴿لِلَّذِينَ اَحسَنُوا فِي هٰذِهِ الدُّنيَا حَسَنَةٌ وَلَدارُ الأخرة خَيرٌ وَلَنِعمَ دَارُ المتَّقين﴾ (النحل:۳۰)

"جن لوگوں نے دنیا میں اچھے اعمال کئے تو ان کیلئے اچھائی ہی ہے اور آخرت کا گھر بھی ان کیلئے یقیناً بہتر ہی ہوگا اور گناہوں سے خودکو بچانے والوں کا گھر یقیناً اچھا ہوگا۔"

اسی طرح ذیل کی آیت سے بھی یہی مفہوم ہو رہا ہے:

﴿وَاَنِ استَغفِرُوارَبَّكُم ثُمَّ تُوبُوا اِلَيهِ يُمَتِّعكُم مَتَاعًا حَسَناً اِلى أَجَلٍ مُّسَمًّى وَيُؤتِ كُلَّ ذِى فَضلٍ فَضلَه﴾ (ہود:۳)

"اور یہ کہ تم اپنے رب سے اپنے گناہوں کی بخشش طلب کر کے اس کی طرف رجوع کرو تا کہ ایک مدت مقررہ تک تمہیں بہترین متاع عطا فرمادے۔ ... ہر فضیلت والے کو اس کے مطابق درجہ عطا کیا جائے گا۔"

انہیں آیات سے یہی معلوم ہوا کہ دنیا اور آخرت کی نعمتوں سے لطف اندوز

ہونے والے متقی اور پرہیز گار لوگ ہی ہیں۔ دنیا اور آخرت میں پاکیزہ اور مسرور زندگی انہیں ہی حاصل ہے۔ اس لئے کہ نفس کی خوشی ، دل کا سرور، فرحت، لذت، طمانیت وانشراح قلب اوراس کا نورانی ہونا، حرام خواہشات اور باطل شبہات کو چھوڑنے سے ہی حاصل ہوگا۔ اور یہی حقیقی نعمتیں ہیں جن سے ظاہری وبدنی نعمتوں کو کچھ نسبت نہیں۔

ان عظیم لذتوں سے آشنا کسی بزرگ کا قول ہے۔ جس لذت وسرور اور قلبی حرمت میں ہم ہیں اگر بادشاہوں اور شاہزادوں کو اس کا علم ہوجائے تو اس دولت کو ہم سے چھیننے کیلئے ہم پر حملہ آور ہوجائیں۔

اور اس جیسے کسی اور بزرگ کا فرمان ہے: بسا اوقات دل پر ایسی کیفیات طاری ہوتی ہیں تو میں کہا کرتا ہوں کہ اہل جنت اگر اس جیسی خوشیوں میں ہیں تو یقیناً وہ عظیم ترین وپاکیزہ زندگی گزار رہے ہیں۔

اسی طرح ایک اور بزرگ کا قول ہے فرماتے ہیں: آخرت کی جنت کی طرح اس دنیا میں بھی ایک جنت ہے چنانچہ جو دنیا کی اس جنت (دلی فرحت وسرور) میں داخل ہوا تو وہ آخرت کی جنت میں بھی داخل ہوسکے گا۔ اگر اس میں داخل نہیں ہو سکا تو آخرت کی جنت میں بھی داخل نہیں ہوسکے گا۔ اسی دنیاوی جنت کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

﴿اذا مررتم بریاض الجنة فارتعوا قالوا!وما ریاض الجنة؟ قال حلق الذکر﴾ [1]

”جب تم جنت کے باغوں سے گذرو تو خوب چرو، صحابہ نے عرض کیا یارسول اللہ! جنت کے باغ کیا ہیں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنت کے باغ ذکر کے حلقے ہیں۔“

اور فرمایا:

---

[1] بخاری، مسلم، نسائی

﴿وما بین بیتی ومنبری روضة من ریاض الجنة﴾

''میرے گھر اور میرے منبر کے درمیان کا حصہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے۔''

اللہ تعالیٰ کا فرمان مبارک ہے:

﴿اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِی نَعِیمٍ وَاِنَّ الْفُجَّارَ لَفِی جَحِیمٍ﴾

(الفطار:۱۳)

''بے شک نیک لوگ نعمتوں میں ہوں گے، اور نافرمان لوگ یقیناً جہنم میں ہوں گے۔''

اولیاء اللہ کیلئے نعمتوں کو صرف آخرت کی زندگی کے ساتھ خاص نہ سمجھیں بلکہ نیک لوگ دنیا، برزخ اور آخرت تینوں ادوار میں نعمتوں اور فرحتوں میں ہوں گے، اور نافرمان تینوں جگہ عذاب میں مبتلا ہوں گے۔ تو غور کیجئے کہ دل کی سلامتی، سینے کی درستگی اللہ تعالیٰ کی معرفت اور ان کی محبت میں ہے پھر اس کے موافق اعمال سے بڑھ کر بھی کوئی شیریں ولذیذ و پرسرور زندگی ہوسکتی؟ ہرگز نہیں! بلکہ حقیقی زندگی صرف صرف قلب سلیم کے ساتھ ہی ہوسکتی ہے۔ ذرا دیکھیے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے خلیل حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تعریف ان کے دل کی سلامتی کے ساتھ کی ہے۔

﴿وَاِنَّ مِنْ شِیْعَتِهٖ لَاِبْرٰهِیْمَ اِذْ جَآءَ رَبَّهٗ بِقَلْبٍ سَلِیْمٍ﴾ (الصفت:۸۳)

''بے شک اللہ کی جماعت میں ابراہیم بھی تھا جس وقت اپنے رب کے پاس آیا تو پاک دل کے ساتھ آیا۔''

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے خود حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قول نقل فرمایا: وہ فرماتے ہیں:

﴿یَوْمَ لَا یَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ اِلَّا مَنْ اَتَی اللّٰهَ بِقَلْبٍ

سَلِیۡمٍ ﴿﴾ (الشعراء:۸۸)

''اس دن مال فائدہ دیگا نہ اولاد، مگر (کامیاب وہ ہوگا) جو پاک دل لیکر اللہ کے پاس آیا۔''

قلب سلیم وہ ہے جو شرک، بغض، حسد، کینہ، بخل، کبر، حب دنیا اور حب جاہ جیسے مہلک بیماریوں سے محفوظ ہو۔ اور اللہ تعالیٰ سے دور کرنے والی ہر آفت سے پاک ہو۔ ہر قسم کے شکوک وشبہات سے منزہ ہو، اللہ تعالیٰ کے اوامر سے روکنے والی ہر خواہش سے دور ہو، غرض اللہ تعالیٰ سے تعلق توڑنے والی ہر چیز سے پاک وصاف ہو۔ تو یہی دل دنیا کی جنت، پھر برزخ کی جنت اور اس کے بعد آخرت کی جنت میں ہوگا۔

دل کی سلامتی:

دل اس وقت تک سلیم نہیں ہوگا جب تک پانچ چیزوں سے محفوظ نہ ہو۔

(۱) شرک سے (۲) بدعت سے (۳) غفلت سے (۴) خواہش سے، یہی پانچ چیزیں معرفت الٰہی اور قرب خداوندی کی راہ میں رکاوٹ ہیں۔ ان پانچ چیزوں میں سے ہر چیز کے تحت بے شمار انواع ہیں جس کا احصا انتہائی مشکل ہے۔

صراطِ مستقیم:

یہی وجہ ہے کہ انسان کو سب سے زیادہ ضرورت اللہ تعالیٰ سے اپنے لئے صراطِ مستقیم پر چلنے کی دعا کی ہے۔ اس دعا کا انسان سب سے بڑا محتاج ہے اور اس چیز سے بڑھ کر اس کے لئے اور کوئی چیز نفع مند نہیں ہوسکتی۔ صراطِ مستقیم مختلف علوم، ارادات اور کچھ کرنے اور کچھ نہ کرنے کے اعمال پر مشتمل ہے۔ جس پر چلتے ہوئے اس کا خیال رکھنا ضروری ہے۔ لیکن صراط مستقیم کی ان تفصیلات سے انسان کبھی

واقف ہوتا ہے اور کبھی بے خبر ہوتا ہے۔ اور بسا اوقات صراط مستقیم کے متعلق اس کے معلومات کے مقابلے میں اس کی جہالت زیادہ ہوتی ہے اور صراط مستقیم کے جن امور کا علم رکھتا ہے تو کبھی انہیں کرنے پر بھی قادر ہوتا ہے، اور کبھی عاجز۔ اور جن امور کو بجالانے پر قادر ہے تو نفس کبھی ان کو کرنے پر تیار ہوتا ہے اور کبھی کاہلی اور سستی کر کے یا کسی مانع اور رکاوٹ کی بنا پر انہیں انجام دینے کیلئے بالکل تیار نہیں ہوتا۔

اور وہ امور جن کے انجام دہی پر قادر ہے اور نفس بھی اسے بجالانے پر آمادہ ہے مگر کسی وجہ سے انجام نہیں دے سکتا، اگر انجام دے بھی دے تو کبھی اسے خالص کرنے کی شرائط کو پورا کر سکے گا اور کبھی وہ شرائط کے مطابق عمل نہیں کر پائے گا۔ اور اگر اخلاص کی شرائط کے مطابق اس کام کو کر دے تو کبھی سنت کے مکمل مطابق ہو اور کبھی سنت کی مکمل تابعداری اس سے نہیں ہو سکے گی۔ اور تمام شرائط کے ساتھ ادا کر کے کبھی اس پر ثابت قدم رہ سکے گا اور کبھی اس کو برقرار رکھنے پر کامیاب نہ ہو پائے گا۔ بلکہ اس کا دل اس سے پھر جائے گا۔ تو مذکورہ تمام صورتیں تمام انسانوں میں پائی جاتی ہیں۔ کسی میں کم کسی میں زیادہ۔

ان چیزوں کی طرف رہنمائی انسان صرف اپنی طبیعت سے نہیں پا سکتا اس لئے کہ انسانی طبیعت میں ان چیزوں کی طرف رہنمائی کا عنصر نہیں ہے۔ بلکہ اگر انسان کو اگر خود اس کی طبیعت پر چھوڑ دیا جائے (اگر توفیق الٰہی اور وحی کی رہنمائی شامل حال نہ ہو) تو ان امور کی طرف رہنمائی تو کیا بلکہ ان امور کے سمجھنے کی راہ میں خود نفس انسانی رکاوٹ بن جائے گا۔ اسی (رہنمائی میں انسان کو اس کے نفس کے حوالے کرنا) کو ارکاس کہا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے منافقین کو ان کی نافرمانیوں کے پاداش میں اس کیفیت سے دو چار کر رکھا ہے یعنی ان کو ان کے نفس کے حوالے کر دیا ہے تو نفس اپنی طبعی جہالت کی بناء پر صراط مستقیم کی طرف ان کی رہنمائی نہیں کر سکتا

جبکہ اللہ تعالیٰ تک رسائی صراط مستقیم پر چلے بغیر ممکن نہیں ہے تو اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل اور اپنی رحمت سے جسے چاہتے ہیں صراط مستقیم پر چلنے کی توفیق عطا فرماتے ہیں اور جسے چاہتے ہیں اسے صراط مستقیم سے ہٹا دیتے ہیں یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے علم وحکمت اور ان کے عدل کے مطابق ہے یعنی جسے اس کا اہل سمجھتے ہیں اسے ہدایت سے نوازتے ہیں اور جسے نااہل سمجھتے ہیں ہدایت سے دور کر دیتے ہیں۔

قیامت کے دن بھی ایک صراط مستقیم مقرر فرمائیں گے جس پر چل کر ہی اللہ تعالیٰ تک پہنچا جا سکے گا۔ چنانچہ دنیا میں جو لوگ اس صراط مستقیم پر چلتے رہے تو وہ قیامت کی اس صراط پر بھی چل سکیں گے۔ اس پر چل کر جنت تک پہنچ جائیں گے اور جو لوگ دنیا میں اپنی زندگی کی گاڑی کو صراط مستقیم پر چلانے میں کامیاب نہ ہو سکے تو قیامت کے دن بھی اس صراط پر نہیں چل پائیں گے۔ حشر کی ظلمتوں سے نکالنے کے لئے اللہ تعالیٰ مؤمنین کے سامنے ایک نور ظاہر فرمائیں گے جو ان کے سامنے اور دائیں بائیں روشنی کریگا، اور اللہ تعالیٰ اس نور کی حفاظت فرماتے رہیں گے یہاں تک مومن حشر کی ظلمتوں سے نکل جائے گا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا کے اندر ان کے ایمان کی حفاظت موت تک کی۔ اور منافقین کے نور کو بجھا دیں گے حالانکہ وہ اس وقت روشنی کے سخت ضرورت مند ہوں گے۔ جیسا کہ دنیا کے اندر ان کے گناہوں کے پاداش میں ان کے دلوں کے نور کو ختم کر دیا تھا۔

قیامت کے دن نافرمانوں کے اعمال بد صراط کے دونوں جانب تکلیف دہ کانٹوں کی صورت میں قائم ہوں گے اور ان کو صراط مستقیم سے ہٹا کر چھوڑیں گے۔ جیسا کہ یہی بد اعمال دنیا میں بھی ان کے پائے استقامت کو صراط مستقیم سے ہٹا کر گمراہی کی راہ ڈال دیتے تھے۔

آخرت کی اس صراط پر چلنے میں تیزی یا سستی دنیا میں صراط مستقیم پر چلنے کی

بقدر ہوگی۔ اور اللہ تعالیٰ قیامت کے دن مؤمنین کیلئے ایک حوض کا بھی انتظام فرمائیں گے تا کہ مؤمنین دنیا میں شریعت پر چلنے کی بقدر اس حوض سے پانی حاصل کریں اور جو لوگ دنیا میں شریعت کے آب حیات کو پینے سے روگردانی کرتے ہیں وہ اس حوض سے بھی محروم ہوں گے۔

آخرت کے ان حالات کو ذرا اپنے گوشہ فکر میں لائیے گویا یہ آپ کی آنکھوں کے سامنے ہے اور اللہ تعالیٰ کی حکمت بالغہ میں ذرا غور وفکر کریں تو یہ بات بھی کھل کر سامنے آئیگی اور آپ کو یقین کامل ہو جائے گا کے دنیا آخرت کی کھیتی ہے، اور اسی کا نمونہ ہے، چنانچہ قیامت میں سعادت وشقاوت کے اعتبار سے درجات میں فرق بھی دنیا میں ایمان، اعمال صالحہ یا ان کے اضداد کے اعتبار سے ہوگا۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ گناہ کا سب سے بڑا نقصان یہ ہے کہ اس کی وجہ سے انسان دنیا اور آخرت دونوں میں صراط مستقیم سے بھٹک جاتا ہے۔

گناہ کی قسمیں:

گناہ کی چونکہ اپنے مفاسد ودرجات کے لحاظ سے مختلف قسمیں ہیں تو اس کی دنیاوی واخروی عقوبتیں بھی مختلف ہیں، ہم اللہ تعالیٰ کی توفیق ومدد سے یہاں اس کا ایک مختصر خاکہ آپ کے سامنے پیش کریں گے۔

ابتداءً گناہ کی دو قسمیں ہیں۔ ایک یہ کہ ان کاموں کو نہ کرنا جن کو کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ دوسرا: ان کاموں کو کرنا جن کو نہ کرنے کا فرمان جاری ہوا ہے۔

یہی دو گناہ ہیں جن کے ذریعے انس وجن کی طاعت ونافرمانی کا امتحان لیا

جاتا ہے۔ پھر ان دونوں میں سے ہر ایک کی دو دو قسمیں ہیں۔ ایک قسم کا تعلق ظاہری اعضاء وجوارح سے ہے اور دوسری کا جوڑ دل سے ہے۔ اسی کی ایک تقسیم حقوق اللہ اور حقوق العباد بھی ہے۔ اگرچہ سارے حقوق حقیقۃ حقوق اللہ ہی ہیں مگر بعض حقوق کو حقوق العباد اس لئے کہتے ہیں کہ وہ بندوں کے مطالبے سے بجالائے جاتے ہیں اور ان کے ساقط کرنے سے ساقط ہوجاتے ہیں۔ پھر مذکور قسمیں مزید چار قسموں پر تقسیم ہوتی ہیں۔(۱) ملکیہ (۲) شیطانیہ (۳) سبعیہ (۴) بہیمیہ بس گناہوں کی یہی چار قسمیں ہیں۔

معصیت ملکیہ:

یہ ہے کہ انسان کا خود کو صفات الٰہی یا عظمت، یا کبریائی صفات سے متصف جاننا! گناہ کی اس قسم میں شرک بھی داخل ہے۔ شرک دو نوعیت کا ہے۔ (۱) اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کے ساتھ کسی کو شریک ماننا۔(۲) دوسرا اللہ تعالیٰ کے معاملات میں کسی کو شامل کرنا۔ شرک کی دوسری قسم اگرچہ تمام اعمال کو غارت کردیتی ہے مگر بسا اوقات موجب دخول جہنم نہیں ہوتی۔

گناہوں کی یہ قسم (شرک) تمام انواع میں سے سب سے بڑا گناہ ہے جو بغیر علم کے اللہ تعالیٰ کے خلق وامر میں دخل اندازی کرنے کی کوشش کرنا ہے اور اللہ کے ساتھ منازعت کرنا ہے۔ اس گناہ کے ہوتے ہوئے کوئی بھی نیک عمل فائدہ مند اور کارگر نہیں ہوگا۔

معصیت شیطانی:

وہ ہے جو حسد، بغاوت، دھوکہ، فریب، سازش اور برائی کو مزین کرکے اس کا حکم دینے، نیکی سے روکنے، دین میں بدعت گھڑنے، بدعت اور گمراہی کی طرف

دعوت دینے میں شیطان کے مشابہ ہے۔

خرابی اور فساد کے اعتبار سے یہ بھی پہلی قسم سے ملتی جلتی ہے مگر پہلے کے مقابلے میں ذرا کم ہے۔

معصیت درندگی:

دشمنی کرنا، غصہ کرنا، خون ریزی، ضعیف اور عاجز پر حملہ جیسے گناہ اس قسم میں داخل ہیں۔ نوع انسانی کو ضرر پہنچانا اور ظلم وعدوان پر جرأت وجسارت کرنا بھی اسی قسم کا حصہ ہے۔

معصیت بہیمی:

پیٹ اور شرم گاہ کا خواہشات کی تکمیل پر شدید حریص ہونا ہے چنانچہ زنا، چوری، غریبوں اور یتیموں کا مال کھانا، بخل کرنا، حرص بزدلی، جزع اور فزع اسی بہیمیت کے نتیجے ہیں۔ اکثر لوگوں کے گناہ اسی قسم میں داخل ہیں۔ کیوں کہ لوگوں کی اکثریت ملکی اور درندگی سے عاری ہے۔ وہ اسی معصیت بہیمی سے گناہ کی دوسری قسموں میں داخل ہوتے ہیں اور پھر اسی سے درندگی اور شیطانی معصت میں داخل ہوکر شرک کے دروازے تک پہنچ جاتے ہیں۔ جو بھی اس میں تأمل کریگا یہ حقیقت اس کے سامنے کھل جائے گی کہ معصیت شرک وکفر کی دہلیز ہے۔

گناہ کی دوقسمیں:

قرآن وسنت، اجماع صحابہ وتابعین اور ائمہ سے ثابت ہے کہ گناہ، صغیرہ اور کبیرہ میں منقسم ہیں۔ فرمان الٰہی ہے:

﴿اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَائِرَ مَاتُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّئَا تِكُمْ وَنُدْخِلْكُمْ مُدْ خَلاً كَرِيْمًا﴾ (النساء:۳۱)

''اگر تم بڑے گناہوں سے بچو گے، جن سے تمہیں منع کیا گیا ہے تو ہم تمہیں تمہارے چھوٹے گناہ معاف کر دیں گے۔''

دوسری جگہ ارشاد ہے:

﴿اَلَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبَائِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ اِلَّا اللَّمَمَ﴾ (النجم:۳۲)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان مبارک ہے:

﴿الصلوات الخمس، والجمعة الى الجمعة ورمضان الى رمضان مكفرات لما بينهن اذا اجتنبت الكبائر﴾

''پانچوں نماز اور جمعہ سے جمعہ تک اور رمضان سے رمضان تک درمیانی عرصے کے گناہوں کا کفارہ ہیں جبکہ کبیرہ گناہوں سے پرہیز ہو۔''

ان گناہوں کو اعمال صالحہ مٹا دیتے ہیں اور گناہوں کو مٹانے والے اعمالِ صالحہ کی تین قسمیں ہیں۔

پہلی قسم: وہ عمل صالح ہے جو اخلاص کی کمی اور شرائط ادائیگی کے بجالانے میں سستی کے سبب کبیرہ گناہ نہیں مٹا سکتا بلکہ صرف صغیرہ گناہوں کو مٹانے کی اہلیت رکھتا ہے۔ جیسا کہ سخت بیماری کے مقابلے میں کمزور دوا کام نہیں کر سکتی۔

دوسری قسم: اعمال صالحہ کی وہ ہے جو صغائر کو مٹانے کی اہلیت تو رکھتے ہیں مگر کبیرہ گناہوں کو مٹانے کی اہلیت نہیں رکھتے۔

تیسری قسم: وہ ہے جو صغیرہ گناہوں کو تو بڑی آسانی سے ختم کر سکتے ہیں اور

بعض کبیرہ گناہوں کو بھی مٹانے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔

اس میں ذرا غور سے کام لیں تو بہت سارے شبہات دور ہو جاتے ہیں۔

بخاری و مسلم میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے۔

﴿اجتنبوا السبع الوبقات قيل: وما هن يارسول الله؟ قال الا شراك بالله، والسحر، وقتل النفس التى حرم اللّٰه الّا بالحق، واكل مال اليتم، واكل الربا والتولى يوم الزحف وقذف المؤمنات الغافلات﴾ (بخاری و مسلم)

''سات مہلک گناہوں سے خود کو بچاؤ آپؐ سے پوچھا گیا وہ کونسے گناہ ہیں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: شرک، جادو، ناحق قتل کرنا، یتیم کا مال کھانا، سود کھانا، میدان جہاد سے بھاگنا، پاک دامن عورتوں پر تہمت لگانا۔''

اسی طرح بخاری و مسلم ہی کی روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے بڑا گناہ کونسا ہے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنے خالق کے ساتھ کسی کو شریک کرنا۔ عرض کیا گیا اس کے بعد کونسا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنی اولاد کو رزق کی تنگی کے خوف سے مار ڈالنا۔ پوچھا گیا اس کے بعد کونسا ہے تو فرمایا: اپنے پڑوسی کی بیوی کے ساتھ زنا کرنا۔

تو قرآن کریم نے بھی اس کی تصدیق ان الفاظ سے کی ہے۔

﴿وَالَّذِينَ لَا يَدْعُونَ مَعَ اللّٰهِ إِلٰهًا آخَرَ وَلَا يَقْتُلُونَ النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللّٰهُ إِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُونَ﴾ (الفرقان:۶۸)

''جو اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتے، قتل نہیں کرتے مگر حق کے ساتھ اور نہ ہی زنا کرتے ہیں۔''

تعدادِ کبائر:

گناہ کبیرہ کے بارے علماء کا اختلاف ہے کہ آیا گناہ کبیرہ کسی تعداد میں معدود ہے یا نہیں۔ بعض تعداد کے قائل ہیں اور بعض نہیں۔ جو لوگ تعداد کے قائل ہیں ان میں تعداد کی تعیین میں اختلاف ہے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: گناہ کبیرہ کل چار ہیں اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ سات کے قائل ہیں۔ اور حضرت عمرو بن العاصؓ کے نزدیک نو ہیں، ان کے علاوہ بعض کہتے ہیں وہ گیارہ ہیں اور بعض کے نزدیک اس کی تعداد ستر تک پہنچتی ہے۔

حضرت ابو طالب مکیؒ فرماتے ہیں: اس سلسلے میں صحابہ کرامؓ کے اقوال کو جمع کرنے کے بعد اس نتیجے میں پہنچا ہوں کہ چار کبائر کا تعلق دل کے ساتھ ہے۔ (۱) شرک (۲) گناہوں پر اصرار (۳) اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ناامیدی، (۴) سزا سے بے پرواہی۔

اور چار کا تعلق زبان کے ساتھ ہے۔(۱) جھوٹی گواہی دینا(۲) پاکدامن عورتوں پر تہمت لگانا(۳) یمین غموس (جھوٹی قسم) (۴) جادو۔ اور تین گناہوں کا تعلق پیٹ سے ہے۔(۱) شراب نوشی (۲) یتیم کا مال کھانا(۳) سود خوری۔ اور دو گناہ شرمگاہ سے متعلق ہیں۔ (۱) زناء، (۲) لواطت۔ اور دو کبیرہ گناہوں کا تعلق ہاتھوں کے ساتھ ہے۔ (۱) قتل (۲) چوری۔ اور ایک بڑے گناہ یعنی میدان جنگ سے بھاگنے کا تعلق ٹانگوں سے اور ایک بڑے، گناہ کا تعلق تمام بدن سے ہے وہ ہے والدین کی نافرمانی۔

☆ اور جو لوگ کبیرہ گناہ کے کسی تعداد کے ساتھ منحصر ہونے کے قائل نہیں ہیں۔ ان میں سے بعض کہتے ہیں کہ وہ گناہ جن کے کرنے سے اللہ تعالیٰ نے روکا ہے وہ کبیرہ ہیں اور جن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے روکا ہے وہ صغیرہ ہیں اور ایک طبقہ کی رائے یہ ہے کہ جس کام کو کرنے سے روکنے کے ساتھ اس کے ارتکاب پر

وعید، لعن طعن، غضب اور عذاب ہو وہ کبیرہ ہے اور جس کے ارتکاب پر وعید وغیرہ نہ ہو وہ صغیرہ ہے۔

☆ اور بعض لوگ کہتے ہیں جس گناہ کی حرمت تمام شریعتوں میں ہے وہ کبیرہ ہے اور جو بعض شریعتوں میں گناہ ہو اور بعض میں نہ ہو تو وہ گناہ صغیرہ ہے۔ اور بعض کے نزدیک ہر وہ گناہ، گناہ کبیرہ ہے جس کے ارتکاب کرنے والے پر اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت کی ہے۔

اور بعض کے نزدیک سورۃ نساء کے شروع سے ﴿اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَائِرَ مَاتُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ﴾ تک بیان کردہ گناہ، گناہ کبیرہ ہیں۔

☆ اور جو لوگ سرے سے صغیرہ اور کبیرہ میں تقسیم کے قائل ہی نہیں ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے امر کی خلاف ورزی و نافرمانی پر جرأت کی بنا پر ہر معصیت گناہ کبیرہ میں شامل ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی بہت بڑا گناہ ہے بظاہر گناہ چھوٹا ہو یا بڑا اللہ تعالیٰ کے حکم کے خلاف ورزی اور اللہ کے امر کے توڑنے میں سب برابر ہیں۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ اس کی وضاحت اس بات سے ہوتی ہے کہ گناہ سے اللہ تعالیٰ کو نہ نقصان ہوتا ہے نہ ہی گناہوں سے وہ متاثر ہوتا ہے۔ تو گناہ کے بڑے چھوٹے ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا، گناہ تو محض اللہ تعالیٰ کے حکم کی خلاف ورزی ہی ہوتی۔ اس کی مزید وضاحت یہ ہے کہ جو لوگ گناہ کا ارتکاب کرتے ہیں۔ وہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے حق پر حملہ آور ہوتے ہیں اور اس کے حق کو توڑنے کی جسارت کرتے ہیں۔ غور کریں کہ ایک آدمی شراب نوشی یا زنا کا مرتکب ہو ان چیزوں کے حرام ہونے کے اعتقاد کے بغیر، اور دوسرا شخص شراب پینے

اور زنا کرنے کو حرام سمجھتا ہوا اور جانتا ہوا اس کا ارتکاب کرے۔ دیکھا جائے تو پہلے شخص میں دو برائیاں ہیں ایک جہالت اور دوسری ارتکابِ گناہ۔ اور دوسرا شخص صرف ایک برائی (معصیت) کا مرتکب ہے، مگر سزا کا مستحق دوسرا شخص ہے۔ پہلا نہیں، کیوں کہ دوسرے شخص نے جانتے ہوئے یہ عمل کیا جس سے اللہ تعالیٰ کے حکم کو توڑنے کی جسارت ہوئی، تو معلوم ہوا کہ گناہ کے مفسدہ کا تعلق اللہ تعالیٰ کے حکم کی خلاف ورزی کے ساتھ ہے۔

☆ اور وہ لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ گناہ کرنا اللہ تعالیٰ کے امر ونہی کو ہلکا سمجھنے کو مستلزم ہے۔ لہٰذا اس میں تمام گناہ برابر ہیں تو چھوٹے بڑے ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔

☆ وہ لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ بندے کو گناہ کے چھوٹے بڑے ہونے کی طرف نہیں دیکھنا چاہیے بلکہ اسے تو صرف یہ دیکھنا چاہیے کہ وہ کس ذات کی نافرمانی کر رہا ہے، اس ذات کی قدرت، عظمت اور اس کی بڑائی کی طرف نظر کرے کہ وہ ارتکاب معصیت کرکے کس ذات کے حکم کی بڑائی کو ہلکا سمجھ رہا ہے۔ مثلاً ایک بادشاہ اپنے دو غلاموں میں سے ایک کو کسی دور شہر میں کسی اہم کام کیلئے اور دوسرے کو اندر ہی کسی غرض کیلئے بھیج دے اور دونوں غلام اس کے حکم کے خلاف ورزی کریں اور اس کے کہنے کے مطابق عمل نہ کریں تو موردِ سزا دونوں ہوں گے اور دونوں بادشاہ کی نظروں سے گر جائیں گے۔ یہی وجہ ہے کہ مکہ میں رہتے ہوئے حج کو اور مسجد کے پڑوس میں رہتے ہوئے جمعہ کو چھوڑنا مکہ سے دور رہ کر حج کو اور مسجد سے بعید ہوکر جمعہ کو چھوڑنے کے مقابلے میں زیادہ قبیح ہے۔ قریب رہتے ہوئے اس کی ذمہ داریاں بڑھ جاتی ہیں۔

☆ اسی طرح ایک آدمی کے پاس دو سو اور دوسرے کے پاس دو لاکھ درہم ہوں اور دونوں زکوٰۃ ادا نہ کریں تو زکوٰۃ کے ادا نہ کرنے میں دونوں برابر ہیں۔ اگر زکوٰۃ ادا نہ کرنے پر دونوں مصر ہوں تو سزا میں دونوں برابر کے مستحق ہوں گے چاہے مال کم ہو یا زیادہ۔

مسئلہ کی پوری توضیح:

یہ ہے کہ ارض وسماء کی پیدائش، پیغمبروں کو مبعوث کرنے اور کتابیں نازل کرنے کا مقصد، اللہ تعالیٰ کی معرفت، اس کی فرمانبرداری واطاعت اور اسی کیلئے ہر کام کی انجام دہی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالِانْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنَ﴾ (الحجر:۸۵)

''جن وانس کو میں نے اپنی اطاعت ہی کیلئے پیدا کیا ہے۔''

دوسری جگہ ارشاد ہے:

﴿اَللّٰهُ الَّذِىْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ يَتَنَزَّلُ الْاَمْرُ بَيْنَهُنَّ لِتَعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ وَاَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَاطَ بِكُلِّ شَىْءٍ عِلْماً﴾ (الطلاق:۱۲)

''اللہ ہی ہے جس نے سات آسمان پیدا فرمائے اور زمین بھی اتنی ہی اور ان میں حکم نازل ہوتا ہے تاکہ تم جان لو کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے اور اللہ نے ہر چیز کو اپنے علم سے احاطہ کیا ہوا ہے۔''

ایک اور جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَجَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيَامًا لِّلنَّاسِ وَالشَّهْرَ الْحَرَامَ وَالْهَدْيَ وَالْقَلَائِدَ ذٰلِكَ لِتَعْلَمُوْا أَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَأَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ﴾ (المائدہ: ۹۷)

''اللہ تعالیٰ نے کعبہ کو جو کہ بزرگی والا گھر ہے۔ لوگوں کے لئے قیام کا باعث بنایا اور عزتوں والے مہینے کو اور حرم میں قربان ہونے والے جانور کو بھی اور جن کے گلے میں قلادہ ڈال کر کعبہ کو لے جائیں تاکہ تم جان لو، بے شک اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے جو کچھ آسمان اور زمین میں ہے اور بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جاننے والا ہے۔''

ان آیات کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی ہے کہ زمین و آسمان، کعبہ کی پیدائش اور دیگر اوامر کی بجا آوری کا مقصد اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات کی معرفت ہے۔ صرف اسی کی عبادت اور اس کی وحدانیت کا اقرارِ کامل ہو۔ اور لوگ عدل سے کام لیں جس کے لئے زمین و آسمان قائم ہوئے ہیں۔ جیسا کہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿لَقَدْ أَرْسَلْنَا بِرُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَأَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ﴾ (الحدید: ۲۵)

''البتہ ہم نے اپنے رسولوں کو واضح نشانیاں دے کر بھیجا اور ان کے ہمراہ کتاب اور میزانِ عدل بھی بھیجا تاکہ لوگ انصاف کو قائم رکھیں۔''

☆ تو اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ اس نے رسولوں کو مبعوث، اور اپنی کتابیں اس

لئے نازل کیں کہ لوگ قسط (عدل) کو قائم کریں۔ اور سب سے عظیم اور بڑا عدل توحید ہے بلکہ عدل کی جڑ ہی اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا اعتراف ہے۔ اور سب سے بڑا ظلم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا ہے لہٰذا تمام ظلموں سے بڑھ کر ظلم شرک، اور تمام عدلوں سے بڑھ کر عدل اقرارِ وحدانیت ہے۔

☆ لہٰذا جو اس مقصد عظیم کے منافی ہوگا وہ سب سے کبیرہ (بڑا) گناہ ہوگا۔ لہٰذا گناہوں کا صغیرو کبیر یا شدید و خفیف ہونا اسی مخالفت و منافات کے بقدر ہوگا۔ اور جو کام اس مقصد کے عین مطابق و موافق ہوگا وہی اعلیٰ درجے کا فرض اور لازمی امر ہوگا۔ اس اصول پر خوب غور و تامل کرو اور اس کی تفصیلات کو نگاہوں کے سامنے لاؤ تو احکم الحاکمین کی عظیم حکمت، اعلم العالمین کے اپنے بندوں پر عائد کردہ فرائض، منع کردہ نواہی اور اطاعات و معاصی کے مراتب میں فرق کی معرفت سے سرفراز ہو جاؤ گے۔

☆ شرک چونکہ اس مقصد عظیم کے سراسر منافی اور قطعاً مخالف ہے تو بہرصورت وہ سب سے عظیم گناہِ کبیرہ ہے اور اللہ تعالیٰ نے مشرک پر جنت کو حرام قرار دیا ہے اور اہل توحید کے لئے مشرک کی جان و مال وغیرہ کو مباح قرار دیا۔ اور مشرکین کو غلام بنانے کو جائز قرار دیا ہے۔ اس لئے کہ مشرکین نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا انکار کیا اور اللہ تعالیٰ نے کسی مشرک کی عبادت کو قبول کرنے سے انکار کیا اور مشرک کے بارے کسی کی سفارش قبول نہیں کی ہے۔ اور آخرت میں اس کی دعا قبول نہ کرنے کا اعلان کر دیا ہے، اور یہ بھی کہ اس کی کسی امید کو بھی پورا نہ فرمائے گا۔ چنانچہ مشرک اللہ کے بارے سب سے زیادہ جاہل ترین ہے، کیوں کہ اس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ اسی کی مخلوق کو مساوی کیا۔ یہ انتہائی جہالت اور کمالِ حماقت اور حد درجے کا ظلم ہے مگر یہ ظلم

اس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ نہیں بلکہ خود اپنے نفس کے ساتھ کیا ہے۔

ایک شبہ:

یہاں ایک شبہ ہوتا ہے، وہ یہ ہے کہ مشرک اپنی دانست میں اللہ تعالیٰ کی تعظیم کا اعتقاد رکھتا ہے۔ اس لئے کہ وہ یہ خیال کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عظمتِ شان کے سبب بلاواسطہ اللہ تعالیٰ تک رسائی نہیں ہوسکتی اس لئے ان شرکاء وشفعاء کے سبب اور وسیلے سے اللہ تعالیٰ تک پہنچا جا سکتا ہے۔ جیسا کے دنیا کے عام بادشاہوں کا معاملہ ہے۔ لہٰذا اس عمل سے مشرک اللہ تعالیٰ کی توہین کا ارادہ نہیں کرتا بلکہ تعظیم کا قصد کر کے کہتا ہے: کہ ان شرکاء کی اس لئے عبادت کرتا ہوں تاکہ ان کے واسطے سے اللہ کا قرب حاصل کرسکوں، اور یہ مجھے اللہ تعالیٰ تک پہنچا دیں۔ پس اس کا مقصود ومطلوب صرف یہی ہے کہ یہ معبودان صرف اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کے وسائل اور محض سفارشی ہیں۔ تو مشرک کا اس قدر عمل اللہ تعالیٰ کی سخت ناراضگی وغضب اور ہمیشہ جہنم کا ایندھن بننے کا موجب کیوں کر بن سکتا ہے؟

ایک اور سوال:

یہاں ایک اور سوال بھی پیدا ہوتا ہے وہ یہ کہ: اللہ تعالیٰ نے کیا اپنی ذات تک رسائی کے لئے کوئی سفارشی، کوئی وسیلہ مشروع فرمایا ہے یا نہیں؟ اور ان وسائل و وسائط کی حرمت شریعت سے ثابت ہے یا اس کی برائی ایسی فطری اور عقلی ہے جس کی مشروعیت محال ہو۔ تمام برائیوں کی جڑ ہونے کی بنا پر تمام شرائع اس کی برائی میں عقل وفطرت کی تائید کرتے ہیں؟ اور تمام گناہوں میں شرک ناقابل معافی جرم ہونے کی اصل وجہ کیا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَ يَغْفِرُ مَادُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ

یَشَاءُ﴾ (النساء: ۴۸)

''بے شک اللہ تعالیٰ نہیں معاف کرتا اس کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانے کو اور شرک کے علاوہ (جرم) کو جسے چاہتا ہے معاف فرما دیتا ہے۔''

اس سوال میں خوب تامل کرو اور اس کے جواب کو سمجھنے کے لئے دل و دماغ کو یکجا کرو اور اس میں سستی ہرگز نہ کرو۔ تو مشرکین و موحدین، اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کرنیوالوں اور جاہلوں اور اہل جنت اور اہل جہنم کے درمیان باآسانی فرق کر پاؤ گے۔

جواب:

اللہ ہی سے مدد، راستگی، توفیق اور تائید ملتی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ جس کو ہدایت سے نوازے اسے کوئی گمراہ نہیں کرسکتا اور جس کو گمراہ کر دے اسکو کوئی ہدایت نہیں دے سکتا۔ اللہ تعالیٰ جس کو عطا کرنے کا ارادہ فرما دے تو کوئی اس میں مخل نہیں ہوسکتا ہے اور جس کو نہ دینے میں آئے تو کوئی اسے عطا نہیں کرسکتا۔

سنئے! شرک کی دو قسمیں ہیں۔

پہلی قسم شرک کی وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات اور اس کے اسماء و افعال سے متعلق ہو۔

اور شرک کی دوسری قسم وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی عبادات و معاملات سے متعلق ہو۔ خواہ مشرک کا یہ اعتقاد ہو کہ اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات اور اس کے افعال میں کوئی دوسرا شریک نہیں۔

شرک کی پہلی قسم دو نوعیت کی ہے۔ اللہ تعالیٰ کو اس کے صفات سے معطل

اور بیکار سمجھنا۔ (معاذ اللہ) شرک کی انتہائی قبیح ترین صورت ہے۔ جیسا کہ فرعون کا شرک جس کا تذکرہ قرآنِ کریم میں یوں بیان فرمایا گیا ہے:

﴿وَمَا رَبُّ الْعَالَمِيْنَ﴾ (شعراء: ۲۳)

''رب العالمین کیا چیز ہے۔''

اور فرعون کے قول کو یوں قرآن میں بیان کیا گیا ہے:

﴿وَقَالَ فِرْعَوْنُ يَاهَامَانُ ابْنُ لِیْ صَرْحًا لَّعَلِّیٓ اَبْلُغُ الْاَسْبَابَ، اَسْبَابَ السَّمٰوٰتِ فَاَطَّلِعَ اِلٰی اِلٰهِ مُوْسٰی وَ اِنِّیْ لَاَ ظُنُّهٗ كَاذِبًا﴾

''فرعون نے کہا: اے ہامان میرے لئے ایک اونچا محل بنا۔ شاید اس کے ذریعے آسمان کے راستوں تک رسائی حاصل کرسکوں اور موسیٰ کے ''اِلٰہ'' کے بارے میں معلومات حاصل کرسکوں اور میں تو اسے جھوٹا سمجھتا ہوں'' (غافر: ۳۶/۳۷)

اسی بنا پر فرقہ قدریہ کو مجوس کے مشابہ قرار دیا گیا ہے کہ وہ بھی اللہ تعالیٰ کو خالق نہیں مانتے۔

اللہ تعالیٰ کے متعلق حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ مناظرہ کرنے والے نمرود کا عقیدہ بھی شرک کی اس دوسری قسم میں داخل ہے۔ جو بہ زعمِ خویش اللہ تعالیٰ کی طرح مار بھی سکتا ہے اور زندہ بھی کرسکتا ہے۔ تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے الزاماً فرمایا کہ اس کا مطلب ہے کہ تو سورج کو مشرق کے بجائے مغرب سے طلوع کرنے پر قادر ہے تو ایسا کر کے دکھا دے! تو وہ مبہوت و ششدر ہو کر رہ گیا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ طرز استدلال ایک دلیل سے دوسری دلیل کی طرف انتقال نہیں ہے بلکہ الزام ہے یعنی اس کی حجت و دلیل کو ہی بفرضِ محال درست

تسلیم کر کے اس کے دعویٰ قدرت کو بالکل باطل کرنا ہے۔

شرک کی اسی قسم میں ستاروں کو مدبر اور معبود سمجھنے والوں کا شرک بھی شامل ہے۔ ان مذکورہ لوگوں میں بعض ایسے لوگ بھی ہیں جو اللہ تعالیٰ ہی کو اپنا معبود حقیقی سمجھتے ہیں اور بعض دوسرے معبودوں میں اللہ تعالیٰ کو سب سے بڑا معبود خیال کرتے ہیں۔ بعض ان میں سے جملہ معبودان میں سے ایک کو معبود سمجھتے ہیں۔ بعض کا عقیدہ ہے کہ ایک معبود چھوٹا ہوتا ہے اس کے واسطے اور وسیلے سے اس سے برتر معبود تک رسائی ممکن ہوتی ہے اور ان کے ذریعے بڑے معبود تک پہنچا جا سکتا ہے یہاں تک کہ ان معبودوں کے واسطے سے اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کے لئے یہ وسائط و وسائل کبھی کم اور کبھی زیادہ ہوتے ہیں۔

عبادت میں شرک:

شرک کی مذکورہ اقسام کی بہ نسبت شرک فی العبادات کم تر درجہ کا ہوتا ہے۔ کیوں کہ اس کا ارتکاب، توحید کے قائل شخص سے بھی ہوتا ہے جو صرف اللہ تعالیٰ کو ہی نفع اور نقصان اور عطا اور منع کا مالک تصور کرتا ہے اور اس کے علاوہ کسی اور کو معبود و پروردگار نہیں سمجھتا۔ مگر معاملات اور عبودیت میں اللہ تعالیٰ ہی کو خاص نہیں کرتا بلکہ اس میں کبھی اپنی نفسی خواہش کو بھی دخل دیتا ہے۔ شرک اور تعطیل ایک دوسرے کو لازم ملزوم ہیں۔ ہر مشرک اللہ تعالیٰ کی قدرت کا منکر ہے اور ہر منکر مشرک ہے البتہ بعض شرک سے تعطل واضح ہوتا ہے۔ اس لئے بعض مشرک اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کا اقرار کرتے ہیں مگر افعال میں اس کے ساتھ دوسروں کو شریک کرتے ہیں۔

اصل شرک تعطیل (اللہ تعالیٰ کی ذات و قدرت کا سرے سے انکار کرنا) ہے۔ اور یہ تین قسموں پر مشتمل ہے۔ (۱) مصنوعات اور کائنات کو اس کے صانع و

خالق سے خالی سمجھنا۔ (۲) اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات کا انکار کر کے ان کے کمال قدرت کا انکار کرنا۔ (۳) تمام معاملات کی تدبیر میں اللہ تعالیٰ کو یکتا نہ سمجھنا حالانکہ انہیں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کے اقرار کا حکم دیا گیا ہے۔ وحدت الوجود کے قائل لوگوں کا شرک اسی قبیل سے ہے جو یہ کہتے ہیں خالق ومخلوق کا علیحدہ علیحدہ وجود نہیں ہے۔ عالم کے قدیم اور ہمیشہ سے ہونے کے قائل ملحدین کا شرک بھی اسی نوعیت کا ہے۔ جو یہ کہتے ہیں کہ عالم معدوم نہیں تھا بلکہ ازل سے موجود ہے حوادثاتِ زمانہ اور واقعاتِ عالم کو اسباب وعلل کی پیداوار سمجھتے ہیں جن کو وہ عقول ونفوس کے نام سے موسوم کرتے ہیں اور جہمیہ وقرامطہ کے شرکیہ عقائد جو اسماء وصفاتِ باری تعالیٰ کو معطل سمجھتے ہیں شرک کے اسی قسم میں داخل ہیں۔

فصل

شرک کی دوسری قسم:

جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسرے معبودوں کو بھی مانے۔ اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات اور قدرت کا بھی قائل ہو اور ان کو بھی بے کار نہ سمجھے۔ شرک کی اس قسم میں عیسائیوں کا شرک داخل ہے جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ حضرت مریم علیہا السلام کی الوہیت کے معتقد ہیں۔ شرک کی اس قسم میں مجوسیوں کا شرک بھی آجاتا ہے جو خیر و برکات اور بھلائیوں کا خالق نور کو اور شر وفساد (کے اسباب) کا خالق ظلمت وتاریکی کو قرار دیتے ہیں۔ اسی طرح فرقہ قدریہ کے شرکیہ عقائد بھی شرک کی اس دوسری قسم کے زمرے میں آجاتے ہیں جو کہتے ہیں کہ ہر ذی روح مخلوق خود اپنے افعال کی خالق اور موجد ہے۔ یعنی وہ افعال جو وہ ادا کرتی ہے جو

کبھی دنیاوی مفاد کی خاطر کبھی لوگوں میں عزت و منزلت کے درپے ہو کر معاملات الٰہی میں دخل اندازی کی کوشش کرتی ہے۔ چنانچہ اس کے عمل میں اللہ تعالیٰ کا بھی حصہ ہوتا ہے اپنے نفس و خواہش کا بھی حصہ ہوتا ہے شیطان کا اور مخلوق کا بھی حصہ ہوتا ہے۔

لوگوں کی اکثریت اس قسم میں داخل ہے۔ اور حدیث میں اسے بھی شرک قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ ابن حبان نے اپنی کتاب ''مسلم ابن حبان طیالسی'' میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کیا ہے۔

﴿الشرك فى هذه الامة أخف من دبيب النملة قالوا كيف ننجومنه يارسول الله؟ قال: قل اللّٰهم انى اعوذبك ان أشرك بك و أنا أعلم و استغفرك لما لا اعلم﴾ (مسلم ابن حبان طیالسی)

''اس امت کے اندر شرک چیونٹی کے رینگنے سے بھی زیادہ خفیف انداز سے آتا ہے۔''

صحابہ نے عرض کیا یارسول اللہ! اس سے بچنے کی کیا صورت ہوگی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے اللہ میں دانستہ تیرے ساتھ کسی کو شریک بنانے سے پناہ مانگتا ہوں اور نادانستہ شرک سے بھی پناہ چاہتا ہوں۔''

اور دکھلاوے کے لئے کوئی کام کرنا بھی شرک کے زمرے میں آتا ہے۔

چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا﴾ (الکہف:۱۱)

''کہہ دو (اے محمدؐ!) کہ میں بھی تمہارے جیسا آدمی ہوں، میری طرف وحی کی جاتی ہے کہ تمہارا معبود ایک ہی ہے۔ پس جو کوئی

اپنے رب سے ملنے کی امید کرے تو اسے چاہیئے نیک عمل کرے۔ اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ بنائے"

یعنی جس طرح اِلٰہ ایک ہے اس کے سوا کوئی اِلٰہ نہیں ہے تو عبادت ہی صرف اسی کی کی جائے۔ اللہ تعالیٰ جس طرح الوہیت میں یکتا اور واحد ہے اسی طرح عبادت میں بھی یکتا اور لاشریک ہے۔ عمل صالح وہ ہے جو سنت کے مطابق ہو اور دکھلاوے سے خالی ہو۔

اور حضرت عمرؓ بھی یہی دعا فرمایا کرتے تھے:

﴿اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ عَمَلِیْ كُلّه صَالِحًا وَّ اجْعَلْهُ لوجهك خَالِصًاوَّلَا تَجْعَلْ لَاحَد فِيْهِ شَيْئًا﴾

"اے اللہ! میرے تمام اعمال کو صالح بنا دے اور اپنی رضا کے لئے اسے خاص کر دے اور کسی کا اس میں حصہ نہ ملا" (..........)

عبادت میں یہ شرک (ریا) عمل کے ثواب کو غارت کر دیتا ہے اگر وہ عمل واجب ہو تو سزا کا بھی موجب ہوتا ہے۔ اس لئے کہ اس نے دکھلاوے کے لئے عمل کر کے گویا عمل ہی نہیں کیا تو اللہ تعالیٰ کے حکم کی خلاف ورزی کی حالانکہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے بندے کو خالصتاً اپنی عبادت کا حکم دیا ہے۔ اور فرمایا ہے:

﴿وَمَآ اُمِرُوْا اِلَّا لِيَعْبُدُ وااللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ﴾ (البینۃ: ۵)

"اور انہیں صرف یہی حکم دیا گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں ایک رخ ہو کر خالص اسی کی اطاعت کی نیت سے۔"

لہٰذا جس شخص نے اپنی عبادت میں اخلاص پیدا نہ کیا تو گویا اس نے اللہ کے حکم کی نافرمانی کی بلکہ اللہ کے حکم کے مطابق عمل کے علاوہ اپنی طرف سے عمل کیا تو یہ درست ہوگا اور نہ ہی اللہ تعالیٰ اسے قبول فرمائیں گے، اللہ تعالیٰ کا فرمان بھی یہی ہے: کہ میں جملہ شرکاء اور حصہ داروں کی شراکت سے بے نیاز ہوں جو شخص کسی کو

میرے ساتھ کسی عمل میں شریک اور حصہ دار کرے وہ عمل اسی شریک کے لئے ہوگا۔ میں اس عمل سے بیزار ہوں۔

عبادت میں شرک کی قسمیں:

عبادت میں اللہ کے ساتھ کسی کو شریک کرنے کی دو قسمیں ہیں۔ ایک قسم وہ ہے جو قابل معافی ہیں اور ایک قسم وہ ہے جس کی معافی کا کوئی امکان نہیں ہے۔ اسی طرح اس کی ایک قسم اکبر اور دوسری قسم اصغر ہے۔ اکبر بھی دو قسموں پر مشتمل ہے ایک کبیرا دوسرا اکبر۔ شرک کی یہ قسم نا قابل معافی ہے اس کی معافی کی کوئی صورت نہیں ہے۔ اسی میں اللہ تعالیٰ کی محبت و تعظیم میں دوسروں کو شریک کرنا اور اللہ کی مخلوق کیساتھ اللہ سے بڑھ کر محبت کرنا۔ یہ شرک کی اس قسم میں داخل ہے جس کو اللہ تعالیٰ کسی صورت میں بھی معاف نہیں کریں گے۔ اسی شرک کے بارے فرمانِ الٰہی ہے:

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَاداً يُحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَشَدُّ حُبًّا لِلّٰهِ﴾ (التوبہ:١٦٥)

''ایسے یہی لوگ بھی ہیں جنھوں نے اللہ تعالیٰ کے سوا اور شریک بنا رکھے ہیں جن سے ایسی محبت رکھتے ہیں جیسی کہ اللہ تعالیٰ سے رکھنی چاہیے۔''

ایسے مشرک دوزخ میں اپنے خود ساختہ معبودوں کو مخاطب کر کے کہیں گے۔

﴿تَاللّٰهِ اِنْ كُنَّا لَفِيْ ضَلَالٍ مُّبِيْنٍ ○ اِذْ نُسَوِّيْكُمْ بِرَبِّ الْعَالَمِيْنَ﴾ (الشعراء:٩٨)

''اللہ کی قسم ہم یقیناً صریح گمراہی میں تھے جس وقت ہم تمہیں رب العالمین کے برابر ٹھہراتے تھے۔''

یہ بات واضح ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی قدرت تخلیق، رزق رسانی، مارنے اور، زندہ کرنے میں کسی کو برابر نہیں ٹھہراتے تھے بلکہ اللہ تعالیٰ کی محبت کے ساتھ دوسروں کی محبت کو بھی شامل کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ کے بجائے دوسروں کے سامنے سر تسلیم خم کرتے تھے یہی انتہائی جہالت اور ظلم ہے۔ اس لئے کہ مٹی اور رب الارباب کے درمیان کیا نسبت ہے؟ غلام اپنی ذات کے مالک کی کیا برابری کرسکتا ہے؟ بھلا حقیقی فقیر اور محتاجِ مطلق شخص قادرِ مطلق اور حقیقی غنی ذات کے کیسے ہمسر ہو سکتا ہے؟

ذرا عقل سے کام لیں تو اس سے بڑھ کر سب سے قبیح ترین ظلم اور کیا ہوگا کہ اس چیز کو اس ذات کے برابر ٹھہرا دیا جس کا کوئی برابر ہو ہی نہیں سکتا۔ جیسا کہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ ثُمَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ یَعْدِلُوْنَ﴾ (الانعام:۱)

''تمام تعریفیں اس ذات کے لئے ہیں جس نے زمین اور آسمانوں کو پیدا فرمایا اور اندھیرے اور روشنی کو بنایا پھر بھی کفار دوسروں کو اپنے رب کے برابر گردانتے ہیں۔''

مشرک نے تو زمین و آسمان کے خالق، نور اور ظلمات کو بنانے والی عظیم قدرت والی ذات کو ایک ایسے نفس کے برابر ٹھہرایا جو زمین و آسمان میں مثقال بھر وقعت کا بھی مالک نہیں۔ یہ کتنی عجیب بات ہے اور کتنا بڑا ظلم ہے اور کتنا قبیح فعل ہے۔

افعال، اقوال اور نیت میں شرک:

اللہ تعالیٰ کے ساتھ افعال، اقوال، ارادوں اور نیتوں میں کسی کو شریک ٹھہرانا

بھی اسی شرک کے ضمن میں آتا ہے۔

چنانچہ غیر اللہ کے سامنے جبینِ نیاز خم کرنا، بیت اللہ کے سوا کسی اور کمرے کا طواف کرنا، غیر کی عبادت کے طور پر سر مونڈنا، قبروں کو بوسہ دینا اور سجدہ کرنا افعال میں شرک کی مثال ہے۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے تو انبیاءؑ وصلحاءؒ کی قبروں کے سامنے اللہ تعالیٰ کے لئے سجدہ کرنے والے پر لعنت کی ہے تو اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر قبروں کو سجدہ گاہ بنانے کا گناہ کتنا عظیم ہوگا!۔

بخاری ومسلم میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول منقول ہے:

﴿لَعَنَ اللّٰهُ الْيَهُوْدَ وَ النَّصٰرىٰ، اتَّخَذُوْا قُبُوْرَ اَنْبِيَاءِ هِمْ مَسَاجِدَ﴾

''یہود و نصاریٰ پر اللہ تعالیٰ نے لعنت بھیجی ہے کہ انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنایا'' (بخاری ومسلم)

نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: ''دنیا کے بدترین لوگ وہ ہیں جن کی زندگی میں قیامت برپا ہوگی۔ اور وہ لوگ جو قبروں کو مسجد اور عبادت گاہ بناتے ہیں۔'' (بخاری)

اسی طرح سابقہ امتوں کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آگاہ فرمایا: تم سے پہلے لوگ اپنے انبیاء اور صالحین کی قبروں کو سجدہ گاہ بنایا کرتے تھے۔ خبردار! تم قبروں کو سجدہ گاہ مت بناؤ۔ میں اس کام سے تمہیں منع کرتا ہوں۔

مسند احمدؒ اور صحیح ابن حبان میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ منقول ہے:

﴿لعن اللّٰہ زوارات القبور و المتخذین علیها مساجد و السرج﴾

''اللہ تعالیٰ نے قبروں کی زیارت کرنے والی عورتوں، قبروں کو سجدہ گاہ بنانے والوں اور ان پر چراغاں کرنے والوں پر لعنت کی ہے''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی ارشاد فرمایا: ''اپنے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنانے والی قوم پر اللہ تعالیٰ سخت غصہ فرماتے ہیں۔'' اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم سے پیشتر قوموں میں یہ طریقہ رہا ہے کہ اگر کوئی نیک آدمی انتقال کر جاتا تو اس کی قبر پر مسجد بنا دیتے اور اس میں اس کی صورت بنا کر رکھ دیتے۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے ہاں یہ بدترین لوگ شمار ہوں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی دعا فرمائی ہے:

﴿اللھم لا تجعل قبری و ثنا یعبد﴾

''اے اللہ میری قبر کو بت نہ بنا جس کی عبادت کی جائے''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو توحید کی عظیم حفاظت کی۔ چنانچہ طلوع آفتاب اور غروب آفتاب کے وقت اللہ تعالیٰ کے لئے نفل نماز تک کو منع فرمادیا تاکہ ان اوقات میں عبادت کرنے والوں کی سورج پرست کے ساتھ ادنیٰ سی تشبیہ بھی نہ ہو۔ حتیٰ کہ عصر اور فجر کے وقت میں نماز سے منع فرمایا کہ یہ اوقات طلوع و غروب کے ساتھ متصل ہیں جس میں مشرکین سورج کے سامنے سجدہ ریز ہو جاتے ہیں۔ جہاں تک غیر اللہ کے سامنے سجدہ کرنے کا تعلق ہے اس کے متعلق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان مبارک ہے:

﴿لا ینبغی لاحد ان یسجد لا حد الا اللّٰہ﴾

''کسی کو بھی اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کے سامنے سجدہ ریز ہونا لائق و مناسب نہیں ہے''

یہاں حدیث میں ''لا ینبغی'' کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ قرآن وسنت میں ''لا ینبغی'' کا لفظ شرعاً نہایت قبیح اور انتہا درجے کے ممنوع فعل کے لئے استعمال ہوتا ہے۔

جیسا کہ سورۂ مریم میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَمَا یَنبَغِی لِلرَّحمٰنِ اَن یَّتَّخِذَ وَلَدًا﴾ (سورہ مریم:۹۳)

''رحمان کی یہ شان نہیں کہ کسی کو اپنا بیٹا بنا دے''

اسی طرح سورۂ یٰسین میں اللہ تعالیٰ کا ارشادِ گرامی ہے:

﴿وَمَا عَلَّمنٰهُ الشِّعرَ وَمَا یَنبَغِی لَهٗ﴾ (سورہ یٰسین)

''یعنی ہم نے نبی کو شعر نہیں سکھایا اور نہ ہی یہ ان کے لئے مناسب ہے''

اور اسی طرح سورہ شعراء میں ہے:

﴿وَمَا تَنَزَّلَت بِهِ الشَّیٰطِینُ وَمَا یَنبَغِی لَهُم﴾ (سورہ الشعراء)

''قرآن کو شیاطین لے کر نازل نہیں ہوتے۔ یہ ان کا یہ کام ہے اور نہ ہی وہ ایسا کر سکتے ہیں۔''

اسی طرح سورۂ فرقان میں ارشادِ خداوندی ہے:

﴿وَمَا کَانَ یَنبَغِی لَنَا ان نَتَّخِذَ مِن دُونِكَ مِن اَولِیَآءَ﴾ (سورہ فرقان)

''ان کے خود ساختہ معبودانِ باطل گویا ہوں گے، ہمیں یہ کب مناسب تھا کہ ہم تیرے سوا کسی اور کو اپنا کارساز بناتے۔''

کلام میں شرک:

اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کی ایک قسم گفتگو میں شرک بھی ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ کے اسم گرامی کے علاوہ کسی اور نام سے قسم کھانا شرک کی اسی قسم کے ضمن میں آتا ہے جیسا کہ مسند احمد اور ابوداؤد میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی منقول ہے:

﴿مَن حَلَفَ بِغَیرِ اللّٰهِ فَقَد اَشرَكَ﴾

’’جس نے اللہ تعالیٰ کے نام کے سوا کسی اور نام سے قسم کھائی تو اس نے شرک کیا‘‘ (مسند احمد، ابوداؤد)

اسی طرح کسی مخلوق کو ’’جو اللہ چاہے اور جو تو چاہے‘‘ کہنا بھی شرک کی اس قسم کا حصہ ہے۔ جیسا کہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے کسی نے ’’اللہ چاہے اور آپ چاہے‘‘ کہا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

﴿اجعلتنی للہ ندا؟﴾

’’تم مجھ کو اللہ کا برابر ٹھہراتے ہو؟‘‘

اگر ایسا کہنا ہی ہے تو ماشاء اللہ وحدہ کہو اللہ تعالیٰ کی مشیت کے ساتھ برابری پر کسی قدر ناراضگی و خفگی ہے باوجودیکہ اللہ تعالیٰ نے بندے کے لئے مشیت کو ان الفاظ کے ساتھ ثابت بھی کیا ہے۔

﴿لِمَنْ شَآءَ مِنْكُمْ اَنْ يَّسْتَقِيْمَ﴾ (تکویر)

’’جو تم میں سے سیدھا چلنا چاہے‘‘

ذرا غور فرمایئے کہ وہ شخص کس قدر غیظ و غضب کا مستحق ہوگا جو کسی سے کہتا ہے کہ ’’میں تجھ پر اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرتا ہوں‘‘، میرے لئے اللہ اور آپ کافی ہیں۔‘‘ ’’یہ اللہ اور آپ کی عنایت ہے‘‘ ’’یہ تو اللہ تعالیٰ کی اور آپ کی برکت کا نتیجہ ہے‘‘، ’’آسمان پر اللہ اور زمین پر آپ میرا سہارا ہیں۔‘‘ یا کہتا ہے کہ ’’اللہ اور فلاں کی بندگی میرے لئے کافی ہے‘‘ یا کہتا ہے کہ ’’نذر اللہ نیاز فلاں‘‘ یا ’’میں اللہ اور فلاں شخص کے لئے توبہ کرتا ہوں‘‘ جیسے الفاظ اپنی زبان پر لاتا ہے۔

ذرا ان مذکورہ الفاظ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے ’’ماشاء اللہ شئت‘‘ کہنے والے کے اس قول جس کے بارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اظہار ناراضگی فرمایا تھا، میں موازنہ (تقابل) کیجئے کہ ان میں سے کونسا لفظ زیادہ سخت

اور قابل گرفت ہے! تو آپ پر واضح ہو جائے گا کہ مذکورہ کلمات کہنے والا ماشاء اللہ شئت کہنے والے کے مقابلے میں زیادہ قابل مواخذہ اور قابل مذمت ہے اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ''اللہ جو چاہے اور آپ چاہیں'' کہنے والے نے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے کہا اور ان کلمات کو کہنے والے نے تو ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ کا ہمسر قرار دیا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی گرد تک کو نہیں پہنچ سکتے بلکہ ممکن ہے کہ آپؐ کے دشمنوں میں ہو۔ چنانچہ سجدہ، عبادت، توکل، انابت، تقویٰ، توبہ، نذر، قسم، تسبیح، تکبیر، تہلیل، تحمید، استغفار بیت اللہ کا طواف، اور دعاء وغیرہ سارے کے سارے اللہ کے حقوق میں سے ہیں۔ اللہ کے سواء کسی کے لئے بھی مناسب نہیں حتیٰ کہ کسی مقرب فرشتے اور کسی نبی مرسل کے لئے بھی جائز نہیں۔ مسند احمد میں ہے کہ ایک مرتبہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا گیا جو کسی گناہ کا مرتکب تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کھڑا ہو کر اس نے کہا ''اے اللہ میں تیری طرف عفوودرگذر کے لئے رجوع اور توبہ کرتا ہوں اور معافی و بخشش کے لئے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کیطرف رجوع نہیں کرتا۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسکرا کر فرمایا۔ اس نے اصل مستحق ذات کو پہچان لیا۔

ارادے اور نیت میں شرک:

ارادے اور نیت کا شرک ایسا بے کنار سمندر ہے جس کا کوئی ساحل ہی نہیں۔

بہت کم لوگ ہیں جو اس سے بچ نکلنے میں کامیاب ہوتے ہیں۔ غیر اللہ کے لئے کوئی عمل کر کے، غیر اللہ کا تقرب حاصل کرنے کی نیت کر کے اور اس سے جزاء کا

طالب ہونا شرک فی النیت کی مثال ہے۔ جو اخلاص کے منافی ہے اور اخلاص کہتے ہیں اپنے اقوال، افعال، ارادے اور نیت کو اللہ تعالیٰ ہی کے لئے مخصوص کرنا۔ یہی وہ ملت ابراہیمی ہے جس پر چلنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے تمام بندوں کو حکم فرمایا ہے نیز یہ کہ اس کے بغیر کسی عمل کو قبول نہیں فرمائیں گے اور یہی اسلام کی حقیقت ہے۔

چنانچہ فرمان الٰہی ہے:

﴿وَمَنْ يَبْتَغِ غَيْرَ الإِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الآخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝﴾ (آل العمران: ۸۵)

''جو لوگ اسلام کے علاوہ اور کوئی دین تلاش کریں گے تو وہ ان سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا۔ اور وہ آخرت میں خاسرین میں سے ہوگا''

یہی ملت ابراہیمی ہے اس سے روگردانی کرنے والا حد درجے کا احمق ہوگا۔

شرک کی حقیقت:

اس مقدمہ کو اگر آپ سمجھ گئے ہیں تو سوالِ مذکورہ کے عقد کھل جائیں گے اور جواب تجھ پر واضح ہوگا۔

تو اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرتے ہوئے ہم اس کی وضاحت کی طرف آتے ہیں۔ شرک کی حقیقت خالق کو مخلوق کے ساتھ اور مخلوق کو خالق کے ساتھ تشبیہ دینا ہے۔ حقیقت تشبیہ یہی ہے۔ ان صفات کے اثبات کو تشبیہ نہیں کہتے جن سے اللہ نے اپنی ذات کو موصوف کیا ہے اور نہ ہی ان صفات کے اثبات کو تشبیہ کہا جائے گا جن سے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو متصف فرمایا ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے جن کے دلوں کو اندھا اور بصیرت کو ختم کر دیا ہے انہوں نے اس معاملہ کو الٹا سمجھا ہے چنانچہ وہ توحید کو

تشبیہ اور تشبیہ کو طاعت و تعظیم خیال کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی خاص صفات کو مخلوق کے لئے ثابت کرنے والا مشرک ہے اللہ تعالیٰ کی خاص صفات میں سے نفع و نقصان، عطاء اور منع کا مالک ہونا ہے اور اسکا تقاضا ہے کہ دعاء، خوف، رجاء اور توکل اللہ تعالیٰ ہی پر کرنا چاہیئے۔ چنانچہ ان میں سے کسی ایک کو بھی اگر مخلوق سے متعلق سمجھا تو اس نے مخلوق کو اللہ تعالیٰ سے تشبیہ دی۔ اور اس نے تو اس چیز کو جو اپنے نفس کے لئے بھی منفعت و مضرت اور موت و حیات پر قادر نہیں (چہ جائے کہ دوسرے کے لئے۔) اس ذات کے ساتھ تشبیہ دی جو تمام امور کا مالکِ کل ہے۔ تمام کی بھاگ دوڑ اسی کے ہاتھ میں ہے جسکو جو چاہے وہ ہوگا اور جس کو نہ چاہے نہیں ہوگا وہ جس کو عطا کرے کوئی روکنے والا نہیں۔ اور جس کو روکے اسکو کوئی دے نہیں سکتا۔ بلکہ وہ اپنے بندے کے لئے رحمت کے دروازے کھول دے اسے کوئی بند کرنے پر قادر نہیں اور اگر وہ اسے بند کرنے پر آئے تو کوئی کھول بھی نہیں سکتا۔

بدترین تشبیہ یہی ہے کہ حقیقی فقیر اور بالذات محتاج کو قادر مطلق ذات کے ساتھ تشبیہ دی جائے۔

اللہ تعالیٰ کی ایک ایک خصوصیت ہر لحاظ سے کامل ہے جس میں ادنیٰ نقص کا شائبہ تک ممکن نہیں ہے۔ تو اس کا بھی تقاضا ہے کہ عبادت صرف اسی اکیلی ذات کی کی جائے۔ صرف اسی کی تعظیم بجا لائی جائے صرف اسی سے ڈرا جائے۔ اسی سے امیدیں وابستہ کی جائیں۔ دعا، انابت، توبہ، توکل اور استعانت اسی سے مانگی جائے۔ انتہائی محبت کے ساتھ اسی کے سامنے سجدہ ریز ہوا جائے۔ یہی عین عقل، فطرت اور شریعت کا تقاضا ہے۔ ان چیزوں کو غیر اللہ کے لئے کرنے کو عقل، فطرت اور شریعت منع کرتی ہیں۔ چنانچہ مذکورہ اشیاء میں ایک کو بھی کسی غیر اللہ کے لئے انجام دیا تو اس نے اس غیر اللہ کو اس عظیم ذاتِ گرامی کی طرح جانا جس کی کوئی نظیر نہیں، مثیل نہیں، کوئی ہمسر ممکن نہیں۔ یہ تشبیہ کی انتہائی بدتر اور قبیح ترین صورت ہے۔

اسی بدترین تشبیہ ہونے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اعلان فرمایا کہ شرک کا گناہ

ہرگز معاف نہیں ہوگا حالانکہ اللہ تعالیٰ نے رحمت کو اپنے لئے لازم قرار دیا ہے۔

خصوصیات الٰہیہ میں سے ایک یہ بھی ہے کہ خالص اسی کی عبادت و بندگی کی جائے جو دو اہم بنیادوں پر قائم ہو۔ ایک کمال محبت اور دوسرا کمال تذلل۔ یعنی کمال محبت کے ساتھ کمالِ تذلل ہو۔ یہی کمالِ عبدیت ہے۔

لوگوں میں عبادت میں فرقِ مراتب انہی دو اصولوں میں تفاوت و کمی بیشی کے اعتبار سے ہیں۔

لہٰذا جس شخص نے اپنی محبت اور تذلیل کو غیر اللہ کے ساتھ وابستہ کر دیا تو اس نے خالص اللہ تعالیٰ کے حق کے ساتھ غیر کو ہمسر کیا ہر شریعت میں اس کی نفی ہے اور عقل و فطرت کے بھی خلاف ہے۔ عقل بھی اس کو ناجائز سمجھتی ہے۔ لیکن کیا کیا جائے کہ شیطان نے لوگوں کی عادات وعقول کی حالت کو بدل دیا ہے ان کو برباد کر کے رکھ دیا ہے اصل فطرت پر وہی لوگ قائم اور دائم ہیں جن پر اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت ہوئی ہے جن کی طرف اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول مبعوث فرمائے اور ان کی فطرتوں اور عقلوں کے عین موافق احکامات نازل فرمائے تو فطرت وعقل کی روشنی کے ساتھ وحی کی روشنی مل گئی تو ان کا نور دوبالا ہو گیا۔ سورہ نور میں اللہ کا یہی فرمان ہے:

﴿يَهْدِى اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ﴾ (سورۃ نور)

”اللہ تعالیٰ جسے چاہتے ہیں اس کی اپنے نور کی طرف رہنمائی فرماتے ہیں۔“

جب یہ بات سمجھ میں آ گئی تو آپ یہ بھی یقیناً سمجھ گئے ہوں گے کہ سجدہ بھی اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے۔ لہٰذا غیر اللہ کے سامنے سجدہ کرنا مخلوق کو اللہ تعالیٰ کی طرح سمجھنا ہے (جو شرک کی ایک قبیح ترین قسم ہے)۔ توکل بھی اللہ تعالیٰ کی خصوصیت ہے لہٰذا غیر اللہ پر توکل و بھروسہ کرنا بھی غیر اللہ کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ تشبیہ دینا ہے۔ اسی طرح رجوع وتوبہ بھی اللہ ہی سے کی جاتی ہے لہٰذا غیر اللہ کے سامنے توبہ اور رجوع کرنا بھی مخلوق کو خالق کے ہمسر ٹھہرانے کے مترادف ہے۔

اللہ تعالیٰ کی خصوصیات میں سے ایک خصوصیت تعظیم و احترام کے طور پر اللہ تعالیٰ کے اسماءِ گرامی سے قسم کھانا ہے۔ چنانچہ کسی نے اگر غیر اللہ کے نام پر قسم کھائی تو اس نے اس معاملے میں غیر اللہ کو اللہ تعالیٰ کی طرح سمجھا۔

خود کو بڑا سمجھنا، خود کو عظیم تر سمجھ کر دوسروں کو اپنی تعریف و تعظیم، اپنے سے امید رکھنے، اپنے مطیع و فرمان بردار بنانے کی طرف دعوت دینا بھی تشبیہ کی ایک قسم ہے۔ ایسا کر کے گویا وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ان کی ربوبیت و الوہیت میں منازعت کر رہا ہے۔ مگر ایسے شخص کو اللہ تعالیٰ انتہائی ذلیل کر دیں گے حتیٰ کہ لوگوں کے قدموں میں ڈال کر ذلت کے انتہائی درجے تک پہنچا دیں گے۔ چنانچہ ایک حدیثِ قدسی میں آیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿العظمة ازاری و الکبریاء رداء ی فمن نازعنی واحدا منهما عذبتة﴾

”عظمت و جلال میرا ازار ہے، فخر و کبر میری چادر ہے لہٰذا جو شخص اس میں مجھ سے نزاع پیدا کرے گا تو میں اس کو سخت عذاب میں مبتلا کروں گا“ (مسلم، مسند احمد)

ذرا غور و فکر سے کام لیجئے۔ ایک مصور کسی مخلوق کی تصویر بنا کر ظاہری تشبیہ کی بنا پر سخت عذاب میں مبتلا ہو سکتا ہے تو وہ شخص عذاب سے کیسے بچ سکتا ہے جو خود کو اللہ تعالیٰ کی الوہیت اور اس کی ربوبیت کے مشابہ گردانتا ہے۔ مصور کے عذاب میں مبتلا ہونے کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی یوں ہے:

﴿اشد الناس عذابا یوم القیامة المصورون یقال لهم أحیوا ما خلقتم﴾ (مسلم، بخاری)

” قیامت کے دن مصور سخت عذاب میں مبتلا ہوں گے۔ ان سے کہا جائے گا کہ ان تصویروں میں روح ڈالو!۔“

ایک اور حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''اس شخص سے زیادہ ظالم کون ہوگا جو میرے جیسی مخلوق بنانے کی کوشش کرتا ہے (اگر ایسی ہمت ہے) تو جَو کا ایک ذرہ پیدا کر کے دکھا دے''

خلاصہ کلام یہ ہے کہ ظاہر صورت میں تشبیہ پر اتنا شدید عذاب ہے تو اللہ تعالیٰ کی خاص صفتِ الوہیت اور ربوبیت میں شریک ہونے کا عذاب کتنا شدید ترین اور سخت ترین ہوگا؟

اسی طرح اللہ تعالیٰ کے اسماء گرامی مثلاً ملک الملوک، حاکم الحکام جیسے ناموں سے خود کو موصوف کر کے بھی اسی زمرے میں آتا ہے۔

حدیث شریف میں آتا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادہ ذلیل، مغضوب و قابل نفرت وہ شخص ہے جو خود کو شاہانِ شاہ کہلواتا ہے''۔

اللہ تعالیٰ کے ساتھ صرف نام میں مشابہت پر اس طرح کا سخت عذاب و ناراضگی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اصل احکم الحاکمین، وہی ملک الملوک وہی تمام بادشاہوں کو حکم دینے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے متعلق بدگمان ہونا:

اس وضاحت کے بعد یہاں اصل مسئلہ کا ایک اہم راز کھل جاتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ تمام گناہوں میں سب سے بڑا گناہ اللہ تعالیٰ کے بارے بدگمان ہونا ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کے بارے سوءِ ظن رکھنے والا اللہ تعالیٰ کے عظیم کمال کے خلاف گمان رکھتا ہے۔ ان کے عظیم اسماء و صفات کے خلاف عقیدہ رکھتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے سے بدگمان ہونے والوں کو ایسی دھمکی دی ہے جو کسی اور کو نہیں دی۔

چنانچہ فرماتے ہیں:

﴿عَلَیْهِمْ دَآئِرَةُ السَّوْءِ ۚ وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ وَلَعَنَهُمْ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَهَنَّمَ وَسَآءَتْ مَصِیْرًا﴾ (الفتح: ۶)

''جو لوگ اللہ تعالیٰ کے بارے برا گمان رکھتے ہیں انہی پر بری گردش ہے اور ان پر اللہ نے غضب نازل کیا اور ان پر لعنت کی اور ان کے لئے دوزخ تیار کر رکھا ہے اور وہ برا ٹھکانا ہے''

اللہ تعالیٰ کی کسی صفت پر انکار کے متعلق ارشاد ہے:

﴿وَذٰلِكُمْ ظَنُّكُمُ الَّذِیْ ظَنَنْتُمْ بِرَبِّكُمْ اَرْدٰكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِیْنَ﴾ (فصلت: ۲۳)

''اور تمہارے اسی خیال نے جو تم نے اپنے رب کے بارے کیا تھا تمہیں برباد کیا پھر تم خسارہ اٹھانے والوں میں سے ہو گئے''

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اپنی قوم سے خطاب کے بارے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿مَاذَا تَعْبُدُوْنَ ۝ اَئِفْكًا اٰلِهَةً دُوْنَ اللّٰهِ تُرِیْدُوْنَ فَمَا ظَنُّكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝﴾ (الصافات: ۸۵)

''تم کس چیز کی عبادت کرتے ہو؟ کیا تم اللہ کے سوا من گھڑت معبودوں کو چاہتے ہو؟ تو پھر رب العالمین کے بارے میں تم کیا گمان رکھتے ہو''

یعنی تمہارا کیا خیال ہے کہ تم غیر کی عبادت کر کے کل قیامت کے دن اس کے سامنے حاضر ہو گے تو تمہیں کیا جزاء دے گا؟۔ عبادت غیر کی کر کے اس سے کیا گمان رکھو گے۔

اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ، اس کی صفات عظمیٰ اور ربوبیت میں تمہیں کونسی کمی نظر آئی کہ تم غیر اللہ کی عبادت کرنے پر مجبور ہو گئے؟

کاش کہ تم اللہ تعالیٰ کے بارے وہ عقیدہ رکھتے جو اللہ تعالیٰ کے شایانِ شان ہے مثلاً وہ ہر چیز پر قادر ہے اور ہر شے کا علم رکھتا ہے۔ اپنے تمام ماسواء سے مستغنی ہے۔ اور ساری مخلوق اسی کی محتاج ہے۔ وہی اپنی مخلوق پر عدل قائم کرنے والا ہے۔ وہی اپنی مخلوق کی تدبیر کرنے میں یکتا و یگانہ ہے اس میں اس کا کوئی شریک نہیں۔ پورا عالم اپنی تمام چیزوں کے ساتھ اس کے علم میں ہے اس میں کوئی چیز اس سے مخفی نہیں۔ وہی ان تمام مخلوقات کے لئے اکیلا ہی کافی ہے۔ اسے کسی معین و مددگار کی ہرگز ضرورت نہیں۔ اللہ تعالیٰ کو اپنی رحمت عام کرنے کے لیے کسی کی فراہم کردہ معلومات کی حاجت نہیں ہے جب کہ دنیاوی بادشاہوں کے لئے اپنی رعیت کے بارے میں معلومات درکار ہوتی ہیں جو کسی سے انہیں حاصل ہوتی ہیں۔ اور رعیت کی ضروریات پوری کرنے کے لئے دوسروں سے مدد لینے کے محتاج ہیں۔ اپنی کمزوری، کم علمی اور عجز کی وجہ سے۔ مگر جہاں تک قادر مطلق بے نیاز، اعلم بکل شی، رحمٰن، رحیم جن کی رحمت تمام عالم پر محیط ہے کا تعلق ہے تو اس کے بعد اس کی مخلوقات کے درمیان وسائط کو داخل کرنا اس کی ربوبیت، الوہیت اور توحید میں خلل ڈالنا ہے۔ اس کے بارے بدگمان ہونا ہے۔ لہٰذا یہ شرعاً عقلاً اور فطرتاً محال ہے اور ہر عقل سلیم اس کی قباحت شدیدہ کی معترف ہے۔

یہ بات بھی واضح ہے کہ کسی کی عبادت کرنا معبود کی تعظیم کرنا ہے لہٰذا عابد اپنے معبود کے سامنے تذلل اختیار کرتا ہے۔

سب سے زیادہ کمالِ تعظیم کا حقیقی اور اکیلا حقدار صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ خضوع، تذلل اسی کا حق ہے۔ حق حقدار کو نہ دینا یا اس کے حق میں خود کو یا کسی کو

شریک کرنا بدترین ظلم ہے۔ اس ظلم کی قباحت اس وقت مزید بڑھ جاتی ہے جب عملِ قبیح غلام اپنے مولیٰ کے سامنے کرے۔ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿ضَرَبَ لَكُمْ مَثَلاً مِّنْ اَنْفُسِكُمْ ط هَلْ لَّكُمْ مِّنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ شُرَكَآءَ فِيْ مَا رَزَقْنٰكُمْ فَاَنْتُمْ فِيْهِ سَوَآءٌ تَخَافُوْنَهُمْ كَخِيْفَتِكُمْ اَنْفُسَكُمْ ط كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ﴾ (الروم: ۲۸)

''وہ تمہارے لئے تمہارے ہی حال کی ایک مثال بیان فرماتے ہیں کیا جن کے تم مالک ہو وہ اس رزق میں جو ہم نے تمہیں دیا تمہارے شریک ہیں اور تم اس میں برابر کے شریک ہو؟ اپنوں سے ڈرنے کی طرح ان سے ڈرتے ہو اسی طرح عقل مندوں کے لئے ہم آیتیں کھول کر بیان کرتے ہیں۔''

یعنی تم اپنے رزق میں اپنے غلام کے شریک ہونے کو گوارا نہیں کرتے ہو تو پھر میرے غلاموں کو میرے ساتھ شریک کیوں ٹھہراتے ہو حالانکہ میں اپنی الوہیت میں یکتا ہوں میرے سوا کوئی بھی صفت الوہیت سے متصف نہیں ہو سکتا۔

جس نے اس کے خلاف کیا تو اس نے میری قدر نہیں کی اور نہ میری تعظیم کو بجا لایا۔ نہ ہی مجھے تمام قدرت میں اکیلا اور وحدہٗ لاشریک سمجھا۔ ایسے لوگوں کے بارے فرمان الٰہی ہے:

﴿يٰاَيُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ، اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَنْ يَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّلَوِ اجْتَمَعُوْا لَهٗ ط وَاِنْ يَّسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَيْئًا لَّا يَسْتَنْقِذُوْهُ مِنْهُ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوْبُ ○ مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ط اِنَّ

اللّٰہَ لَقَوِیٌّ عَزِیْزٌ﴾ (الحج: ۷۳۔۷۴)

''اے لوگو! ایک مثال بیان کی جاتی ہے اسے خوب کان لگا کر سنو۔ جنہیں تم اللہ کے سوا پکارتے ہو وہ ایک مکھی بھی نہیں بنا سکتے اگرچہ وہ سب اس کے لئے جمع ہو جائیں اور اگر ان سے مکھی کوئی چیز چھین لے جائے تو اس کو مکھی سے چھڑانے پر قادر نہیں۔ عابد و معبود دونوں ہی عاجز ہیں انہوں نے اللہ کی کچھ قدر نہیں کی۔ بے شک اللہ زور والا غالب ہے۔''

جس شخص نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایسی کمزور و ناتواں مخلوق کو شریک قرار دیا جس سے مکھی کچھ چھین لے تو اسے بھی نہیں چھڑا سکتا تو یقیناً وہ شخص اللہ تعالیٰ کی قدر و منزلت سے یکسر غافل و جاہل ہے۔

ایسے لوگوں کے بارے میں ارشادِ خداوندی ہے:

﴿وَمَا قَدَرُوا اللّٰہَ حَقَّ قَدْرِہٖ ق صلے وَالْاَرْضُ جَمِیْعًا قَبْضَتُہٗ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِیّٰتٌ بِیَمِیْنِہٖ ط، سُبْحٰنَہٗ وَتَعٰلٰی عَمَّا یُشْرِکُوْنَ﴾

''انہوں نے اللہ تعالیٰ کی قدر کا حق ادا نہیں کیا جیسا کہ اس کی قدردانی کا حق ہے۔ قیامت کے دن یہ ساری زمین ان کی مٹھی میں ہوگی اور سارے آسمان لپیٹے ہوئے ان کے داہنے ہاتھ میں ہوں گے۔ وہ تمام عیوب سے اور شرکاء سے پاک و بلند و بالا ہے'' (الزمر: ٦٧)

یعنی جس نے اللہ تعالیٰ کی عبادت کے ساتھ کسی دوسرے کی بھی عبادت کی تو اس نے اللہ کی قدر پہچانی ہی نہیں۔ کیونکہ اس نے عاجز ترین مخلوق کو ہر چیز پر غالب وقوی ذات کے برابر ٹھہرا دیا۔

اس طرح اس شخص نے اللہ کی سخت ناقدری کی جس نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول مبعوث ہونے اور کتابیں نازل ہونے کا انکار کیا تو اس نے اس انکار سے گویا اللہ تعالیٰ کی طرف اپنی مخلوق سے غفلت برتنے، ان کو ضائع کرنے، ان کو بے کار چھوڑنے اور فضول و بے کار پیدا کرنے کی غلط نسبت کی، اسی طرح اس شخص نے بھی اللہ کی سخت ناقدری کا ارتکاب کیا جس نے اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ کے حقائق اور ان کی عظیم صفات کی نفی کی اور اللہ تعالیٰ کے سمیع و بصیر ہونے اس کے ارادے اور اختیارات اور مخلوقات پر برتری اور کلام اللہ جیسی عظیم و اعلیٰ صفات کا انکار کیا۔ اس نے اس کی عموم قدرت اور مخلوق کے جملہ افعالِ اطاعت میں نافرمانی سے اللہ تعالیٰ کو بے خبر سمجھا اور اس کے احاطہء اختیار سے مخلوق کو خارج سمجھا۔ اور مخلوق کو خود مختار گردانا اور یہ عقیدہ رکھا کہ اس کے ملک جو کچھ ہوتا ہے وہ اس سے لاتعلق ہے۔ یعنی وہ نہیں ہوتا جو کچھ وہ چاہتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان مجوسی نما لوگوں کے عقائد سے بلند و برتر اور پاک و منزہ ہے۔

اور اسی طرح وہ لوگ بھی اللہ تعالیٰ کو سمجھنے سے قاصر رہے جو یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ اللہ بندے کو ناکردہ گناہ کی سزا دیتے ہیں۔ یعنی انسان اپنے اختیار سے کوئی فعل انجام نہیں دے سکتا بلکہ جو کچھ وہ کر رہا ہے اللہ تعالیٰ کا فعل ہے بندہ تو مجبورِ محض ہے۔

یعنی کرنے پر مجبور بھی کرتا ہے پھر کرنے کے بعد سزا بھی دیتا ہے حالانکہ یہ عام سی بات ہے کہ ایک آقا اپنے غلام کو کسی کام کو کرنے پر مجبور کرے پھر اس کام کو انجام دینے پر سزا بھی دے تو یہ عقل و فطرت دونوں کے رو سے قبیح اور غلط ہے۔ تو سب سے زیادہ عادل، سب سے زیادہ رحیم و کریم ذات کسی کام کو کرنے پر مجبور بھی کر دے اور کرنے پر سزا بھی دے۔ اور طرح یہ کہ انسان کا اس فعل و عمل میں ادنیٰ دخل بھی نہ ہو یہ تو ظلم ہے۔

اللہ تعالیٰ اس ظلم سے یقیناً منزہ، مبرّا اور پاک ہے۔ یہ بدترین مسلک ہے اور اس قسم کے مجوسیوں کے عقائد زیادہ خطرناک ہیں لہٰذا یہ طبقہ اور پہلا طبقہ دونوں

اللہ تعالیٰ کو نہیں سمجھ پائے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کی معرفت اور اس کی قدر دانی سے وہ شخص بھی یکسر خالی و عاری ہے جو اللہ تعالیٰ کے ہر جگہ موجود ہونے کا عقیدہ اس طرح رکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو گندے مقامات اور نامناسب جگہوں میں موجودگی سے بھی اللہ کو محفوظ نہیں سمجھتا۔ اور عرش پر مستوی ہونے سے اس کی ذات کو منزہ سمجھتا ہے۔ تو یہ شخص بھی احمق اور نادان ہے اور اللہ کی عظمت و کبریائی سے نابلد ہے۔

حالانکہ فرمان الٰہی تو یہ ہے:

﴿اِلَیْهِ یَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّیِّبُ وَ الْعَمَلُ الصَّالِحُ یَرْفَعُهٗ﴾ (فاطر:۱۰)

''اسی کی طرف سب پاکیزہ باتیں چڑھتی ہیں اور وہی نیک عمل کو بلند کرتا ہے۔''

اور فرشتے اور روح الامین اس کی طرف چڑھتے ہیں اور اسی کی طرف سے نیچے اترتے ہیں۔ سورۂ سجدہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

﴿یُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَی الْاَرْضِ ثُمَّ یَعْرُجُ اِلَیْهِ﴾ (سجدہ:۲)

''آسمان سے لے کر زمین تک ہر کام کی تدبیر وہی کرتا ہے پھر وہ ملائکہ اسی کی طرف چڑھتے ہیں''

اللہ کا فرمان تو یہ ہے۔ جب کہ مذکورہ عقائد کا حامل شخص اللہ تعالیٰ کو تخت خدائی سے خالی کر کے ہر اس جگہ پر موجود سمجھتا ہے جہاں خود انسان رہنا گوارا نہیں کرتا۔ بلکہ انسان تو انسان حیوان بھی اس میں رہنا گوارا نہیں کرتا۔

اسی طرح وہ لوگ ذاتِ خداوندی کی حقیقت کو سمجھنے سے انتہائی قاصر رہے ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ سے محبت، رحمت، رضاء، غصہ اور ناراضگی کی صفت کی نفی کی

ہے۔ اسی طرح وہ لوگ بھی سخت غلطی پر ہیں جو اللہ تعالیٰ کی حکمت بالغہ کے منکر ہیں اور اللہ تعالیٰ کے فعل کا انکار کرنے والے بھی انتہائی غلطی کا شکار ہیں جو اللہ تعالیٰ کو اپنے فعل میں مختار نہیں سمجھتے۔

اسی طرح وہ لوگ بھی معرفت الٰہی سے قاصر رہے ہیں جو اللہ تعالیٰ کیلئے اولاد کے قائل ہیں یا مخلوق کے اندر اللہ تعالیٰ کے حلول کر جانے کے قائل ہیں۔ اور وحدت الوجود کے قائل بھی معرفت سے خالی ہیں اسی طرح وہ لوگ اللہ تعالیٰ کی معرفت اور اس کی قدر دانی کے متعلق سخت غلطی پر ہیں جو کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے اہل بیت کے دشمنوں کے درجات کو بلند کیا ان کو بادشاہت وخلافت سے نوازا اور عزت بخشی۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے اہل بیت سے محبت رکھنے والے دوستوں کو ہر جگہ ذلیل کیا۔ رافضیوں کا یہ عقیدہ اللہ تعالیٰ کی غایت درجہ گستاخی وبے ادبی ہے۔ یہ عقیدۂ رفض یہودیوں کے عقائد سے ماخوذ ہے جو اللہ تعالیٰ کے بارے کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ایک ظالم فرشتے کو بھیجا جس نے خود دعویٰ نبوت کیا اور اللہ تعالیٰ کی طرف جھوٹ کی نسبت کی۔ اور وہ فرشتہ ایک طویل مدت تک رہا اور جھوٹ بولتا رہا اور یہ کہتا رہا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ کہا ہے، یہ حکم دیا ہے اور اس کام سے منع کیا ہے۔ اسی طرح دوسرے انبیاء کی شرائع کو منسوخ اور اپنے پیروکاروں کے خون بہانے اور ان کے اموال کو چھیننے کو جائز قرار دیا ہے۔ اور یہ کہ ان سب کو اللہ نے میرے لیے حلال کیا ہے۔ اس کے باوجود اللہ نے اسی کو غلبہ دیا اور اسی کی مدد کی۔ دوسروں پر اس کو برتری بخشی اور اسی کی دعاؤں کو قبولیت بخشی اور اس کے مخالفین پر اس کو قدرت دی، دشمنوں کے مقابلے میں اسے کامیابی سے سرفراز کیا اور اپنے قول وفعل میں اسی کی تصدیق کی۔

یہودیوں کا یہ عقیدہ اللہ تعالیٰ کی انتہائی سخت بے ادبی اور گستاخی کو متضمن ہے۔ اس کے علم وحکمت، اس کی رحمت وربوبیت اس عقیدے سے منزہ، مبرا اور بلند

و برتر ہے۔

ذرا یہودیوں کے اس عقیدے اور ان کے بھائی رافضیوں کے عقیدے کے درمیان موازنہ کیجئے تو ان کے درمیان کوئی فرق نہیں پاؤ گے۔ دونوں کو شاعر کے اس شعر کا مصداق پاؤ گے۔

رضیعی لبان ثدی ام تقاسما مهر با سحم داج عوض لانتفرق

ترجمہ: ایک ہی ماں کے دو شیر خوار بچے ہیں جنہوں نے پکی قسم اٹھائی کہ کبھی جدا نہیں ہوں گے۔

اسی طرح وہ لوگ بھی انتہائی گمراہی اور اللہ تعالیٰ کی ناقدری کا شکار ہیں جن کا عقیدہ اللہ تعالیٰ کے متعلق یہ ہے کہ یہ ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے ان دوستوں کو عذاب دے جو پلک جھپکنے کی مقدار میں بھی اللہ کی نافرمانی نہیں کرتے، اور ان کو جہنم میں داخل کرے اور اپنے ان دشمنوں کو نعمتوں سے نوازے اور جنت نعیم میں داخل کرے جو ایک لمحہ کے لئے بھی اس پر ایمان نہیں لائے۔ یہ دونوں امر اس کے لئے مشترک ہیں اور کتاب وسنت میں اس کے خلاف جو مواد موجود ہے وہ صرف ایک خبر کی حیثیت رکھتا ہے نہ کہ حکمت وعدالت کے منافی۔

چنانچہ ایسا عقیدہ رکھنے والوں کو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں سخت دھمکی دی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَ الْاَرْضَ وما بَيْنَهُما باطلاً ذٰلِكَ ظَنُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوا فَوَيْلٌ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوا مِنَ النَّارِ ○ أَمْ نَجْعَلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَالْمُفْسِدِيْنَ فِي الْاَرْضِ أَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِيْنَ كَالْفُجَّارِ﴾ (ص: ۲۷۔۲۸)

''اور ہم نے زمین وآسمان کو اور جو اس کے درمیان ہے بے کار

تو پیدا نہیں کیا، یہ تو کافروں کا خیال ہے۔ تو کافروں کے لئے ہلاکت ہے جو آگ ہے۔ کیا ہم ایمان لا کر عمل صالح کرنے والوں کو مفسدین کی طرح (سزا) دیں گے؟ یا ہم پرہیزگاروں کو بدکاروں کی طرح کر دیں گے؟''

اسی طرح دوسری جگہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿أَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ اجْتَرَحُوا السَّيِّئَاتِ اَنْ نَّجعَلَهُمْ كَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلوا الصّٰلِحٰتِ سَوَآءً مَّحْيَاهُمْ وَ مَمَاتُهُمْ سَاءَ مَايَحْكُمُوْنَ ٥ وَخَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ بِالْحَقِّ وَلِتُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ وَ هُمْ لَايُظْلَمُوْنَ﴾ (جاثیہ ۲۱-۲۲)

''کیا نافرمانی کرنے والوں نے یہ سمجھ لیا ہے کہ ہم انہیں ایمانداروں اور نیک کام کرنے والوں کے ہم پلہ کر دیں گے۔ ان کا جینا مرنا برابر ہے۔ یہ بہت برا فیصلہ کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے زمینوں اور آسمانوں کو کسی مقصد کے لئے پیدا فرمایا ہے اور تاکہ ہر ایک نفس کو اس کے کئے کا بدلہ دیا جائے اور ان پر کسی قسم کا بھی ظلم نہیں ہوگا۔''

اسی طرح ایک اور جگہ ارشاد ہے:

﴿اَفَنَجْعَلُ الْمُسْلِمِيْنَ كَالْمُجْرِمِيْنَ مَالَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ﴾ (القلم: ۳۵)

''پس کیا ہم فرمان برداروں کو مجرموں کی طرح کر دیں گے۔ تمہیں کیا ہوگیا ہے؟ کیسے فیصلے کرتے ہو۔''

اسی طرح ان لوگوں نے بھی اللہ تعالیٰ کی سخت ناقدری کی جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے متعلق یہ گمان کیا کہ اللہ نہ مردوں کو دوبارہ زندہ کرے گا اور نہ ہی مرنے کے بعد دوبارہ قبور سے اٹھائے گا اور نہ ہی روز قیامت ان کو جمع کرے گا کہ جس دن محسن کے احسان اور بدکار کی بدی کا بدلہ دیا جائے گا۔ اور مظلوم ظالم سے اپنا بدلہ لے گا۔ دنیا میں اللہ تعالیٰ کے رضا کے خاطر مشقتیں اٹھانے والوں کا اکرام کیا جائے گا اور کافروں کی بھی خبر لی جائے گی۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کے حکم کو ہلکا سمجھ کر ٹھکرا دینے والے نے بھی اللہ تعالیٰ کی قدر شناسی نہیں کی ہے۔ ذکر الٰہی سے غافل رہا، رضا الٰہی کے مقابلے میں نفسی خواہشات کو ترجیح دی۔ اطاعت خداوندی سے لوگوں کی اطاعت کو اہم سمجھا۔ قول و فعل اور علم و عمل میں فالتو حصہ کو اللہ کے لئے وقف کر دیتے ہیں۔ اللہ کے سواء ساری چیزیں ان کے نزدیک اہم اور مقدم ہیں۔ اپنے دل و جوارح دونوں کے ذریعے اللہ تعالیٰ سے پوشیدہ رہنے کی کوشش کرتے ہیں حالانکہ وہ اللہ کے قبضہء قدرت سے باہر نہیں، لوگوں سے شرماتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ سے حیا نہیں کرتے۔ مخلوق سے ڈرتے ہیں مگر خالق کا خوف دل میں نہیں۔ لوگوں کے ساتھ معاملہ بہتر انداز سے کرتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ کا معاملہ بھونڈے طریقے پر اپنے پسندیدہ کسی شخص کا کام کرنے لگے تو پوری تندہی، سخت جانفشانی، انتہائی خیر خواہی، دل و جان لگانے اور اپنی بہت ساری مصلحتوں کو اس پر قربان کرنے سے بھی ذریغ نہیں مگر اپنے رب کے کام کے لئے اگر ایک لمحے کے لئے بھی کھڑا ہوا تو اس انداز سے کہ اس سے کوئی مخلوق بھی راضی نہیں ہے اور اس کے لئے ایسا مال صرف کریں گے جو کسی انسان کو دیتے ہوئے بھی شرم آئے۔ ذرا غور سے کام لیں کیا اللہ کی یہ قدر دانی ہے؟

خالص اللہ ہی کے حقوق اجلال، تعظیم، طاعت ان کے خشوع و خضوع ان

ہی سے خوف و رجاء میں دوسروں کو شریک کرنا کیا ان کی قدردانی اور حق شناسی ہے؟

اللہ تعالیٰ کے محبوب و مقرب بندوں کو اللہ تعالیٰ کا شریک بنانا اگر سخت جرأت، انتہائی حق تلفی اور توہین اور خالص اللہ تعالیٰ کے حق میں شریک کرنا ہے تو ذلیل وحقیر اور حقیقی دشمن کو شریک بنانے کی قباحت کتنی سخت ہوگی۔ یہ تو صرف شیطان کی عبادت ہوگی۔

جیسا کہ فرمان خداوندی ہے:

﴿أَلَمْ أَعْهَدْ إِلَيْكُمْ يَا بَنِيْ آدَمَ أَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطَانَ ۚ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۝ وَأَنِ اعْبُدُوْنِيْ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ۝﴾ (یٰسین: ۶۱)

''اے آدم کی اولاد! کیا میں نے تمہیں تاکیداً نہیں کہا تھا کہ شیطان کی تابعداری مت کرو بے شک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے اور میری ہی عبادت کرنا یہی راست طریقہ ہے۔''

یہ لوگ فرشتوں کی عبادت کر کے دراصل شیطان کی عبادت کرتے ہیں مگر اپنی دانست میں سمجھتے ہیں کہ فرشتوں کی عبادت کرتے ہیں۔

جیسا کہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ثُمَّ يَقُوْلُ لِلْمَلٰٓئِكَةِ أَهٰٓؤُلَآءِ إِيَّاكُمْ كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ ۝ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ أَنْتَ وَلِيُّنَا مِنْ دُوْنِهِمْ ۚ بَلْ كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ الْجِنَّ ۚ أَكْثَرُهُمْ بِهِمْ مُّؤْمِنُوْنَ ۝﴾ (سبا: ۴۰۔۴۱)

''جس دن وہ ان سب کو جمع کرے گا پھر فرشتوں کو حکم فرمائے گا کیا یہی لوگ تمہاری عبادت کرتے تھے۔ تو فرشتے کہیں گے

تیری ذات پاک ہے ہمارا مولیٰ تو ہی ہے ہمارا ان سے کوئی تعلق نہیں؟ بلکہ یہ لوگ جنات کی عبادت کرتے تھے ان کی اکثریت انہی پر یقین رکھتی تھی۔''

بات اصل میں یہ ہے کہ وہ شیطان کو اپنی عبادت کی دعوت دیتا ہے اور خود کو فرشتہ ظاہر کرتا ہے۔ بالکل یہی کیفیت سورج، چاند اور ستاروں کی پرستش کرنے والوں کی ہے۔ چنانچہ شیطان ان کی صورت میں مشرک سے ہم کلام ہو کر اس کی ضرورت پوری کرنے کو کہتا ہے۔ تو جب سورج طلوع ہوتا ہے تو شیطان بھی سورج کے ساتھ ساتھ نکل آتا ہے تو سورج کی عبادت کرنے والا اس کے سامنے سجدہ کرتا ہے تو اس کا سجدہ شیطان کے سامنے ہوا۔ اسی طرح غروب آفتاب کے وقت بھی سورج کے ساتھ ساتھ ہوتا ہے اور سورج پرست اس کے سامنے سجدہ کرتا ہے تو گویا شیطان کے سامنے سجدہ کیا۔ اسطرح حضرت عیسیٰ اور ان کی والدہ حضرت مریم علیہا السلام کی عبادت کرنے والا بھی درحقیقت شیطان کی عبادت کر کے خوش ہوتا ہے کہ اس نے حضرت مریم علیہا السلام کی عبادت کر کے ان کو خوش کر دیا اور اس کو وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا حکم تصور کرتا ہے۔ حالانکہ یہ حکم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نہیں ہے بلکہ شیطان علیہ اللعنت کا امر ہے۔ اسی کو اللہ تعالیٰ نے مذکورہ بالا آیت مبارکہ اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَیْكُمْ الخ میں بیان فرما دیا ہے۔ چنانچہ بنی آدم میں سے کسی نے بھی اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی بھی عبادت نہیں کی ہے دراصل اس نے شیطان رجیم ہی کی عبادت کی ہے۔

چنانچہ عبادت کرنے والا اپنے معبود سے اپنے غرض کے حصول کے سلسلے میں اور معبود عابد سے اپنی تعظیم و تکریم بجا لا کر اس سے شرک کرا کر فائدہ حاصل کرتا ہے اسی سے شیطان کو انتہائی خوشی ہوتی ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے یہ ارشاد فرمایا:

﴿وَ یَوْمَ یَحْشُرُهُمْ جَمِیْعًا ۚ یٰمَعْشَرَ الْجِنِّ

قَدِاسْتَكْثَرْتُمْ مِّنَ الْاِنْسِ ج وَقَالَ اَوْلِيٰئُهُمْ مِّنَ الْاِنْسِ
رَبَّنَا اسْتَمْتَعَ بَعْضُنَا بِبَعْضٍ وَّ بَلَغْنَا اَجَلَنَا الَّذِیْٓ اَجَّلْتَ
لَنَا و قَالَ النَّارُ مَثْوٰكُمْ خَالِدِيْنَ فِيْهَآ اِلَّا مَاشَآءَ اللّٰهُ ط
اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ﴾ (الانعام: ۲۸)

''اور اس دن اللہ تعالیٰ ان سب کو جمع کریگا تو جنّوں کی جماعت سے فرمائے گا کہ تم نے انسانوں میں سے بہت سے گمراہ کر کے تابع کر لئے تھے اور جنوں کے انسان دوست کہیں گے۔ اے ہمارے رب ہم میں سے ہر ایک نے دوسرے سے کام نکالا اور اپنے میعاد کو ہم پہنچ گئے جو تو نے ہمارے لئے مقرر کی تھی۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: تم سب کا ٹھکانہ جہنم ہے جس میں ہمیشہ رہو گے۔ اس سے صرف وہی لوگ بچیں گے جنہیں اللہ بچائے گا تیرا رب یقیناً حکمت والا اور جاننے والا ہے۔''

شرک اللہ تعالیٰ کے ہاں تمام گناہوں سے بڑھ کر نا قابل معافی گناہ ہے، اس میں ایک لطیف اشارہ ہے وہ یہ کہ اس کی حرمت اور قباحتؔ صرف نہی ہی کی وجہ سے نہیں بلکہ یہ محال ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو اپنے غیر کی عبادت کی ادنیٰ گنجائش بھی دے دے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے لئے کمال قدرت، اپنی جلالت وعظمت کے خلاف عمل کرنا محال و ناممکن ہے تو ربوبیت و الوہیت، عظمت و جلال کی عظیم صفات سے متصف عظیم ذات مشارکت پر کیسے راضی ہوسکتی ہے۔

تعالى الله عن ذلك علوا كبير

فصل

شرک وتکبر:

جس طرح شرک اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ خلقت اور شریعت کے سراسر منافی ہونے کی وجہ سے شریعت کے نزدیک تمام کبائر سے سب سے بڑا کبیرہ گناہ ہے اسی طرح تکبر بھی اپنے تمام توابع کے ساتھ شرک کی طرح ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا فرمایا اور انبیاء پر کتب نازل فرمائیں تاکہ انہی کی اطاعت کی جائے جب کہ شرک و تکبر اس عظیم مقصد کے منافی ہے۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے مشرک اور متکبر پر جنت جیسی عظیم نعمت کو حرام قرار دیا۔ چنانچہ وہ شخص جنت میں ہرگز داخل نہیں ہوسکتا جس کے دل میں ذرہ برابر بھی تکبر ہو۔

فصل

اللہ تعالیٰ کے اسماء اور صفات اور افعال کے متعلق بغیر علم کے کلام کرنا۔ اور قرآن وسنت میں بیان شدہ صفات کے خلاف صفات بیان کرنا مفسدے کے اعتبار سے کبر کے مفسدے سے ملتا جلتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے کمالِ خلق اور کمالِ امر کے سخت مناقض ہے اور اللہ تعالیٰ کی خصوصیات اور نفسِ ربوبیت میں سخت گستاخی ہے۔ اور اگر یہ گناہ جاننے کے باوجود ہوا تو سخت عناد اور شرک سے بھی اس کی قباحت زیادہ اور سخت ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی صفاتِ کمالیہ کا اقرار کرنے کے ساتھ شرک کرنے والا اللہ تعالیٰ کی صفات کا منکر مشرک سے کم تر ہے۔ جیسا کہ ایک شخص بادشاہ کی بادشاہت، اور اس کے کمال کو مان کر اس کے بعض معاملات میں دوسروں کو شریک مانتا ہے اس شخص سے یقیناً جرم کے لحاظ سے کم تر ہے جو سرے سے بادشاہ کی بادشاہت کا منکر ہے۔ جب یہ بات عقل وفطرت کے مطابق انتہائی غلط ہے تو اللہ

تعالیٰ جو عظیم صفات کا مالک ہے اسے چھوڑ کر غیر کی عبادت کر کے ان کی صفات کا انکار کیسے جائز ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کی صفات کا انکار لاعلاج مرض ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے صفاتِ باری تعالیٰ کے سب سے بڑے منکر فرعون کا واقعہ بیان فرمایا۔ کہ جب موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ میرا رب آسمانوں سے بھی اوپر ہے تو فرعون نے کہا:

﴿يَاهَامَانُ ابْنُ لِيُ صَرْحًا لَعَلِّيُ اَبْلُغُ الْأَسْبَابَ اَسْبَابَ السَّمٰوٰتِ فَأَطَّلِعَ اِلٰى اِلٰهِ مُوسٰى وَ اِنِّىُ لَأَظُنُّهٗ كَاذِبًا﴾ (غافر ۳۶/۳۷)

"اے ہامان! تو میرے لئے ایک محل بنا تاکہ میں راستوں تک پہنچوں (یعنی) آسمان کے راستوں تک پھر موسیٰ کے رب کے بارے معلومات حاصل کرلوں، میں سمجھتا ہوں وہ جھوٹ بولتا ہے۔"

حضرت امام ابوالحسن اشعریؒ نے فرقہ معطلہ پر رد کرنے کے لئے اس آیت سے استدلال کیا ہے جس کا تذکرہ میں نے دوسری کتاب میں کیا ہے۔ بلاعلم اللہ تعالیٰ کے متعلق گفتگو کرنا اور شرک آپس میں لازم وملزوم ہیں اور بدعت جو صفات باری تعالیٰ سے جہالت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں غلط نظریہ اگرچہ کفر سے کم ہے مگر گناہوں میں سے سب سے بڑا گناہ ہے۔ اور شیطان کو سب سے پسند بھی یہی بدعت ہی ہے۔

کسی بزرگ کا قول ہے: عام معصیت کی بنسبت بدعت ابلیس کو زیادہ محبوب ہے۔ اس لئے کہ معصیت کے بعد توبہ کی توفیق ہوتی ہے۔ جب کہ بدعت سے توبہ کی بھی توفیق نہیں ہوتی ہے۔

ابلیس کا قول ہے: میں انسان سے گناہ کروا کر ہلاک کرتا ہوں اور وہ استغفار اور کلمہ طیبہ کے ورد سے مجھے ہلاک کرتا ہے۔ جب میں نے یہ محسوس کیا تو اس

کو پھانسنے کے لئے خواہشات کا جال بچھا دیا۔ چنانچہ بدعتی لوگ خواہشات کی بنیاد پر گناہ کر کے توبہ کی طرف نہیں آتے۔ کیونکہ وہ بدعت میں مبتلا ہو کر اس کو نیک عمل سمجھتے ہیں۔

اور یہ بات بھی واضح رہے کہ گناہ گار کا گناہ تو اس کی ذات کے ساتھ محدود ہے جب کہ بدعتی کا ضرر دوسروں پر بھی عام ہے اور دینی نقصان بھی ہے اور کبھی تو بدعتی لوگوں کو راہِ راست سے بھٹکانے کے لئے صراطِ مستقیم پر ہی بیٹھ جاتا ہے۔ جب کہ عام گناہ گار ایسا نہیں ہوتا اور بدعتی اللہ تعالیٰ کی صفاتِ کمالیہ کا گستاخ ہے جب کہ گناہگار کی یہ کیفیت نہیں۔ بدعتی دوسروں کے لئے راہِ آخرت کا ڈاکو ہے جب کہ گناہ گار کی رفتار آخرت کے لئے خود اسی کے لئے سست ہے۔

ظلم وتعدی:

اللہ تعالیٰ کے نظامِ عدل جس کی بنیاد پر زمین قائم ہے اور دنیا میں عدل قائم کرنے کے لئے انبیاءؑ کو مبعوث فرمایا اور کتابیں نازل فرمائی۔ ظلم و زیادتی اس عدل و انصاف کے منافی ہونے کی وجہ سے اکبر الکبائر ٹھہری ہے۔ چنانچہ ظلم کا سخت اور پکا ہونا اس کے مفسدے اور خرابی کے بقدر ہے۔ چنانچہ اپنے بے گناہ چھوٹے بچے کو رزق کی کمی کے خوف سے مار ڈالنا ظلم کی قبیح ترین اور سخت صورت ہے اس لئے کہ بچے کے ساتھ محبت و رأفت ہر انسان کی جبلت وطبیعت میں موجود ہوتی ہے خصوصاً والدین کی محبت تو اپنے بچے کے ساتھ زیادہ ہوتی ہے۔ اس طرح اپنے والدین کو قتل کرنا یا کسی قریبی عزیز کو قتل کرنا ظلم وتعدی کے قبیح ترین درجے میں ہیں۔

قتل کی قباحت اور اس کی خرابی کے لحاظ سے اور مقتول کے درجے اور استحقاق و منصب کے بقدر قتل کی مختلف قسمیں ہیں اسی وجہ سے حدیث شریف میں آیا

ہے۔ نبی کو قتل کرنے والا یا کسی نبی کے ہاتھوں قتل ہونے والا قیامت کے دن شدید ترین عذاب میں مبتلا ہوگا۔

امر بالمعروف نہی عن المنکر کرنے والے، حق سبحانہ وتعالیٰ کی طرف لوگوں کو دعوت دینے والے اور ان کے ساتھ خیر خواہی کرنے والے امامِ عادل کو قتل کرنے کی قباحت بھی نبی کے قتل کرنے کی طرح ہے۔

کسی مؤمن نفس کو قتل کرنے کی سزا ہمیشہ جہنمی ہونا، اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا مستحق ہونا اور سخت عذاب عظیم میں مبتلا ہونا ہے۔ البتہ قتل کے بعد بخوشی دوبارہ اسلامی احکام کو دل جان سے قبول کرنا اس سزا کے نفاذ میں مانع ہوتا ہے۔

البتہ مسلمان کسی مسلمان کو قتل کر کے توبہ کرے تو اس کی توبہ قبول ہوگی یا نہیں؟ اس سلسلے میں متقدمین ومتاخرین کے دو قول ہیں یہ دونوں قول حضرت امام احمد بن حنبلؒ سے منقول ہیں۔

جن لوگوں کا خیال ہے توبہ سے قتل کی سزا ختم نہیں ہوگی وہ کہتے ہیں کہ یہ مقتول کا حق ہے جو قاتل سے بدلہ لئے بغیر دنیا سے چلا گیا۔ قیامت کے دن اس کا یہ حق لازماً اس کو دیا جائے گا۔ اور جو بدلہ مقتول کے ورثاء نے قصاص کی صورت میں لیا ہے وہ ان ورثا ہی کا حق ہے۔ وہ چاہے اس کو وصول کریں یا معاف کردیں۔ ورثاء کو قصاص لینے سے مقتول کو کیا حاصل ہوتا ہے۔ اُس سے مقتول پر کیے گئے ظلم کا کماحقہ تدارک تو نہیں ہوسکتا۔ چنانچہ ورثاء کے خون بہا حاصل کرنے سے مقتول کا حق ساقط ہرگز نہیں ہوگا۔ یہ قول راجح ہے حضراتِ شوافع وحنابلہ اسی کے قائل ہیں۔

دوسرا قول ان لوگوں کا ہے جو یہ کہتے ہیں: قاتل کے توبہ کرنے اور ورثاء کے خون بہا لینے سے اس کی سزا ختم ہوسکتی ہے اس لئے کہ توبہ سابقہ تمام گناہوں کو مٹا دیتی ہے اور ان کا یہ بھی استدلال ہے کہ توبہ جب کفر وسحر کے اثرات کو مٹا سکتی ہے تو

قتل کے اثر کو کیوں نہیں مٹا سکتی؟ حالانکہ قتل کفر سے کم تر ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے اولیاء کے قاتل کفار کی توبہ قبول فرما کر اپنے بہترین بندوں میں شامل فرمایا ہے اور اپنے اولیاء کو جلانے اور آزمائش میں مبتلا کرنے والے کافروں تک کو توبہ کرنے کی طرف دعوت دی ہے۔

چنانچہ فرماتے ہیں:

﴿قُلْ يَا عِبَادِيَ الَّذِينَ أَسْرَفُوا عَلَى أَنفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا مِن رَّحْمَةِ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيعًا﴾ (الزمر: ۳۵)

"آپ کہہ دیجئے! اے میرے بندو! جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے۔ اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہوں۔ بے شک اللہ تعالیٰ سب کے گناہ بخش دے گا"

یہ توبہ کرنے والے کے بارے میں ہے یہ کفر اور کفر سے کم تر گناہ کو بھی شامل ہے۔

وہ لوگ بطور استدلال یہ بھی کہتے ہیں کہ گناہ کرنے کے بعد توبہ کرنے سے اگر گناہ پر سزا دی جائے تو توبہ کرنے کا کیا مطلب ہے یہ شریعت کے اصول کے منافی ہے۔

اور قاتل کی توبہ اپنے نفس کو حوالہ کرنا ہے لیکن مقتول کے نہ ہونے کیوجہ سے خود کو مقتول کے حوالہ کرنا تو ناممکن ہے لیکن شریعت نے اس کے ورثاء کو اس کا قائم مقام ٹھہرایا ہے۔ چنانچہ خود کو مقتول کے ورثاء کے حوالہ کرنا مقتول کے حوالہ کرنے کی طرح ہے اور اس کے ورثاء کو مال دینا مقتول ہی کو مال دینے کا مترادف ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہوا کہ تین قسم کے حقوق قتل کے متعلق ہوتے ہیں۔

(۱) اللہ تعالیٰ کا حق۔

(۲) مقتول کا حق۔

(۳) مقتول کے اولیاء کا حق۔

اگر قاتل اپنے کیے پر پشیمان ہو کر اللہ تعالیٰ کے عذاب کے خوف سے خود کو بخوشی مقتول کے اولیاء کے حوالے کر دے اور گناہ سے توبہ تائب ہو جائے تو اللہ تعالیٰ کا حق توبہ سے ساقط ہو جائے گا۔ اور مقتول کے اولیاء کا حق دیت یا صلح و معاف کرنے سے ادا ہو جائے گا۔ باقی رہ گیا مقتول کا حق۔ اس کو قیامت کے دن توبہ کرنے والے بندے کی طرف سے اپنی جانب سے اتنا عطا کریں گے کہ وہ اس سے راضی ہوگا۔ تو مقتول کا حق ضائع ہوگا اور نہ ہی توبہ کرنے والے کی توبہ بے کار ہوگی۔

حقوق مالیہ سے توبہ کا طریقہ:

کسی کا مال تلف کیا ہو اور اس کا مالک انتقال کر گیا ہو تو اس ذمے سے بری ہونے کا کیا طریقہ ہے؟ آیا اس کے ورثاء کو مال دینے کی صورت میں آخرت کے مؤاخذہ سے بچ جائے گا یا نہیں۔ اس سلسلے میں علماء کے دو طبقے ہیں۔

ایک طبقہ کہتا ہے: اپنے اوپر لازم مال کو اس کے ورثاء کے حوالہ کر دے تو آخرت کے مؤاخذہ سے بچ جائیگا۔ جیسا کہ دنیا میں کسی کا حق اس کو پہنچا کر بری ہوتا ہے۔

دوسرا طبقہ کہتا ہے: جس سے مال چھینا ہے یا اس کا حق دبایا ہے ورثاء کو ادا کرنے کے باوجود قیامت کے دن مورث کو مطالبے کا حق ہوگا۔ ورثاء کے مال لینے سے کیے گئے ظلم کا تدارک نہیں ہوگا۔ اس لئے کہ اس نے اس کا مال چھین کر یا دبا کر پوری زندگی اس سے فائدہ اٹھانے سے روک رکھا وہ اس مال سے فائدہ حاصل کیے بغیر دنیا سے چلا گیا۔ اس ظلم کا تدارک ورثاء کے مال لینے سے نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح

مال کو صرف ایک وارث کے حوالے کر دیا تو دوسرے ورثاء کو مطالبے کا حق حاصل ہوگا۔ اس لئے کہ اس مال کے ساتھ ان تمام ورثاء کا حق متعلق ہو چکا تھا اس لئے ہر ایک تک اس کا حق پہنچانا اس پر واجب تھا۔ بعض حنابلہ و مالکیہ اسی قول کے قائل ہیں۔

ہمارے شیخ حضرت علامہ امام ابن تیمیہؒ نے ان طبقوں کے درمیان فیصلہ کیا ہے۔

چنانچہ وہ فرماتے ہیں: اگر اصل مالک نے اپنے اس مال کے حصول پر قادر ہونے کے باوجود اس کو اس شخص سے نہیں لیا حتیٰ کہ انتقال کر گیا تو قیامت کے دن اس مال کے مطالبے کا حق وارث کو ہوگا نہ کہ مورث کو (اس لئے کہ اس کے انتقال کے بعد وہ ورثاء کی ملکیت میں منتقل ہو گیا تھا) جیسا کہ دنیا میں ہوتا ہے۔

اور اگر اصل مالک اپنے مال کو حاصل کرنے پر قادر نہ ہوا حتیٰ کہ ظلماً اس کے مال کو دبا لیا گیا اور وہ اس کو حاصل نہ کر سکا یہاں تک کہ اس کا انتقال ہو گیا۔ تو بروز قیامت اس مال کے مطالبے کا حق اسی مورث ہی کو ہوگا۔

امام ابن تیمیہؒ کی یہ توضیح نہایت بہتر ہے کیوں کہ یہ اصول ہے کہ اگر کسی کے مال کو کسی ظالم نے اس سے لے کر تلف کر دیا اور صاحب مال کے لئے اس مال کا حصول متعذر ہو جائے تو یہ بالکل ایسا ہے جیسا کہ کسی نے اس کے غلام کو قتل کر دیا یا اسکے گھر کو جلا ڈالا یا اس کے کھانے پینے کی چیزوں کو کھا پی کر ختم کر دیا اور صاحب مال کا انتقال ہو جائے تو قیامت کے دن اس مال کے مطالبے کا حق صاحب مال کو ہوگا نہ کہ ورثاء کو۔ ہاں البتہ یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوگا کہ اگر وہ مال زمین جائیداد یا باقی رہنے والی کوئی چیز ہو اور ظالم نے اس کو دبا لیا اور وہ مر جائے تو اس کے مطالبے کا حق ورثاء کو ہونا چاہیئے۔ اس لئے کہ اس کے مرنے کے بعد اس کے مال کے ساتھ ورثاء کا حق متعلق ہوا ہے، جب کہ بیان کردہ اصول کے مطابق خود صاحب مال

(مورث) کو حق پہنچنا چاہیئے۔

بہرحال یہ ایک قوی سوال ہے اس کا جواب کافی مشکل ہے۔ البتہ یوں کہا جا سکتا ہے کہ قیامت کے دن مطالبے کا حق وارث اور مورث دونوں کو ہوگا۔ جیسا کہ اگر کوئی مشترک چوری یا غصب ہو جائے تو مطالبے کا حق اس مال میں شریک تمام لوگوں کو ہوگا۔ جیسا کہ کئی لوگوں کے لئے کسی نے کوئی چیز وصیت کی مگر جن کے لئے وصیت کی گئی تھی ان تک وہ چیز نہیں پہنچی تو قیامت کے دن اس حق کے حصول کا مطالبہ یہ تمام لوگ کر سکیں گے جن کے لئے وصیت کی گئی تھی۔ اور اس حق مطالبے میں سب برابر کے شریک ہوں گے۔

﴿فصل﴾

قتل کا گناہ:

قتل کے نقصانات اور اس کے سخت ضرر کے پیش نظر اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿و مِنْ اَجلِ ذٰلِكَ كَتَبْنَا عَلٰى بَنِىْٓ اِسْرَائِيلَ اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْفَسَادٍ فِى الْاَرْضِ فَكَأَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا وَمَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَا اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا﴾ (المائدہ: ۳۲)

''ہم نے بنی اسرائیل کے لئے یہ حکم دیا تھا جس نے کسی قاتل یا فساد برپا کرنے والے کے بغیر کسی کو قتل کیا تو گویا اس نے تمام لوگوں کو قتل کیا اور جس نے کسی ایک انسان کو بچایا تو گویا اس نے سارے انسانوں کو بچایا۔''

اس بات کو بہت کم لوگ سمجھ پاتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ بات واضح ہے کہ سو

آدمیوں کے قاتل کا گناہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایک جان کے قاتل کے گناہ سے بہت زیادہ ہے۔ یہ غلط فہمی محض گناہ وعقوبت کو وجہ شبیہہ قرار دینے سے لاحق ہوئی، مگر قرآن کے الفاظ سے اس کی تائید نہیں ہوتی۔ نہ ہی ایک چیز کو دوسری چیز سے تشبیہ دینے سے اس کے تمام احکام سے مشابہ ہوتی ہے۔

فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿كَأَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَهَا لَمْ يَلْبَثُوا إِلَّا عَشِيَّةً أَوْ ضُحَاهَا﴾

(النازعات: ۴۶)

''جس دن اسے دیکھ لیں گے تو یہی سمجھیں گے کہ دنیا میں گویا ہم ایک شام یا ایک صبح تک ٹھہرے تھے۔''

اسی طرح سورۃ احقاف میں ہے:

﴿كَأَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَ مَا يُوعَدُونَ لَمْ يَلْبَثُوا إِلَّا سَاعَةً مِنْ نَهَارٍ﴾ (احقاف:......)

''جس دن وعدہ شدہ عذاب کو دیکھیں گے (تو کہیں گے) گویا وہ دنیا میں دن میں ایک گھڑی بھر رہے ہیں''

تو اس تشبیہ سے دنیا میں ان کا اتنا ٹھہرنے کا موجب نہیں ہے۔

حدیث شریف میں آتا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: جس نے عشاء کی نماز جماعت کے ساتھ ادا کی گویا اس نے آدھی رات عبادت میں گذاری اور جب صبح کی نماز جماعت کیساتھ پڑھی تو گویا اس نے ساری رات عبادت کی۔ (یعنی آدھی رات عشاء کی نماز سے اور آدھی رات فجر کی نماز سے ہوئی) اور جس نے رمضان کے روزے رکھے اور اس کے بعد شوال کے چھ روزے رکھے تو گویا اس نے عمر بھر کے روزے رکھے۔ اسی طرح دوسری حدیث میں ہے کہ جس نے سورۃ اخلاص کی تلاوت کی گویا اس نے ایک تہائی قرآن تلاوت کیا۔

تو ظاہر ہے کہ یہاں ان اعمال کو بجا لانے والے کا ثواب مشبہ بہ کے ثواب تک نہیں پہنچ سکتا اگر مقدار ثواب میں دونوں یکساں ہوں تو عشاء اور فجر جماعت کے ساتھ پڑھنے والے کو تہجد اور قیام اللیل کی مشقت اٹھانے کی کیا ضرورت ہے۔ یہ بات اصل میں فہم و ادراک کی ہے۔

ایمان کے بعد اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی نعمت قرآن و حدیث کا فہم ہی ہے۔اور یہ فضل خداوندی ہے جسے عطا فرما دے۔

اگر یہ کہا جائے کہ قرآن کریم میں ایک نفس کے قاتل کو سارے لوگوں کے قاتل کے مشابہ قرار دینے کی وجہ کیا ہے؟

جواب:

اس کی متعدد وجوہ ہیں: یہ دونوں (ایک کا قاتل، اور سب کا قاتل) اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نافرمان اور ان کے حکم کے خلاف ورزی کرنے والے ہیں۔

دونوں اللہ تعالیٰ کے غضب اور اس کی لعنت کے مستحق ہیں اور خلود فی النار میں دونوں برابر کے شریک ہیں۔ دونوں کے لئے عذاب عظیم مقرر ہوا ہے۔ البتہ قتل کی سزا و عقوبت کے مراتب و کیفیات مختلف ہیں۔ چنانچہ عادل بادشاہ، متقی اور عالم باعمل کے قاتل اور عام آدمی کے قاتل کے عذاب کی کیفیات میں یقیناً فرق ہوگا۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ ناحق خون بہانے میں دونوں برابر ہیں۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ ناحق خون بہانے پر جسارت کے اعتبار سے دونوں یکساں ہیں۔ اس لئے کہ محض فساد یا حصول مال کی غرض سے ایک جان کے مارنے پر جرأت کرنے والا ہر اس آدمی کے قتل کی جرأت کرے گا جس پر اس کی قدرت چلے وہ

تو نوعِ انسانی کا دشمن ہے۔

ان وجوہات کے علاوہ ایک وجہ یہ بھی ہے کہ جیسے تمام لوگوں کے قاتل کو قاتل، فاسق، ظالم کے ناموں سے موسوم کیا جاتا ہے اسی طرح ایک آدمی کے قاتل بھی انہی ناموں سے موسوم ہوتا ہے۔

تشبیہ کی ایک وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام مومنین کو آپس میں محبت و الفت کی بنا پر جسدِ واحد قرار دیا ہے لہٰذا جسم کے ایک عضو میں درد ہو تو جسم کے تمام اعضاء اس تکلیف میں اس کے شریک ہوتے ہیں اس کے ساتھ جاگتے ہیں لہٰذا قاتل نے اس جسدِ واحد سے ایک عضو کو تلف کیا تو گویا سارے جسم کو تلف کیا اور تکلیف و الم میں مبتلا کیا۔ تو جس نے ایک مؤمن کو نقصان پہنچایا گویا اس نے تمام مؤمنین کو نقصان پہنچایا۔ تمام مؤمنین کی تکلیف تمام لوگوں کی تکلیف ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ دوسرے لوگوں سے تکلیف کو ان کے درمیان مؤمنین کی وجہ سے ہٹاتے ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

﴿لا تقتل نفس ظلما بغير حق الا كان على ابن ادم الاول كفل من دمها لانه اول من سنن القتل﴾

''دنیا میں جو بھی ناحق قتل ہوگا وہ قابیل (ابن ادم) کو بھی اس سے حصہ ملتا ہے کیونکہ سب سے پہلے قتل کی رسم کو اسی نے ایجاد کیا'' (بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی)

یہ سخت وعید سب سے پہلے زنا کرنے والے، سب سے پہلے چوری کرنے والے، سب سے پہلے شراب نوشی کرنے والے کے لئے نہیں آئی اور نہ ہی سب سے پہلے شرک کرنے والے کے لئے یہ وعید ہے۔ حالانکہ سب سے پہلے شرک کرنے والا

قاتل کے مقابلے میں اس وعید کا زیادہ مستحق تھا اس لئے کہ اس نے سب سے پہلے شرک ایجاد کیا یہی وجہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرو بن لحی خزاعی کو جہنم میں سخت ترین عذاب میں مبتلا پایا کیوں کہ دین ابراہیمی میں تغیر سب سے پہلے اسی نے پیدا کیا تھا اور اللہ تعالیٰ نے بھی فرمایا:

﴿وَ لَا تَكُوْنُوْٓا اَوَّلَ كَافِرٍۭ بِهٖ﴾

''اس کے سب سے پہلے منکر تم نہ بنو'' (بقرہ:۴۱)

اس لئے کہ اگر ایسا ہوگا تو بعد میں آنے والے لوگ تمہارے نقش قدم پر چل کر خراب ہو جائیں گے یہی حکم دین میں بدعت ایجاد کرنے کا ہے۔

ترمذی شریف میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مروی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانِ مبارک منقول ہے: قیامت کے دن مقتول اللہ تعالیٰ کے دربار میں اس حالت میں حاضر ہوگا کہ اس کی رگوں سے خون بہہ رہا ہوگا اور قاتل کی پیشانی پکڑ کر کہہ رہا ہوگا یا رب! اس سے پوچھیے اس نے مجھے کیوں قتل کیا تھا؟ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے قاتل کی توبہ کے متعلق لوگوں نے پوچھا تو قرآن کریم کی یہ آیت تلاوت فرمائی:

﴿وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ ، جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيْهَا﴾ (النساء:۹۳)

''جو کسی مؤمن کو جان بوجھ کر قتل کرے تو اس کی سزا جہنم ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا۔''

اس آیت کی تلاوت فرمانے کے بعد فرمایا: یہ آیت نہ منسوخ ہوئی ہے نہ اس میں کوئی تبدیلی آئی ہے تو توبہ کہاں سے؟

اور ترمذی ہی میں حضرت نافعؒ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں: ایک مرتبہ

حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے کعبہ کی طرف دیکھ کر فرمایا: تیری عزت و حرمت کتنی عظیم الشان ہے۔ مگر مؤمن کی حرمت اللہ تعالیٰ کے ہاں تجھ سے بھی زیادہ ہے۔ اور صحیح بخاری میں حضرت سمرہ بن جندبؓ سے مروی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمام بدن سے پہلے انسان کا پیٹ بدبودار اور متعفن ہوتا ہے۔ اپنی گنجائش کے بقدر حلال رزق کھانے کی کوشش کرو۔ نیز اپنے اور جنت کے درمیان ایک مٹھی بھر خونِ ناحق حائل نہ ہونے دو۔

بخاری ہی میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: مسلمانوں کو ہر وقت نیک اعمال اور دینی کشادگی ہوتی رہتی ہے جب تک ناحق قتل نہ کرے۔

بخاری ہی میں حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے۔ سب سے بڑی آفت جس سے خلاصی دشوار ہے ناحق قتل ہے۔ جو کسی صورت میں بھی حلال نہیں ہے۔

بخاری و مسلم میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے: ''مسلمان کو گالی دینا فسق اور اس کو قتل کرنا کفر ہے''۔

بخاری و مسلم ہی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان مبارک ہے:

''تم میرے بعد ایک دوسرے کو قتل کر کے کہیں کفر کی طرف نہ لوٹ جانا''

اور بخاری شریف میں فرمان نبوی ہے: ''جو شخص کسی معاہد (کافر ذمی) کو قتل کرے گا وہ جنت کی خوشبو سے بھی محروم ہوگا حالانکہ جنت کی خوشبو کی مہک چالیس سال کی مسافت تک جاتی ہے۔

ذرا غور فرمایئے یہ اللہ کے دشمن کافر ذمی کو قتل کرنے کی اتنی سخت سزا ہے تو اللہ پر ایمان لانے والے مومن بندے کو قتل کرنے کی سزا کتنی سخت ہوگی۔ ایک عورت ایک بلی کو محبوس کر کے مار دینے کی پاداش میں جہنم میں داخل ہو سکتی ہے جسکو رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ وہ بلی اس کے چہرے اور سینے کو نوچ رہی تھی، تو ایک بلی کو مارنے کی یہ کیفیت ہے تو ایک مومن بندے کو قید کر کے مارنے کی عقوبت و سزا کتنی سخت ہوگی۔

سنن کی کسی کتاب میں ہے: کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مومن کے ناحق قتل کے جرم میں ساری دنیا کا تباہ و ہلاک ہونا آسان معاملہ ہے۔

زنا کا گناہ:

زنا کے مفاسد اور خرابی بھی بہت سخت ہے۔ حفظِ انساب کے عالمی نظام میں خلل زنا ہی کی وجہ سے واقع ہوتا ہے۔ اور یہ عزت کی حفاظت، شرم گاہ کی حرمت کا سخت منافی ہے۔ اور آپس کی عداوتوں کا پیش خیمہ ہے اور سبب عظیم ہے۔ اسی وجہ سے عالم میں بدامنی اور خرابی پھیل جاتی ہے۔ اور سخت ترین گناہ ہونے کے اعتبار سے قتل کے قریب تر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن وسنت میں قتل کے ساتھ ساتھ زنا کا ذکر ہے جو سابق میں مذکور ہوا ہے۔

حضرت امام احمدؒ فرماتے ہیں: میں نہیں سمجھتا کہ قتل کے بعد اور کوئی گناہ زنا سے بڑھ کر ہو۔ اللہ تعالیٰ نے زنا کی حرمت کو اپنے اس فرمان میں بیان فرمایا ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا آخَرَ وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُوْنَ، وَ مَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ اَثَامًا، يُضَاعَفْ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَ يَخْلُدْ فِيْهِ مُهَانًا اِلَّا مَنْ تَابَ﴾ (الفرقان: ۶۸، ۶۹)

"اور وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو نہیں پکارتے اور قتل نہیں کرتے اس جان کو جس کے قتل کو اللہ نے حرام کیا مگر حق

کے ساتھ۔ اور زنا نہیں کرتے۔ جو ایسا عمل کرے گا سخت
گناہوں سے دوچار ہوگا۔ قیامت کے دن اس کا عذاب دوگنا
کردیا جائے گا جس میں ذلت کے ساتھ ہمیشہ رہے گا الا یہ کہ
توبہ کرلے۔"

تو دیکھئے کہ آیت میں زنا کو قتل اور شرک کے ساتھ ملایا گیا۔ اور اس کی سزا دوگنی بتائی گئی جسے وہ ہمیشہ بھگتتا رہے گا اگر اس گناہِ عظیم سے توبہ نہ کی۔

اور اگر توبہ، ایمان اور عملِ صالح سے کام لیا تو یہ سزا اس سے رفع ہوسکتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰىٓ اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَّسَآءَ سَبِيْلًا﴾

(بنی اسرائیل: ۳۲)

"زنا کے قریب تک مت جاؤ، اس لئے کہ وہ فحش اور برا راستہ ہے۔"

زنا ایک قبیح ترین اور حد درجہ فحش کام ہے۔ جس کی برائی ہر ایک کے نزدیک مسلم ہے حتیٰ کہ حیوانات بھی اسے برا سمجھتے ہیں۔ جیسا کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے عمرو بن میمون اودی کے حوالے سے ایک واقع نقل کیا ہے۔

انہوں نے فرمایا: ایک مرتبہ میں نے دیکھا کہ ایک بندر نے بندریا سے زنا کیا تو وہاں بہت سارے بندر جمع ہو گئے اور ان دونوں کو سنگسار کرتے رہے یہاں تک کہ دونوں مر گئے۔

آیت کے آخر میں اسے "سَاءَ سَبِيْلًا اور بری راہ" سے تعبیر کیا گیا۔

اس لئے کہ یہ دنیا میں ہلاکت، محتاجی و مفلسی کا باعث اور آخرت میں

عذاب و پریشانی رسوائی کا سبب ہے۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے انسان کی فلاح و بہبودی کو عفت و پاکدامنی کے ساتھ متعلق کیا ہے چنانچہ عفت و پاکبازی کے بغیر فلاح کی کوئی صورت نہیں۔

فرمان الٰہی ہے:

﴿قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلٰوتِهِمْ خٰشِعُوْنَ ○ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ، وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ ○ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ اِلَّا عَلٰى اَزْوَاجِهِمْ اَوْمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ﴾ (المؤمنون:۱-۶)

''ایمان والے یقیناً کامیاب ہوئے جو اپنی نمازوں میں عاجزی کرنے والے بھی ہیں اور بے فائدہ باتوں سے اعراض کرنے والے ہیں۔ اور جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں مگر اپنی بیویوں اور لونڈیوں پر۔ اس لئے اس پر کوئی ملامت نہیں ہے۔''

غور فرمایئے تو یہ آیت تین امور کو شامل ہے:

(۱) شرمگاہ کی حفاظت نہ کرنے والا ناکام ہے۔

(۲) وہ ملامت و مذمت کے قابل ہے۔

(۳) غلط کار اور ظلم و زیادتی کرنے والا ہے۔

چنانچہ کامیابی اس سے فوت ہوگی۔ عدوان ظالم کے القاب سے ملقب ہوگا۔ لوگوں کی ملامت و مذمت کا شکار ہوگا۔ تو لہٰذا زنا میں پڑ کر شہوت کو پورا کر کے ان قباحتوں اور برائیوں کا شکار ہونے کے مقابلے میں شہوت کی مشکلات کو برداشت

کرنا بہت آسان ہے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے انسان کی کم ہمتی، بے صبری، اور بخیلی کی مذمت کی ہے اور ان میں سے نماز کی پابندی کرنے والوں اور پاکدامن اور عفت والوں کی تعریف ہے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم فرمایا کہ وہ مؤمن کو اپنی نگاہوں کو پست کرنے اور شرمگاہوں کی حفاظت کرنے کا حکم دے اور ان کو بتا دے کہ اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کو دیکھتا ہے۔ اور اس سے باخبر ہے۔

﴿یعلم خائنة الاعین و ما تخفی الصدور﴾(غافر:۱۹)

''وہ آنکھوں کی خیانت اور دل کے بھید جانتا ہے۔''

چونکہ زنا کی ابتداء نگاہ سے ہوتی ہے اسی لئے اللہ تعالیٰ نے شرمگاہ کی حفاظت کے لئے نگاہ نیچی رکھنے کا حکم صادر فرمایا۔ حوادث کا مبدء بھی نگاہ ہے جیسا کہ آگ کے الاؤ کا آغاز معمولی چنگاری سے ہوتا ہے۔

گناہ کا آغاز آنکھ سے ہوتا ہے پھر نظر پڑتی ہے۔ پھر اس کا خیال وتصور دل میں آتا ہے پھر اس کی طرف چل کر جانا پڑتا ہے پھر گناہ کا وقوع ہوتا ہے۔

کسی کا قول ہے: جس شخص نے چار چیزوں کی حفاظت کی اس نے اپنے دین کو محفوظ کیا۔

(۱) نگاہ (۲) خیالات

(۳) زبان (۴) چال چلن

تو انسان کے لئے ضروری ہے کہ ان چاروں دروازوں کی سخت نگرانی کرے اور ان کی سرحد کی خوب حفاظت ونگہبانی انتہائی تندہی سے کرے۔ کیونکہ

شہوت جیسا ظالم دشمن انہی چار دروازوں سے جسم کے محل میں گھس کر بربادی وتباہی مچا دیتا ہے۔

﴿فصل﴾

گناہوں کے دروازے:

انسان کے اندر اکثر گناہ انہی چار دروازوں سے داخل ہوتے ہیں۔ ہر ایک کو علیحدہ علیحدہ فصلوں میں بیان کریں گے۔

نگاہ:

نظر و نگاہ خواہشات نفسانی کی انتہائی تیز رفتار قاصد اور پیغام رساں ہے۔ نگاہ کی حفاظت دراصل شرمگاہ کی حفاظت ہے۔ جس نے اپنی نگاہ کو بے لگام چھوڑ دیا تو گویا اس نے اپنے نفس کو ہلاکت میں ڈال دیا۔

فرمان نبوی ہے۔

﴿لا تتبع النظرة النظرة، فانمالك الاولى وليست لك الا خره﴾

''پہلی نظر کے بعد دوبارہ مت دیکھو، پہلی جائز ہے اوردوسری حرام'' (ابوداؤد، ترمذی، مسند احمد)

مسند احمد میں آپ کا یہ قول مبارک منقول ہے:

﴿النظرة سهم مسموم من سهام ابليس فمن غضّ بصره عن محاسن امرأة لله اورث الله قلبه حلاوة الى يوم يلقاهُ﴾

''نگاہ ابلیس کے تیروں میں سے ایک زہریلا تیر ہے۔ جو شخص

محض اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے عورت کے محاسن سے نگاہ کو بچا لیتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ اس کے دل میں تاحیات حلاوت ڈال دیتے ہیں"۔ (حاکم، طبرانی، الترغیب والترہیب)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ اپنی نگاہیں نیچی رکھو اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرو۔ اور فرمایا: سرِ راہ بیٹھنے* سے بچو، صحابہ نے عرض کیا یارسول اللہ بعض دفع ان میں بیٹھنا ناگزیر ہوتا ہے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر بیٹھنا ہی ہے تو راستے کے حقوق ادا کرو۔ صحابہ نے عرض کیا یارسول اللہ راستہ کا کیا حق ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ غضّ البصر، و کف الاذی، وردّ السلام یعنی نگاہ نیچی رکھنا، ایذاء رسانی سے باز رہنا، سلام کا جواب دینا۔

انسان کو پہنچنے والے مصائب کی اصل بنیاد نگاہ ہے۔ اس لئے پہلے نگاہ پڑتی ہے جس سے دل میں خیالات پیدا ہوتے ہیں پھر خیالات فکر میں تبدیل ہوتے ہیں اور فکر سے شہوت جنم لیتی ہے، شہوت و خواہشات سے ارادے پیدا ہوتے ہیں۔ پھر ارادہ پختہ ہو کر عزم کی صورت اختیار کر جاتا ہے۔ عزم پختہ ہو اور کوئی مانع نہ ہو تو ارادے کی تکمیل کی صورت میں فعل وقوع پذیر ہوتا ہے۔ اسی بنا پر کسی نے کہا: نظر بازی سے پیدا شدہ تکالیف سہنے کی بنسبت نگاہ کو نیچے رکھنے کی بے قراری سہل و آسان ہے۔

کسی شاعر کیا خوب کہا ہے:

كل الحوادث مبدأها من النظر — و معظم النار من مستصغر الشرر

تمام مشکلات کا پیش خیمہ نگاہ ہے — اور آگ کا الاؤ چھوٹی سی چنگاری ہوتا ہے

كم نظرة بلغت من قلب صاحبها — كمبلغ السهم بين القوس والوتر

بہت سی نظریں نظر باز کے دل پر — تیر کی طرح پیوست ہوتی ہے

والعبد مادام ذا طرف يقلبه — في اعين الناس موقوف على الخطر

انسان جب تک لوگوں سے آنکھیں لڑاتا رہتا ہے معرض ہلاکت میں کھڑا رہتا ہے

یـزی مـقـلـتـه مـا ضـر مـهـجـتـه لا مـرحـبـا بـسـرور عـاد بـالـضـرر

آنکھیں جو دیکھتی ہیں اس سے روح کو نقصان پہنچتا ہے وہ کیف و سرور ہی کیا ہے جس میں ضرر کا اندیشہ ہو۔

آفاتِ نگاہ:

نگاہ کی آفت یہ ہے کہ اس سے دل میں حسرت و ندامت سوزش وجلن اور آہ و فغاں پیدا ہوتے ہیں۔ بسا اوقات انسان کی نگاہ ایسی چیز پر پڑتی ہے جس کے حصول سے بالکل عاجز ہوتا ہے اور مذکورہ حالات دل میں پیدا ہوتے ہیں۔ اس سے سخت عذاب و الم میں مبتلا ہوتا ہے۔ ایسی چیزیں دیکھنا چاہتا ہے جن کے حصول کی طاقت نہیں رکھتا نہ اس پر صبر و قناعت کرسکتا ہے۔ ایسے ہی شخص کے بارے میں کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

وكنت متى ارسلت طرفك رائدا لقلبك يوما اتعبتك المناظر

جب تو نے اپنی نگاہ کو دل کا قاصد پیامبر بنا کر بھیج دیا تو اس کے مناظر کسی بھی وقت تجھے مشقت وتھکاوٹ سے ضرور دوچار کریں گے۔

رأيت الذى لا كله انت قادر عليه ولا عن بعضه انت صابر

اور ایسی چیز دیکھو گے جس کے تمام پر تو قادر نہ ہوگا اور نہ بعض پر صبر کی طاقت ہوگی

یہ شعر تشریح طلب ہے۔ یعنی تو ایسی چیز کا نظارہ کرے گا نہ اس کے حصول پر قادر اور نہ ہی عدم حصول پر صبر کرنے کی ہمت ہوگی۔ یہاں ''لا کله'' میں کل کی نفی اس کے تمام جزئیات کی نفی ہے۔

بہت سے نظر سے نشانے بازی کرنے والے ایسے بھی ہوتے ہیں کہ نظر کا

تیر نشانے میں پہنچنے سے پہلے خود صاحب نظر قتل ہو کر خون میں لت پت ہو جاتا ہے۔

جیسا کہ شاعر نے کہا:

یاناظرا، ما اقلعت لحظاته   حتی تشحط بینھنّ قتیلا

اے نظر کے تیر برسانے والے! تیری نظر کے تیر نشانے پر لگنے سے پہلے تو خود مقتول ہو کر خون سے لت پت ہوگا۔

اسی مضمون کے خود میرے بھی کچھ اشعار ہیں:

ملاحظہ کیجئے:

ملّ السلامة فاغتدت لحظاته   و قفا علی طلل یظنّ جمیلا

مازال یتبع اثر لحظاته   حتی تشحط بینھن قتیلا

ترجمہ: وہ اپنی سلامتی سے اکتا جاتا ہے۔ پرانے کھنڈرات پر نظر جما کر اسے خوبصورت سمجھتا رہتا ہے اور اپنی نظر کے نشانات پر مسلسل نظر جماتا رہتا ہے یہاں تک کہ نظروں کے تیروں سے مقتول ہو کر خون میں لت پت ہو جاتا ہے۔

تعجب کی بات تو یہ ہے کہ نظر کا تیر منظور الیہ تک پہنچنے سے پہلے واپس آ کر خود دیکھنے والے کے دل پر پیوست ہو جاتا ہے۔ اسی کے متعلق بھی میرے کچھ اشعار ہیں:

یارا میا بسھام اللحظ مجتھد   انت القتیل بما ترمی فلاتصب

یا باعث الطرف یرتاد الشفاء له   احبس رسولك لا یاتیك بالعطب

محنت و کوشش سے نظر کے تیر پھینکنے والے! تیرا تیر نشانہ ٹھیک نہیں ہے اس لئے کہ اس تیر کا تو خود مقتول ہے اے شفاء کے تلاش میں نگاہ کو بھیجنے والے!

اپنے قاصد کو روک دو کہیں تمہیں ہلاک نہ کر دے اس سے بھی عجیب بات یہ ہے کہ

بدنظری کے تیر خود اسی کے دل کو زخموں پر زخم کرتے جاتے ہیں مگر وہ پھر بھی اس سے باز نہیں آتا۔

اس کے متعلق بھی میرے چند اشعار ملاحظہ کیجئے:

مازلت تتبع نظرة فی نظرة فی اثر کل ملیحة و ملیح

تظن ذاك دواء جر حك و هو فی الـ تحقیق تجریح علی تجریح

فذبحت طرفك باللحاظ و بالبكاء فالقلب منك ذبیح ای ذبیح

تو ہر خوبصورت چہرے کو دیکھ کر اسے اپنے زخم کی دواء سمجھتا ہے۔ حالانکہ وہ مزید زخموں پر زخم کرتا ہے۔ تو نے آنکھوں سے تک تک کر انہیں کو بیمار کر دیا ہے اور اپنے دل کو سخت زخمی کر دیا ہے۔ کسی بزرگ کا مقولہ ہے:

ایک دفعہ نظر کو بچانا مسلسل حسرتوں اور تکلیفوں میں مبتلا ہونے سے بہت آسان ہے۔

قلبی خیالات:

دلی خیالات کا معاملہ ذرا مشکل معاملہ ہے۔ اس لئے کہ یہی خیر و شر اور نیکی و بدی کے پیدا ہونے کا مقام ہے۔ اسی سے ارادے، عزم و ہمت پیدا ہوتے ہیں۔ چنانچہ جس نے اپنے خیال کی حفاظت کی گویا اس نے نفس کی لگام کو اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ اور اپنی خواہشات کو قابو کر لیا۔ اور جس کے خیالات اس کے قابو سے باہر ہو گئے تو اس کی خواہشات نفسانی اس پر غالب آجائیں گی۔

جو خیالات کو معمولی سمجھے گا تو وہ اس کو ہلاکتوں کی طرف کھینچ لے جائیں

گے۔ اور یہ خیالات دل پر بار بار وارد ہو کر ناجائز تمناؤں کی صورت اختیار کر جاتے ہیں۔ ''جیسے کسی صحراء میں چمکتی ریت ہو جسے پیاسا پانی تصور کرے جب اس کے پاس آئے تو کچھ بھی نہ پائے'' (النور:۳۹)

سب لوگوں سے کم ہمت اور خسیس انسان وہ ہے جو حقیقت کو چھوڑ کر جھوٹی تمناؤں اور خیالی امنگوں پر خوش ہو۔ اور انہی تمناؤں کو اپنے دل کی زینت بنائے۔ خدا کی قسم یہی باطل امنگیں مفلس تاجروں کا سرمایہ ہیں اور یہی جھوٹے خیالات پر گذر بسر کرنے والے ہمت سے خالی لوگوں کی ذہنی خوراک ہے۔ جیسا کہ کسی شاعر نے کہا

امانی من سعدی رواء علی الظما　　سقتنا بها سعدی علی ظما بردا

منی ان تکن حقا تکن احسن المنی　　والافقد عشنابها زمنا رغدا

ہماری ارمانیں تھیں کہ سعدیٰ ہماری پیاس بجھائے گی مگر اس نے تو ہماری پیاس پر اولے برسائے۔ آرزوئیں اگر حق ہوں تو مقاصد بھی اچھے ہوتے ہیں ورنہ صرف ان کے خیال میں مدتوں خوش رہتے ہیں۔ خالی خولی تمنائیں انسان کے لئے سخت نقصان دہ ہیں۔ اس لئے کہ عجز، سستی، کم ہمتی، حسرت و ندامت انہی خالی آرزوؤں کی پیداوار ہیں۔ آرزو اور تمنا کرنے والا حقیقی زندگی سے خالی و عاری ہوتا ہے تو اس کے دل پر اس زندگی کی صورت خیالیہ سما جاتی ہے۔ تو وہ اس خیالی زندگی کو گلے لگا لیتا ہے تو اس پر مزید فکری وخیالی صورتوں کے دروازے کھل جاتے ہیں۔ جو اس کے لئے قطعاً کوئی سودمند نہیں ہوتے۔

اس کی بالکل ایسی مثال ہے جیسا کہ بھوکا پیاسا کھائے پیئے بغیر صرف کھانے پینے کی صورت کا خیال جمائے بیٹھے اور اور اسی پر قناعت کرے یہ سستی، کم ہمتی، خست و کمینہ پن کی علامت ہے۔

نفس کی شرافت، پاکیزگی، طہارت اور بلند ہمتی اپنے اندر پیدا ہونے والی

بے حقیقت آرزو اور خیالات کو دل سے دور کرنے میں مجرب ہے۔

قلبی خیالات کی قسمیں:

آرزوؤں کی قسمیں تو بہت ساری ہیں مگر سب کی سب چار اصولوں پر دائر ہیں۔

(۱) وہ خیالات جن سے دنیاوی منافع جات حاصل کئے جائیں۔

(۲) وہ خیالات جن کے ذریعے دنیاوی نقصان کا دفاع کیا جائے۔

(۳) وہ خیالات جن کے ذریعے آخرت کے مصالح حاصل کئے جائیں۔

(۴) وہ دلی تصورات جن کے ذریعے آخرت کے نقصانات سے بچا جاسکے۔

تو انسان کو چاہیئے اپنے تمام خیالات کو ان چار قسموں کے اندر محصور کر دے جب انسان اپنے تمام خیالات وتمناؤں کو اگر ان چار پر منحصر کر یگا تو دوسرے غلط خیالات سے چھٹکارا نصیب ہو سکے گا۔

اگر بہت سارے خیالات کا دل پر ہجوم ہو جائے تو سب سے اہم خیال جس کے فوت ہونے کا خطرہ ہو مقدم کرے اور غیر اہم کو مؤخر۔ باقی رہ گئیں یہ دو قسمیں (۱) اہم جو فوت نہ ہونے والے ہوں (۲) فوت ہونے والے غیر اہم خیالات۔

ان میں سے ہر ایک کو مقدم کرنے کا داعیہ ہے تو ایسی صورت میں انسان تردد اور حیرت میں پڑتا ہے۔ اگر اہم کو مقدم کرتا ہے تو دوسرے اچھے خیالات میں محو ہونے کا اندیشہ ہے اگر دوسروں کو مقدم کرتا ہے تو اہم خیالات کے فوت ہونے کا خطرہ ہوتا ہے۔ تو اس طرح بعض دو ایسے کام پیش ہوتے ہیں جو دونوں کو اکٹھے نہیں کر سکتا۔ ایک کو کرتا ہے تو دوسرا فوت ہو جاتا ہے دوسرے کو انجام دیتا ہے تو پہلا ہاتھ سے چھوٹ جاتا ہے تو اس وقت عقل وفہم اور عمل ومعرفت سے کام لیا جاتا ہے۔ یہی موقع

ہے کہ انسان صحیح و درست فیصلہ کر کے کامیابی و کامرانی سے ہم کنار ہوتا ہے یا غلط فیصلہ کر کے خائب و خاسر اور ناکامی سے دوچار ہو جاتا ہے۔ اکثر لوگوں کو اس موقع پر دیکھا جاتا ہے کہ فوت نہ ہونے والے غیر اہم کام کو وہ ترجیح دے کر ختم ہونے والے اہم کام کو چھوڑ دیتے ہیں۔

اکثر لوگوں کو آپ اس غلطی سے بچتے نہیں دیکھیں گے۔

اس ذہنی کشمکش کے موقع پر اس اہم اصول اور قاعدہ پر عمل کیا جائے جس پر شریعت کا مدار ہے۔ وہ ہے دو کاموں اور دو مصلحتوں میں سب سے اہم ترین کام کو ترجیح دینا ہے اگر چہ اس سے کم تر مصلحت فوت کیوں نہ ہو جائے۔ اس لئے کہ بڑی مصیبت سے بچنے کے لئے چھوٹی مصیبت کو برداشت کیا جاتا ہے۔ چھوٹی مصلحت فوت ہوگی تو بڑی مصلحت حاصل ہو جائے گی۔ ایک مفسدے کا ارتکاب کر کے عظیم فساد سے بچا جا سکتا ہے۔ ایک عقل مند وزیرک انسان کی فکر ونظر اور بصیرت کا یہی محور ہے شریعت کا بھی یہی حکم ہے۔ دنیا و آخرت کی ساری مصلحتیں بھی اس اصول پر قائم ہیں۔ اور سب سے اعلیٰ و اعظم فکر وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے اور آخرت کے لئے ہو۔ چنانچہ وہ سوچ جو اللہ تعالیٰ کے لئے ہو اس کی چند قسمیں ہیں۔

پہلی فکر:

قرآنِ کریم کی آیات اس کے متعلقات اور اس کے مراد کے پہچاننے کے بارے میں ہے۔ قرآن کا نزول بھی اسی لئے ہوا کہ اس پر غور وفکر کر کے اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کی جائے۔ صرف تلاوت کے لئے نہیں نازل ہوا بلکہ تلاوت بھی فہم قرآن اور تدبر فی القرآن کا ذریعہ و وسیلہ ہے۔

کسی بزرگ کا قول ہے: قرآن اس لئے نازل ہوا کہ اس پر عمل کیا جائے

مگر لوگوں نے صرف تلاوت کو معمول بنا کر رکھ دیا۔

دوسری فکر:

آنکھوں سے دیکھی جانے والی آیات (کائنات) پر غور و فکر کر کے اس سے عبرت حاصل کرنا ہے۔ اسی کے ذریعے اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات، حکمت و احسان، جود و سخا کی معرفت حاصل کی جائے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان آیات پر غور و فکر اور تدبر کرنے کی طرف رغبت دلائی ہے۔ اور ان سے غفلت برتنے والے کی مذمت کی ہے۔

تیسری فکر:

اللہ تعالیٰ کی نعمتوں اس کے احسانات، انعامات، مخلوق، انعامات الٰہی کے انواع، اسکی وسعت و مغفرت اور حلم کے اندر فکر و تدبر کرنا ہے۔ فکر کی یہ تینوں قسمیں دل میں اللہ تعالیٰ کی معرفت ان کی محبت اور خوف و رجاء پیدا کرنے میں اہم کردار ادا کرتی ہیں۔ اسی وجہ سے فکر آخرت کے ساتھ ذکر الٰہی بھی نصیب ہوتا ہے تو ''نور علی نور'' اور دل اللہ تعالیٰ کی معرفت سے معمور اور یاد الٰہی سے آباد ہو جاتا ہے۔

چوتھی فکر:

اپنے نفس کے عیوب اور اس کی کمزوریوں پر غور کرنا، اسکی آفات و مصائب سے باخبر ہونا ہے۔ ہر وقت نفس کا احتساب اور تنقید ایک عظیم الفائدہ عمل ہے۔ یہی خیر و برکت کا عظیم سبب ہے۔ نفس امارہ کی خواہشات کو دبانے میں اس کا بڑا ہاتھ ہے۔ نفس امارہ کے کمزور اور بے بس ہونے سے ہی نفس مطمئنہ کی زندگی پر مسرت اور شریف ہو جاتی ہے۔ اور تمام اعضاء جسم اور امور دل و دماغ پر اس کی حکمرانی چلتی ہے۔ اس کی حیات میں قوت پیدا ہوتی ہے جسم کے تمام کارندے اسکے تابعِ فرمان ہوتے ہیں۔

پانچویں فکر:

وقت کی ضرورت اور اس کی اہمیت پر غور وفکر کر کے اس کی اہمیت کو جاننا اور اپنی تمام کوششوں کو اسی کے لئے صرف کرنا۔ اللہ تعالیٰ کی معرفت سے سرشار اور حق شناس لوگ وقت کے پابند ہوتے ہیں۔ وقت کے ضیاع میں تمام منافع و مصالح کا ضیاع ہے کیونکہ تمام فوائد ومصالح وقت ہی کے مرہون منت ہیں۔ حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں: میں حضرات صوفیاء کرام کی صحبت عرصہ دراز تک رہا۔ جس کا نچوڑ صرف دو باتیں ہیں کہ۔

وقت ایک بے نیام تلوار ہے اگر تم اس سے کام نہیں لو گے تو وہ تمہیں بے کار کاموں میں لگا کر ہلاک کر دے گا۔

دوسری بات: یہ ہے کہ نفس کو حق کی بات پر لگا دو۔ ورنہ وہ تمہیں غلط راستوں میں ڈال کر ہلاک کر دے گا۔

آخرت کی ہمیشہ باقی رہنے والی زندگی کا توشہ بھی یہی وقت ہے، تکلیف و تنگی سے بھرپور زندگی کا سبب بھی یہی ہے۔ اور وقت کے ختم ہونے کی رفتار بادلوں کی رفتار سے بھی تیز تر ہے۔ لہٰذا وقت کا وہ حصہ جو رضاءِ الٰہی میں صرف ہو دراصل وہی وقت اس کی زندگی کا حصہ ہے۔ اس کے علاوہ دوسری مشغولیات میں صرف شدہ وقت حقیقت میں اس کی زندگی کے حصے میں شمار ہی نہیں ہے۔ اگرچہ سینکڑوں سال دنیا میں بسر کرے۔ رضاءِ الٰہی کے لئے وقت خرچ نہ کرنے والا گویا جانوروں کی سی زندگی گزار رہا ہے۔ اپنے تمام اوقات کو غفلت، خواہشات نفسانی کی تکمیل، بے کار تمناؤں اور آرزوؤں میں صرف کرنے اور خواب غفلت کو بہتر سمجھ کر زندگی گزارنے سے تو موت کئی گنا بہتر ہے۔

حتیٰ کہ نماز میں مصروف شخص کا وقت نماز میں اس وقت شمار ہوگا جس وقت حضور قلب سے نماز میں مشغول ہو۔ خلاصہ یہ ہے کہ آدمی کی حقیقی زندگی وہ ہے جو اللہ

تعالیٰ کو راضی کرنے اور اسی کے لئے صرف ہو۔ بس یہی افکار کام کے ہیں۔ مذکورہ افکار و خیالات کے علاوہ تمام خیالات و تصورات، خطرناک شیطانی وساوس اور بے حقیقت تمنائیں ہیں۔ دیوانگی ہے، جب حقیقت کھل جائے گی تو زبان حال سے یہی کہے گا۔

اگر تمہارے ہاں میری محبت کا یہی مقام ہے تو میں نے اپنی زندگی برباد کر دی وہ صرف خواہش تھی جس نے چند لمحے میں مجھے تسکین دی اور آج میں اس زندگی کو محض خواب وخیال ہی سمجھ رہا ہوں۔

اور یہ بھی ذہن نشین کر لیں کہ ان وساوس کا صرف دل پر آنا اور جانا نقصان دہ نہیں ہے البتہ ان کو دل کے اندر جمانا اور دل کے اندر جگہ دینا ضرر رساں ہے۔ دل پر آنے والے وساوس وتفکرات کی مثال ایک مسافر کی سی ہے کہ اگر اس کو نہ بلایا تو وہ راہ چلتا جائے گا اور اگر تم نے اس سے دل چسپی لی اور اس سے ہم کلام ہوئے تو اندیشہ ہے وہ اپنی چرب لسانی سے تمہیں اپنے دامِ فریب میں گرفتار کر کے دھوکہ دے جائے گا۔ ایک خسیس اور باطل پرست قسم کے انسان کو یہ اوہام وافکار حقیر اور معمولی نظر آئیں گے مگر ایک شریف اور نفسِ مطمئنہ کے حامل شخص کو سخت ناگوار اور ضرر رساں نظر آئیں گے۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کے اندر دو متضاد چیزیں نفس مطمئنہ اور نفس امارہ پیدا فرما رکھی ہیں۔ چنانچہ ایک چیز اگر ایک کے لئے راحت، لذت اور خوشگوار ہو تو دوسری چیز اس کے لئے تکلیف دہ، تلخ اور ناگوار ہوگی۔ چنانچہ نیک اعمال اور رضاءِ الٰہی سے بڑھ کر دل اور نفس کو کوئی چیز تکلیف دہ اور ناگوار نہیں۔ اور خواہشات وشہوات سے بڑھ کر کوئی شئے اسے عزیز نہیں۔ اسی طرح بداعمال اور اللہ تعالیٰ کی ناراضگی سے بڑھ کر اور کوئی چیز ناپسند و ناگوار نہیں اور نیک اعمال اور ضاءِ الٰہی سے زیادہ کوئی عمل

مرغوب ومحبوب نہیں۔

دائیں جانب بیٹھا فرشتہ نفس مطمئنہ کی مدد اور بائیں طرف بیٹھا شیطان نفس امارہ کی تائید کرتا ہے۔ باطل صفت لوگوں کا میلان شیطان اور نفس امارہ کی طرف ہوتا ہے اور حق پرست نیک سرشت لوگ فرشتہ اور نفس مطمئنہ کو پسند کرتے ہیں۔ چنانچہ دونوں کی لڑائی رہتی ہے کبھی کسی کو اور کبھی کسی کو فتح نصیب ہوتی ہے۔

البتہ کامیابی کا دارومدار صبر پر ہے۔ چنانچہ جو شخص خود صبر کر کے دوسروں کو صبر کی تلقین کرتے ہوئے مخالف کے مقابلے کے لئے تیار رہتا ہے تو دنیا و آخرت میں کامیابی اسی کے حصہ میں آتی ہے۔ اور یہ فیصلہء قدرت بھی ہے کہ آخرت کا بہتر انجام پرہیز گاروں اور نیکوکاروں ہی کا مقدر ہے۔

دل ایک سادہ اور سفید تختی کی طرح ہے۔ افکار و احساسات اس تختی پر نقش ومکتوب ہوتے چلے جاتے ہیں۔ لہٰذا کسی ہوشیار اور فہیم آدمی کے لئے یہ مناسب نہیں کہ اس کی لوح دل پر جھوٹ، فریب اور بے حقیقت تمناؤں کا نقش ہو۔

ذرا غور سے کام لیں تو ان مذکورہ باتوں کے ساتھ علم وحکمت کی باتیں کیسے یک جا ہوسکتی ہیں۔ خلاصہ یہ کہ دل اگر غلط خیالات اور فضولیات سے پاک وصاف نہ ہو تو علم وحکمت کی صاف وپاک باتیں اس میں جمع نہیں ہوسکتیں۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر مرشدین نے اپنی تربیت کی بنیاد حفاظتِ خیالات پر رکھی ہے۔ جہاں تک گنجائش ہو غلط خیال کو صفحہ دل پر ہرگز آنے نہ دیا جائے۔ تاکہ دل حقائق ومعرفت کا مظہر بن جائے اور کشف و اسرار کے قابل ہو سکے لیکن ان حضرات سے اس معاملے میں غلطی بھی ہوئی ہے اور وہ یہ ہے کہ انہوں نے ایک چیز کی تو حفاظت کرائی مگر بے شمار چیزوں کو نظر انداز کر دیا۔ جب انہوں نے دلوں کو تمام آلائشوں اور تفکرات وخیالات سے خالی کر دیا تو شیطان نے اسے خالی پا کر مختلف طریقوں سے اس میں غلط چیزوں

کی تخم ریزی کی اور اسے یہ باور کرایا کہ یہی چیز سب سے اعلیٰ و اولیٰ ہے اور رشد و ہدایت کے افکار کے بدلے باطل چیزوں کو لا لاکر سامنے رکھ دیا۔

دل جب ستھرے تفکرات سے عاری ہوتا ہے تو شیطان اسے خالی پا کر صاحب دل کے مزاج و حالات کے مطابق اس پر اثر انداز ہوتا ہے۔ اور اس کو الجھا کر رکھ دیتا ہے۔ چنانچہ وہ ایسے خیالات و تصورات تو کیا سفلی جذبات پر بھی قادر نہیں ہو پاتا ہے۔ تو تجرید کے معاملہ میں الجھا کر اس عظیم خیال کی راہ میں رکاوٹ بن جاتا ہے جس کے بغیر اصلاح کی کوئی صورت نہیں ہو سکتی۔ وہ خیال اپنی توجہ اسلام کی طرف مبذول کراتا ہے جو اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہے۔ اسی طرح دل انسان کو اللہ تعالیٰ کی معرفت، پر عمل پیرا کرواتا اور دوسروں کو اس کی طرف دعوت دیتا ہے جب کہ شیطان انسان کو سیدھی راہ سے بھٹکانے اور گمراہ کرنے کی بھرپور سعی کرتا ہے۔ دنیا اور اس کے وسائل کے استعمال سے ہٹا کر تقشف کی زندگی گزارنے پر ترغیب دیتا ہے۔ دنیا اور اسبابِ دنیا سے نفرت پر اکسا کر یہی بات ان کے دلوں میں جاگزین کرتا ہے کہ دنیا سے فراغت ہی اصلاح کا کمال ہے۔ یہ بات ناقابل توجہ ہے۔ حالانکہ انسان کا کمال اسی میں ہے کہ اس کا دل و باطن حصولِ رضا الٰہی کے تصور و خیالات سے آراستہ و پیراستہ ہو اور منزلِ مقصود کو حاصل کرنے کا دل میں داعیہ ہو۔ لہٰذا انہی خیالات سے آراستہ و مزین انسان ہی سب سے افضل گردانا جاتا ہے جیسا کہ خواہشات نفسانی کا دل دادہ انسان ناقص ترین انسان سمجھا جاتا ہے۔

چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا دل اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کی تمناؤں سے ہر وقت معمور رہتا تھا۔ اور نماز کے اندر بھی ان ہی امور میں مشغول رہتے ہیں حتیٰ کہ لشکرِ اسلامی کی تیاری کا پروگرام ترتیب دیتے وقت بھی دل کا میلان رضاء الٰہی کی طرف ہے۔ یہ ایک وقت میں ایک عبادت کو دوسری عبادت میں شامل کر کے انجام دیتا ہے۔ یہ ایک عجیب طریقہ ہے اور ہر ایک کے بس کی بات نہیں بلکہ یہ ایک عالی

ہمت، علم و فضل سے شناسا اور صداقت و معرفت کے اعلیٰ معیار کا حامل انسان ہی ایک عبادت میں مشغول ہو کر کئی اور عبادات کی انجام دہی پر قادر ہوتا ہے۔ ذلك فضل الله يؤتيه من يشاء۔

زبان کی حفاظت:

زبان کی حفاظت یہ ہے کہ زبان سے کوئی بے فائدہ لفظ نہ نکلنے پائے۔ زبان سے ایسے کلمات نکالے جس میں دین و دنیا کا فائدہ ہو بات کرنے سے پہلے یہ سوچے کہ آیا یہ کلمات جو میں زبان سے نکال رہا ہوں ان میں فائدہ ہے یا نہیں؟ اگر اس میں کوئی فائدہ نہ ہو تو زبان کو روکے اور اگر ان کلمات کے کہنے پر کچھ نفع اور فائدہ ہے تو دیکھے آیا ان کلمات کو کہنے سے اس سے کوئی بہتر کلام جو زیادہ نفع بخش ہو ضائع تو نہیں ہو رہا۔ تو کم فائدے والا کلام کہہ کر زیادہ نفع بخش کلام سے محروم نہ ہو۔ چنانچہ اگر آپ کسی انسان کے دلی خیالات و تصورات معلوم کرنا چاہیں تو اس کی باتوں سے معلوم کرو۔ اس لئے کہ باتوں سے دل کی ترجمانی ہوتی ہے۔ حضرت یحییٰ بن معاذؒ فرماتے ہیں دل کی مثال ہانڈی کی سی ہے جو کچھ اس میں ہوتا ہے وہی اس سے ابلتا ہے۔ اور زبان کی مثال ہانڈی کا چمچہ ہے جو کچھ دل کی ہانڈی میں ہوتا ہے زبان کا چمچہ اس کو باہر نکالتا ہے۔

چنانچہ انسان جب بات کرے تو اس کی زبان کی طرف متوجہ ہو۔ اس لئے کہ دل کی ساری باتیں آپ کے سامنے لا کر رکھ دے گا۔ ترش و شیریں جیسی بھی ہوں۔ جس طرح تم برتن سے چمچہ کے ذریعے جو کچھ اس میں ہو نکال کر چکھ لیتے ہو اسی طرح زبان کے ذریعے کسی کے دلی حالات کا ذائقہ چکھ سکتے ہو۔

چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث میں ہے: ''انسان کا ایمان اس وقت تک درست نہیں ہوگا جب تک اس کا دل سیدھا نہ ہو۔ اور دل اس وقت درست نہ ہوگا جب تک اس کی زبان درست اور مستقیم نہ ہو۔''

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا انسان کو جہنم کی طرف سب سے زیادہ لے جانے والی چیز کیا ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

﴿الفم و الفرج﴾

''زبان اور شرم گاہ'' (کنز العمال)

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جنت میں داخل ہونے اور جہنم سے دور کرنے والے عمل کے بارے دریافت کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عمل کی اصل بتا دی۔ چنانچہ آپ نے فرمایا: کیا اس عمل کا اصل الاصول نہ بتادوں؟ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا۔ کیوں نہیں ضرور بتا دیجئے! تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبان مبارک پکڑ کر فرمایا "کف علیك هذا" ۔ ''اس کو قابو کرو''۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا۔ کیا ہم گفتگو کے سبب سے پکڑے جائیں گے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ثکلتك اُمُّكَ یامعاذ و هل یکبّ الناس علی وجوههم او علی مناخرهم الاحصائد السنتهم (ترمذی) اے معاذ تیری ماں تجھ پر روئے لوگوں کو چہروں کے بل جہنم میں ان کی زبان کی بے ضابطگیاں ہی گروائیں گی۔

عجیب بات تو یہ ہے کہ بعض لوگ حرام کھانے، ظلم، زنا، چوری، شراب نوشی، غیر محرم کی طرف دیکھنے وغیرہ گناہوں سے تو بآسانی بچ جاتے ہیں مگر زبان کی حرکت پر قابو پانا ان کے لئے سخت دشوار ہوتا ہے حتیٰ کہ بڑے متشرع، دیندار، زاہد اور عبادت گذار قسم لوگوں کو دیکھا جاتا ہے کہ وہ زبان سے ایسے ایسے الفاظ نکالتے ہیں کہ وہ اللہ

تعالیٰ کے غضب و ناراضگی کا ایسے سبب بنتے ہیں جو اللہ تعالیٰ سے بہت زیادہ دوری کا باعث بنتے ہیں۔

کتنے ہی دیندار لوگوں کو آپ دیکھیں گے جو فواحش اور ظلم سے خود کو بچاتے ہیں مگر ان کی زبانیں زندوں اور مردوں کی عزتوں کو یکساں داغ لگانے سے گریز نہیں کرتیں۔ اور یہ پرواہ نہیں کرتے کہ وہ کیا کہتے ہیں۔ اس سلسلے میں اگر مزید جاننا چاہتے ہیں تو صحیح مسلم کی اس روایت میں غور کرو جو حضرت جندب بن عبداللہؓ سے مروی ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ایک عابد شخص نے کہا: ''خدا کی قسم اللہ تعالیٰ فلاں شخص کو نہیں بخشیں گے'' تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: 'کون ہے جو میرے بارے قسم کھا کر کہتا ہے کہ میں فلاں کو نہیں بخشوں گا'' (تو سنو) میں نے اس شخص (فلاں) کو بخش دیا اور تیرے اعمال حبط کیے''۔

تو غور کیجئے اس عابد شخص نے اللہ تعالیٰ کی کتنی عبادت کی ہوگی مگر ایک جملہ نے ان تمام عبادات کو ختم کر کے رکھ دیا۔ اس قسم کا مضمون حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے: آخر میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں ''ایک کلمہ کہہ دیا جس نے اس کی دنیا و آخرت کو برباد کر دیا۔''

بخاری و مسلم میں ایک روایت آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی مضمون کی منقول ہے ''انسان کی زبان سے بسا اوقات اللہ تعالیٰ کی رضامندی کا کوئی کلمہ نکلتا ہے جس کے سبب اللہ تعالیٰ اس کے درجات کو بلند فرماتے ہیں اور بعض دفع ناراضگی کا کوئی کلمہ اس کے منہ سے نکلتا ہے جو جہنم میں گرانے کا باعث بنتا ہے اور بعض دفعہ بے باکی میں ایسی کوئی غلط بات زبان سے نکلتی ہے جس کی پاداش میں جہنم میں اتنا نیچے گرتا ہے جو مشرق و مغرب کے بعد سے بھی کئی گنا زیادہ ہوتا ہے۔''

اسی طرح ترمذی شریف میں ہے حضرت بلال بن حارثؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں: ''بعض دفعہ تم میں سے کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی رضامندی کا کوئی ایسا کلمہ زبان سے نکالتا ہے جس کی فضیلت کا اسے اندازہ نہیں ہوتا مگر اللہ تعالیٰ اسکے لئے قیامت تک اپنی رضا مندی لکھ دیتے ہیں اور بعض دفعہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک انسان اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا کوئی کلمہ منہ سے نکال بیٹھتا ہے کہ اس کو اس کا اندازہ تک نہیں ہوتا کہ وہ کیا کہہ بیٹھا ہے مگر اللہ تعالیٰ قیامت تک اس کے لئے اپنی ناراضگی لکھ دیتے ہیں۔''

حضرت علقمہؒ فرمایا کرتے تھے کہ بہت ساری باتوں سے بلال بن حارث کی حدیث نے مجھے روکا۔

اسی طرح جامع ترمذی میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے آپؓ فرماتے ہیں: ایک صحابی کا انتقال ہوا تو ایک شخص نے کہا۔ ''آپ کو جنت کی بشارت ہو'' تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ومایدریك؟ فلعه تكلم فيما لا يعنيه، او بخل بما لا ينقصه'' ''تمہیں کیسے پتہ چلا کہ وہ جنتی ہے ہوسکتا ہے کہ اس نے زبان سے کوئی فضول گفتگو کی ہو یا ایسی چیز سے بخل کیا ہو جس سے عام طور بخل نہیں کیا جاتا''۔

یہی مضمون دوسرے لفظوں میں یوں ہے۔ غزوۂ احد کے موقع پر ایک نوجوان کا انتقال ہوا تو دیکھا گیا کہ اس کے پیٹ پر بھوک کی وجہ سے پتھر بندھا ہوا تھا تو اس کی ماں اس کے چہرے سے گرد و غبار صاف کرتی ہوئی کہنے لگی ''میرے پیارے تجھے جنت کی خوشخبری ہو'' تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تجھے کیسے معلوم ہوا کہ یہ جنتی ہے؟ ہوسکتا ہے لایعنی و فضول بات اس کے منہ سے نکلی ہو یا کسی نقصان نہ دینے والی چیز کے بارے بخل کیا ہو۔

اسی طرح بخاری و مسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرفوعاً

روایت ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ''من کان یؤمن باللہ و الیوم الآخر فلیقل خیراً او لیصمت'' ''اللہ تعالیٰ اور قیامت پر ایمان رکھنے والے شخص کو چاہئے کہ نیکی وخیر کی باتیں کہے ورنہ خاموش رہے''۔

اور مسلم شریف میں دوسرے الفاظ میں یہی مضمون اس طرح آیا ہے: ''من کان یؤمن باللّٰہ والیوم الاخر فاذاشھدأ مرًا فلیتکلم بخیر او لیسکت'' ''جس کا اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان ہو اور کسی معاملے میں گواہی دے تو خیر کی باتیں کرے یا خاموش رہے''۔ اسی طرح ترمذی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان مبارک بھی نقل کیا ہے۔

''من حسن اسلام المرء ترکه مالا یعنیه'' (الحدیث): ''فضول ولایعنی باتوں اور کاموں کو چھوڑنا انسان کے بہترین مسلمان ہونے کی علامت ہے''۔

حضرت سفیان بن عبداللہ ثقفیؓ سے مروی ہے فرماتے ہیں: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا، یا رسول اللہ! مجھے اسلام کے متعلق ایسی بات بتا دیجئے کہ اس کے بعد مجھے کسی سے پوچھنے کی ضرورت نہ پڑے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

﴿قل أمنت باللّٰہ ثم استقم﴾

''کہہ دو میں اللہ تعالیٰ پر ایمان لایا پھر اس بات پر مضبوطی سے برقرار رہو''

پھر میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! ہمارے بارے آپ کو سب سے زیادہ کس چیز کا اندیشہ ہے؟ تو آپ نے اپنی زبان مبارک پکڑ کر فرمایا ''ھذا'' (یعنی اس زبان کو غلط استعمال کرنے کا اندیشہ ہے۔

حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان مبارک

نقل فرماتی ہیں:

﴿کل کلام ابن آدم علیہ لا لہ الا امرا بمعروف اونہیا عن منکر او ذکر اللہ عزّوجلّ﴾

''ذکر اللہ، امر بالمعروف یا نہی عن المنکر کے علاوہ انسان کا ہر کلام اس کے لئے وبال ہے'' (ترمذی)

ایک دوسری حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشادِ مبارک منقول ہے:

﴿اذا اصبح العبد فان الاعضاء کلھا تکفّر اللسان، فتقول: اتقّ اللّٰہ فینا فانما نحن بك فانِ استقمت استقمنا، وان اعوججت اعوججنا﴾

''جب صبح ہوتی ہے تو بدن کے تمام اعضاء زبان سے عرض کرتے ہیں۔ ہمارے بارے میں خدا تعالیٰ کا خوف کرو ہم تمہارے ساتھ ہیں۔ اگر تو سیدھی ہوگی تو ہم بھی سیدھے ہوں گے اور اگر تجھ میں کجی آجائے تو ہم میں بھی کجی آجائے گی''

اسلاف تو یہ ''آج کا دن گرم ہے'' یا ''آج کا دن ٹھنڈا ہے'' کہہ کر بھی اس پر اپنا احتساب کرتے ہیں۔

کسی بڑے عالم کو خواب میں دیکھا گیا اور ان سے دریافت کیا گیا۔ تیرے ساتھ کیا معاملہ ہوا تو کہنے لگے۔ مجھے صرف ایک بات پر روک لیا گیا وہ یہ کہ میں نے کہا تھا ''لوگوں کو بارش کی آج کل سخت ضرورت ہے'' مجھ سے فرمایا گیا ''کہ لوگوں کی مصلحتوں کے بارے تجھے کیا علم ہے اپنے بندوں کی مصلحتیں میں خود جانتا ہوں۔''

کسی صحابیؓ نے اپنی خادمہ سے کہا کہ دسترخواں لاؤ ذرا کچھ شغل و تماشا کریں۔ پھر فوراً استغفر اللہ کہا اور کہنے لگے۔ میں ہر بات احتیاط سے کرنے کی کوشش

کرتا ہوں مگر یہ کلمہ مجھ سے بے احتیاطی سے نکلا۔ بدن کے تمام اعضاء میں سب سے آسان زبان کی حرکت ہے مگر انسان کے لئے سب سے زیادہ نقصان دہ اور ضرر رساں بھی زبان ہی کی حرکت ہے۔ علماء کے درمیان اس پر بات پر اختلاف ہے کہ آیا انسان کے تمام ملفوظات لکھے جاتے ہیں یا صرف کلمات خیر یا صرف کلماتِ شر۔ لیکن راجح قول پہلا ہی ہے، کسی بزرگ کا قول ہے ''اللہ کی یاد اوراس کے متعلقات کے علاوہ انسان کے تمام کلام اس کے لئے وبال ہیں۔'' حضرت ابوبکرصدیق رضی اللہ عنہ اپنی زبان پکڑ کر فرماتے۔ ''اسی نے تو مجھے شدائد میں ڈال دیا ہے۔ تمہارا کلام تمہارے قبضے میں ہے اور جب تیرے منہ سے نکل جائے تو تو اس کے قبضے اور قید میں آجائے گا۔'' ہر بات کرنے والے پر اللہ کی طرف سے نگہبان موجود ہے۔

فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿مَا يَلۡفِظُ مِنۡ قَوۡلٍ اِلَّا لَدَيۡهِ رَقِيۡبٌ عَتِيۡدٌ﴾

''وہ نہیں تلفظ کرتا ہے مگر اس کے پاس ایک نگران تیار بٹھا ہے''

(ق:۱۸)

زبان کی دو بڑی آفتیں ہیں۔ ایک سے بچ جائے تو دوسری سے بچنا بے حد مشکل ہے۔

ایک بولنے کی آفت، دوسری خاموشی کی آفت۔ بسا اوقات ایک کا گناہ دوسرے سے بھی بڑھ جاتا ہے۔ چنانچہ حق سے خاموش رہنے والا گونگا شیطان ہے۔ اللہ تعالیٰ کا نافرمان اوردین کو ہلکا سمجھنے والا ریاکار ہوتا ہے۔ اور غلط بولنے والا شیطان، رحمٰن کا نافرمان ہوتا ہے۔ اکثر لوگ بولنے اور خاموش رہنے میں راہِ اعتدال سے منحرف ہوتے ہیں۔ اور کچھ لوگ بولنے اور خاموش رہنے میں اعتدال کے دامن کو تھامے رہتے ہیں۔

اور یہی لوگ راہِ مستقیم کے راہ رو ہیں جو اپنی زبانوں کو فضول بکواسات سے روکتے، اور آخرت میں نفع دینے والی باتوں پر اسے چلاتے ہیں۔ اس قسم کے لوگوں میں آپ کسی کو بھی کسی قسم کی فضول گوئی کرتے نہیں دیکھیں گے چہ جائے کہ وہ ایسے بول بولیں جو آخرت کے لئے نقصان دہ ہوں۔ بعض لوگ قیامت کے دن نیکیوں کے پہاڑ لے کر آئیں گے مگر دیکھیں گے کہ ان زبانوں نے انہیں برباد کر دیا ہو گا۔ اور بعض لوگ برائیوں کے انبار ساتھ لائیں گے مگر دیکھیں گے کہ زبان سے ذکر الٰہی کی کثرت نے ان برائیوں کو مٹا دیا ہوگا۔

قدم کی حفاظت:

قدم کی حفاظت یہ ہے کہ ہر اس کام میں قدم اٹھائے جس میں ثواب کی امید ہو۔ ثواب کے بغیر چلنے کے مقابلے میں بیٹھنا ہی بہتر ہے۔ انسان کے بس میں ہے کہ ہر جائز کام کی طرف قدم اٹھا کر چلنے کو نیت کے ذریعے تقرب الٰہی کا ذریعہ بنائے۔ لہٰذا نیت کے ذریعے ہر مباح قدم کو عبادت بنا سکتا ہے اور ہر قدم میں ثواب ہوگا۔

انسانی لغزشات دو طرح کی ہوتی ہیں۔

(۱) پاؤں کے ذریعے سرزد ہونے والی لغزشات

(۲) زبان سے سرزد ہونے والی لغزشات۔

اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس آیہء مبارکہ میں ان دونوں قسم کی لغزشات سے

حفاظت کو اکٹھا ذکر فرمایا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

﴿وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِیْنَ یَمْشُوْنَ عَلَی الْاَرْضِ هَوْناً وَ اِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلَاماً﴾ (الفرقان: ۶۳)

''اور رحمان کے بندے وہ ہیں جو زمین پر عاجزی کے ساتھ چلتے ہیں اور جب ان سے جہالت والے لوگ بات کرتے ہیں تو وہ رفع شر کی بات کہتے ہیں۔''

اللہ تبارک وتعالیٰ اس بات پر اپنے بندوں کی تعریف فرمارہے ہیں کہ وہ اپنی زبان اور قدموں کو غلط استعمال نہیں کرتے۔ اسی طرح ایک جگہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے آنکھوں اور دل کی خطاؤں کو اکٹھا ذکر فرمایا ہے۔ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿یَعْلَمُ خَآئِنَةَ الْاَعْیُنِ وَمَا تُخْفِی الصُّدُوْرُ﴾ (الغافر: ۱۹)

''وہ آنکھوں کی چوری جانتا ہے اور ان کو بھی جو سینوں میں پوشیدہ ہیں۔''

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔

﴿اکثر ما یدخل الناس النار الفم و الفرج﴾

''اکثر لوگ جہنم میں زبان اور شرم گاہ کے سبب داخل ہوں گے''

صحیحین میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

﴿لا یحل دم امرئ مسلم الا باحدی ثلاث۔ الثیب الزانی۔ والنفس بالنفس۔ و التارك لدینه المفارق للجماعة﴾

''تین قسم کے مسلمانوں کے علاوہ کسی مسلمان کو قتل کرنا جائز نہیں

ہے۔ شادی شدہ زانی، قاتل، اپنے دین کو چھوڑ کر مرتد ہونے والا‘‘ (صحیحین)

جیسے اس حدیث میں زنا، کفر اور قتل کو اکٹھا ذکر فرمایا ہے اسی طرح سورۂ فرقان میں بھی ان تینوں چیزوں کو اکٹھا ذکر کیا گیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں سب سے پہلے اس چیز کو ذکر فرمایا ہے جو بہ نسبت دوسری چیزوں کے زیادہ کثرت سے پائی جاتی ہے۔ اسی لئے سب سے پہلے زنا کو ذکر فرمایا کیونکہ وہ بہ نسبت قتل کے زیادہ عام ہے پھر آپ نے قتل کو ذکر فرمایا کیونکہ وہ بہ نسبت ارتداد کے زیادہ واقع ہوتا ہے۔ اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے زیادہ گناہ میں مبتلا ہونے والوں کا بہ تدریج ذکر فرمایا ہے۔

زنا ایک ایسا قبیح جرم ہے جس سے پوری دنیا کا نظام تہ و بالا ہو جاتا ہے۔ اگر عورت زنا کرائے تو اس کی شرم اس کا خاوند، بلکہ تمام گھر والے محسوس کرتے ہیں اور ان کے سر لوگوں کے سامنے ندامت سے جھک جاتے ہیں۔ اور اگر زنا سے حمل ہو جائے تو یا تو اس حمل کو ضائع کرایا جائے گا اس طرح زنا اور قتلِ اولاد کا دگنا گناہ ہوگا اور اگر زنا کے حمل سے بچہ پیدا ہو جائے جب کہ عورت شادی شدہ بھی ہو تو اس کا مطلب ہے کہ عورت نے اس گھر میں ایک ایسے اجنبی کو داخل کر دیا ہے جس کی گھر والوں سے کوئی رشتہ داری نہیں۔ یہ لڑکا ان کا وارث بھی بنے گا حالانکہ اس کا وراثت میں کوئی حق نہیں۔ یہ لڑکا گھر کی خواتین کو دیکھے گا، ان سے تنہائی اختیار کرے گا حالانکہ یہ جائز نہیں۔ اس قسم کی اور بھی بے شمار خرابیاں اس زنا سے لازم آئیں گی۔

اور اگر مرد زنا کرے تو اس سے بھی نسب میں اختلاط لازم آتا ہے، نیز پاکدامن عورت کی پاک دامنی کو ختم کرنے کی خرابی لازم آتی ہے۔ اور پھر اگر زنا سے حمل ہو جائے تو اسے ضائع کرنا پڑے گا یا پھر وہ خرابیاں لازم آئیں گی جو عورت کے

زنا کے بیان میں گذر چکی ہیں۔

الغرض زنا کا فعل شنیع دین و دنیا دونوں کی خرابی کا باعث ہے اور برزخ میں عذاب قبر کا سبب ہے۔ زنا کتنے نامحرموں کو محرم بنا دیتا ہے؟ کتنے حقوق کے ضیاع کا سبب ہے؟ اور کتنے مظالم کے وقوع کا باعث ہے؟ نیز اس کی ایک بہت بڑی خرابی یہ بھی ہے کہ اس سے انسان تنگ دستی اور کم عمری میں مبتلا ہوتا ہے اور لوگوں کے سامنے ذلیل اور روسیاہ ہوتا ہے۔ اس کی ایک یہ بھی خرابی ہے کہ یہ دل جمعی کے خاتمے کا سبب ہے بلکہ مردہ دلی اور بیماریٔ دل کا باعث ہے۔ اس سے غم، خوف اور حزن لاحق ہوتے ہیں۔ یہ غلیظ فعل انسان کو خدا تعالیٰ سے دور کر کے شیطان کے قریب کر دیتا ہے۔ زنا قتل کے بعد سب سے زیادہ خرابیوں کا باعث ہے اسی لئے شریعت نے اس کی یہی سزا تجویز کی ہے کہ زانی کو انتہائی دردناک اور وحشتناک طریقہ سے قتل کر دیا جائے۔ اگر کسی انسان کو علم ہو کہ اس کی بیوی یا اس کی رشتہ دار قتل کر دی گئی تو اسے اتنا افسوس نہیں ہوگا جتنا کہ اس بات کا ہوگا کہ اس کی بیوی یا کسی رشتہ دار عورت کے ساتھ زنا کیا گیا۔

ایک روز حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا اگر میں کسی انسان کو اپنی بیوی کے ساتھ مشغول دیکھ لوں تو اسے معاف نہیں کروں گا بلکہ اسے قتل کر دوں گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک جب ان کی یہ بات پہنچی تو آپؐ نے فرمایا:

﴿اتعجبون من غیرة سعد؟ واللّٰه لانا اغیر منه واللّٰه اغیر منی و من اجل غیرة اللّٰه حرم الفواحش ما ظهر منها و ما بطن﴾

''کیا تمہیں سعد کی غیرت پر تعجب ہو رہا ہے؟ خدا کی قسم میں سعد سے زیادہ غیرت مند ہوں اور اللہ تعالیٰ مجھ سے زیادہ

غیرت مند ہیں۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ظاہر اور پوشیدہ دونوں قسم کی برائیوں کو حرام قرار دیا ہے‘‘ (متفق علیہ)

صحیحین میں مذکور ہے:

﴿ان اللّٰہ یغار و ان المؤمن یغار و غیرۃ اللّٰہ ان یاتی العبد ما حرم علیہ﴾

’’بیشک اللہ تعالیٰ بھی غیرت والے ہیں اور مومن بھی غیرت مند ہے۔ اللہ کی غیرت یہ ہے کہ انسان اللہ کے حرام کردہ کاموں میں واقع ہو‘‘ (صحیحین)

صحیحین میں ایک اور حدیث ہے۔

﴿لا احد اغیر من اللّٰہ من اجل ذالك حرم الفواحش ما ظهر منها وما بطن و لا احد احب الیه العذر من اجل ذالك ارسل الرسل مبشرین و منذرین ولا احد احب الیه المدح من اللّٰہ ومن اجل ذالك اثنی علی نفسه﴾

’’کوئی بھی ذات اللہ تعالیٰ سے زیادہ غیرت والی نہیں۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ظاہری اور پوشیدہ دونوں برائیوں کو حرام قرار دیا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ سے زیادہ کوئی بھی عذر آوری پسند نہیں کرتا اسی لئے اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام علیہم السلام کو بشیر اور نذیر بنا کر بھیجا ہے۔ اور نہ ہی اللہ تعالیٰ سے زیادہ کسی کو تعریف پسند ہے اسی لئے اللہ تعالیٰ نے خود اپنی تعریف فرمائی ہے‘‘ (صحیحین)

صحیحین میں روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صلوٰۃ کسوف کے خطبہ

کے دوران ارشاد فرمایا: اے امت محمد! خدا کی قسم اللہ سے زیادہ کسی کو اس پر غیرت نہیں آتی کہ اس کا بندہ یا بندی زنا کرے۔ اے امت محمد! اگر تم وہ کچھ جان لو جو میں جانتا ہوں تو تم کم ہنسو اور زیادہ روؤ۔ پھر آپؐ نے اپنے دونوں ہاتھ بلند کئے اور فرمایا: اللھم ھل بلغت۔ اے اللہ کیا میں نے آپ کا حکم پہنچا دیا؟

نماز کسوف کے متصل بعد اس فعل قبیح کے ذکر کرنے میں اگر غور کیا جائے تو اہم نکتہ پنہاں ہے۔

زنا دنیا کی خرابی کی علامت اور قیامت کی نشانی ہے۔ جیسے کہ صحیحین میں حضرت انس بن مالک فرماتے ہیں۔ میں تمہیں ایسی حدیث سنا رہا ہوں جو تمہیں میرے بعد کوئی نہیں سنائے گا۔ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا کہ قیامت کی علامات یہ ہیں کہ علم اٹھا لیا جائے گا۔ جہالت ظاہر کر دی جائے گی، شراب پی جائے گی، زنا کیا جائے گا۔ مرد کم اور عورتیں زیادہ ہوں گی۔ یہاں تک کہ پچاس عورتوں کے لئے ایک ہی مرد ہوگا۔

اللہ تعالیٰ کا طریقہ یہی ہے کہ زنا کے وقت اللہ تعالیٰ شدید ناراض ہوتے ہیں۔ پس ہوسکتا ہے کہ اللہ کا غضب دنیا میں سزا کا باعث بن جائے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں۔ جس بستی میں بھی سود اور زنا کا وقوع ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی بربادی کا حکم دے دیتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے زنا کی تین حدود بیان فرمائی ہیں:

(۱) وحشتناک طریقہ سے قتل کرنا۔ اگر تخفیفاً قتل نہ کیا جائے تو دوہری سزا دی جاتی ہے۔ جسم کی سزا یہ ہے اسے کوڑے لگائے جاتے ہیں اور دل کی سزا یہ ہے کہ انسان کو ایک سال کے لئے جلا وطن کر دیا جاتا ہے۔

(۲) اللہ تعالیٰ نے دیگر مسلمانوں کو زانی پر رحم سے منع کیا ہے کہ کہیں رحم کے

سبب حد ہی قائم نہ کریں۔ جس خدا نے یہ سزا مقرر فرمائی ہے وہ سب سے زیادہ رحیم وکریم ہے جب اس کا رحم سزا میں رکاوٹ نہیں بنتا تو تمہاری رحمت و رافت بھی اقامت حدود میں مانع نہیں ہونی چاہیئے۔

یہ بات اگرچہ تمام حدود میں ضروری ہے مگر زنا میں اسے خاص طور سے ذکر کیا گیا کیونکہ لوگوں کے دلوں میں جتنی سختی چور، ڈاکو اور شرابی وغیرہ کے بارے میں پائی جاتی ہے اتنی زانی کے بارے میں نہیں پائی جاتی بلکہ لوگوں کے دلوں میں بخلاف دیگر مجرموں کے زانی کے بارے میں لچک پائی جاتی ہے۔ واقعات سے اس کا مشاہدہ ہوتا رہتا ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان پر رحم سے منع فرمایا ہے اور حکم دیا ہے کہ حد ضرور قائم کریں۔

زانی پر رحم کا سبب یہ بھی ہے کہ اس گناہ میں اچھے، برے اور متوسط ہر طبقہ کے لوگ مبتلا ہوتے ہیں۔ دل میں اس کام کی خواہش بھی زیادہ ہوتی ہے، اس میں ابتلاء بھی زیادہ ہوتا ہے، اکثر زنا عشق کے سبب ہوتا ہے اور دل میں عاشق پر رحم کا داعیہ ضرور پیدا ہوتا ہے۔ بہت سے لوگ عاشق کی مدد کو ثواب سمجھتے ہیں۔ اگرچہ محبوبہ کو دیکھنا شریعت میں جائز نہیں لیکن پھر بھی اسے اتنا معیوب نہیں سمجھا جاتا۔ بعض لوگ تو جانوروں کی طرح ہر قسم کی شرم بالائے طاق رکھ کر اس میں منہمک ہو جاتے ہیں۔ ہمیں بہت سی ایسی باتیں بتائی گئی ہیں جن سے زانیوں کی کم عقلی کھل کر سامنے آجاتی ہے۔

نیز یہ گناہ چونکہ جانبین کی رضامندی سے ہوتا ہے۔ اس میں ظلم اور تعدی نہیں کہ لوگ اس سے متنفر ہوں۔ انسان میں چونکہ شہوت کا مادہ موجود ہے اس لئے اسے زانی پر رحم آ سکتا ہے حتی کہ ہوسکتا ہے کہ یہ رحم اسے اقامت حد سے بھی روک دے۔ لیکن یہ تمام ایمانی کمزوری سے ہوتا ہے اور کمال ایمان یہ ہے کہ انسان میں اتنی

قوت ہو کہ اللہ کی حدود کو قائم کر سکے، اور رحم بھی ہو لیکن قوت اور رحم دونوں اللہ تعالیٰ کے حکم کے تابع ہوں۔

(۴) زانی پر حد لوگوں کی موجودگی میں قائم کی جائے نہ کہ تنہائی میں جہاں کوئی دیکھ ہی نہ سکے۔ کیونکہ حد کا تقاضا اور حکمت یہی ہے کہ لوگوں کے سامنے ہو تا کہ لوگ عبرت حاصل کریں۔

شادی شدہ زانی کو سنگسار کرنا قوم لوط کی سزا سے لیا گیا ہے کیونکہ زنا اور لواطت فحش ہونے میں برابر ہیں کیونکہ دونوں کام اللہ تعالیٰ کی تخلیقی حکمتوں کے خلاف ہیں۔

مفعول کو قتل کرنا ہی بہتر ہے تا کہ وہ دوبارہ ایسی حرکت نہ کر سکے کیونکہ وہ ایسی خرابی میں مبتلا ہے جس کے بعد بھلائی کی توقع نہیں کی جا سکتی۔ اس کی تمام بھلائی غارت ہو جاتی ہے زمین اس کے چہرے سے حیا کو چوس لیتی ہے۔ پھر اسے نہ خدا سے حیا آتی ہے اور نہ ہی مخلوق سے۔ اس کے دل اور روح میں فاعل کا نطفہ اتنا ہی نقصان دہ ہے جتنا کہ انسانی جسم کے لئے زہر۔

علماء کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ کیا مفعول جنت میں داخل ہوگا؟ اس میں دو قول ہیں میں نے شیخ الاسلام کو یہ بیان کرتے سنا فرماتے ہیں کہ جنت میں داخل نہیں ہوگا۔ ان کے دلائل مندرجہ ذیل ہیں:

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: لا یدخل الجنة ولد زینة[1] ولد زنا جنت میں داخل نہیں ہوگا جب ولد زنا کے بارے میں یہ ارشاد ہے جس کا کوئی گناہ نہیں لیکن اس کی بنیاد شر اور خباثت پر ہے اس لئے اس سے کبھی بھی بھلائی کی توقع نہیں کی جا سکتی کیونکہ وہ خبیث نطفہ کی پیداوار ہے۔ نیز جب حرام مال سے

اس حدیث کو امام احمد، دارمی، عبدالرزاق اور ابن حبان وغیرہ نے ضعیف اسناد کے ساتھ اسے ذکر فرمایا ہے۔ اس حدیث کے ظاہری معنی قرآن کریم کی اس آیت کے معارض ہیں ولا تزر وازرة و زر اُخری۔ کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔ تاہم علامہ البانی نے اس کے طرق کی بناء پر اس حدیث کو حسن قرار دیا ہے۔

نشوونما پانے والا جسم آگ کا حقدار ہے تو نطفہء حرام سے پیدا ہونے والے جسم کا کیا حال ہوگا؟ علماء حضرات فرماتے ہیں مفعول بہ ولد زنا سے زیادہ برا، ذلیل اور رسوا و خبیث ہے۔ وہ اسی قابل ہے کہ اسے بھلائی کی توفیق نصیب نہ ہو۔ اگر اس سے کوئی نیکی کا کام سرزد ہو جائے تو اللہ تعالیٰ اس سے ایسا عمل کرا دیتے ہیں جس سے اس کی نیکی غارت ہو جاتی ہے یہی اس کی سزا ہے۔ آپ نے دیکھا ہوگا کہ جو بچپن میں اس قبیح کام میں مبتلا رہا وہ بڑا ہو کر اور زیادہ شریر بنا۔ اسے نہ علم نافع نصیب ہوتا ہے اور نہ ہی عمل صالح اور توبہ نصوح اس کے مقدر میں ہوتی ہے۔

اس مسئلہ کی تحقیق یہ ہے کہ اگر اس میں مبتلاء توبہ کر کے اللہ کی طرف رجوع کرے اور نیک عمل کرے اور پہلے کی بہ نسبت خود کو ٹھیک کر لے، توبہ کے ذریعے اپنے گناہوں کو نیکیوں میں تبدیل کر دے، اطاعت خداوندی کے ذریعے شرم کے داغ دھو ڈالے، اپنی آنکھ جھکا لے، اپنی شرم گاہ کی حفاظت کرے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ صدق نیت سے پیش آئے تو وہ یقیناً بخشا ہوا اور اہل جنت میں سے ہے۔ جب توبہ ہر گناہ کو مٹا دیتی ہے حتی کہ شرک، قتل انبیاء، جادو اور کفر وغیرہ کو بھی تو اس گناہ کے مٹانے سے کیوں عاجز رہے گی؟ اللہ تعالیٰ کی حکمت عادلہ اور فاضلہ تو یہ ہے کہ گناہ سے توبہ کرنے والا ایسا ہی ہے جیسے کہ اس نے گناہ کیا ہی نہیں۔ نیز اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ جو شخص شرک، قتل اور زنا سے توبہ کر لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کو نیکیاں بنا دیتا ہے۔ یہ حکم ہر گناہ سے توبہ کرنے والے ہر شخص کے لئے ہے۔ نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ط اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ﴾ (الزمر)

''آپ کہہ دیجئے کہ میرے بندو جنہوں نے اپنے اوپر زیادتیاں کی ہیں کہ تم خدا تعالیٰ کی رحمت سے ناامید مت ہو۔ بالیقین اللہ تعالیٰ تمام گناہوں کو معاف فرما دے گا۔ واقعی وہ بڑا بخشنے والا بڑی رحمت کرنے والا ہے۔''

اس آیہ مبارکہ کا عموم بتا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر قسم کا ہر گناہ معاف فرما دیں گے۔

مفعول اگر بڑا ہو کر مزید شریر ہو جائے تو سمجھ لیا جائے کہ نہ تو توبہ کی توفیق ہوئی ہے اور نہ ہی عمل صالح کی، اور نہ ہی اس کے گذشتہ گناہ توبہ سے نیکیوں میں تبدیل ہوئے ہیں اور یقیناً اس کا خاتمہ ایسا نہیں ہوگا کہ جس کے سبب وہ جنت میں داخل ہو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ گناہ گار کو ڈھیل دے کر اس سے پے بہ پے اتنے گناہ کراتے ہیں جن پر خوب پکڑ ہو سکے۔ اسی طرح نیک آدمی کو مسلسل نیکیوں کی توفیق سے نوازتے ہیں تاکہ اسے مزید ثواب مرحمت کیا جائے۔ اگر آپ غور کریں تو آپ نے بھی اس کا مشاہدہ کیا ہوگا کہ موت کے وقت انسان کے برے اعمال اس کے حسن خاتمہ کے لئے رکاوٹ بن جاتے ہیں۔

حافظ ابو محمد عبدالحق بن عبدالرحمٰن اشبیلیؒ فرماتے ہیں: ''سوئے خاتمہ اعاذنا اللہ منہا کے کئی اسباب ہیں جن میں سب سے بڑا سبب دنیا کی طرف میلان، آخرت سے اعراض اور گناہوں میں مبتلا ہونا ہے۔ جب انسان کسی گناہ کو مسلسل کئی بار کرتا ہے تو وہ گناہ اسکے دل اور عقل پر غالب آجاتا ہے جس سے اس کی نورانیت ختم ہو جاتی ہے پھر اسے نصیحت کرنا بے سود ہوتا ہے۔ وہ نصیحت پر بالکل کان نہیں دھرتا اگرچہ اسے بار بار نصیحت کی جائے یہاں تک کہ اسی حالت میں اسکی موت واقع ہو جاتی ہے۔

نیز آپ نے فرمایا کہ ناصر کے متعلقین میں کسی پر نزع کا عالم طاری ہوا، اس کے بیٹے نے کہا کہ کلمہ پڑھ لیں اس نے جواب میں کہا میرے مولیٰ ناصر ہیں۔ بیٹے نے پھر کہا ابا جی! کلمہ پڑھ لیں۔ اس نے پھر یہی جواب دیا پھر اس پر غشی طاری ہوگئی۔ کچھ دیر بعد افاقہ ہوا اس سے پھر یہی کہا گیا اس نے پھر وہی جواب دیا۔ الغرض آخری وقت اسے کلمہ نصیب نہیں ہوا۔ پھر اس نے اپنے بیٹے سے کہا ناصر کے پاس یہ تلوار لے جانا وہ تمہیں اس کے ذریعے پہچان لے گا۔ قتل، قتل۔ اسی طرح اول فول بکتا اس دنیا سے رخصت ہوگیا۔

عبدالحق ؒ فرماتے ہیں: میرے واقف کاروں میں سے ایک آدمی کو آخری وقت کہا گیا کلمہ پڑھو وہ کہنے لگا فلانی کے گھر کی مرمت کر دو اور فلاں کے باغ میں یہ کر دو اور وہ کر دو۔

نیز فرمایا کہ مجھے ابوطاہر سلفی نے بتایا کہ ایک آدمی کی موت کے وقت اسے کلمہ پڑھنے کی تلقین کی گئی تو وہ کلمہ کی بجائے فارسی میں کہنے لگا۔

دہ، یازدہ، دہ، یازدہ یعنی دس، گیارہ۔ دس، گیارہ

ایک اور شخص سے موت کے وقت کلمہ پڑھنے کو کہا گیا تو وہ کہنے لگا حمام منجاب کا راستہ کونسا ہے؟ اس کا قصہ یہ ہے کہ ایک آدمی اپنے گھر کے دروازے پر کھڑا تھا اس کے گھر کا دروازہ حمام منجاب کے دروازے کی طرح تھا۔ اچانک ایک خوبصورت خاتون اس نوجوان کے پاس آئی اور پوچھنے لگی کہ حمام منجاب کا راستہ کونسا ہے۔ اس نے اپنے گھر کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ یہ حمام منجاب ہے۔ وہ خاتون گھر میں داخل ہوگئی۔ یہ نوجوان بھی داخل ہوگیا۔ اب اس خاتون کو علم ہوا کہ اس کے ساتھ دھوکہ ہوا ہے تو اس نے بھی مرد کو دھوکہ دینے کے لئے گرمجوشی کا مظاہرہ کیا اور کہنے لگی کہ اس موقعہ پر کھانے پینے کا سامان بھی ہو تو مزہ دوبالا ہو جائے گا۔ نوجوان

کہنے لگا آپ ذرا سی دیر ٹھہریں میں ابھی لے آتا ہوں۔ نوجوان یہ کہہ کر گھر سے نکلا کچھ دیر بعد جب کھانے کے سامان لئے واپس ہوا تو وہ خاتون غائب تھی۔ اس نوجوان کو بہت افسوس ہوا۔ یہ نوجوان عموماً اس خاتون کا تذکرہ کرتا اور یہ شعر پڑھتا۔

یا رب قائلة یوما و قد تعبت   کیف الطریق الی حمام منجاب؟

ہائے افسوس وہ خاتون اس دن تھک کر پوچھ رہی تھی کہ حمام منجاب کا راستہ کونسا ہے؟

ایک روز یہ نوجوان یہی شعر پڑھ رہا تھا کہ ایک خاتون نے اسے دریچہ سے جواب دیا کہ

ھلا جعلت سریعا اذ ظفرت بھا   حرزا علی الدار او قفلا علی الباب

جب تو اس پر کامیاب ہو چکا تھا تو تو نے جلدی سے اسے گھر میں مقید کیوں نہیں کیا یا تو نے دروازے کو تالا کیوں نہیں لگایا؟

نوجوان یہ سن کر اور زیادہ حسرت کرنے لگا۔ یہاں تک کہ جب دنیا سے رخصت ہوا تو اس کی زبان پر یہی جاری تھا کہ حمام منجاب کا راستہ کونسا ہے؟

ایک روز حضرت سفیان ثوریؒ تمام رات روتے رہے۔ یہاں تک کہ صبح ہوگئی۔ صبح کے وقت کسی نے پوچھا کہ آیا آپ گناہوں کے خوف سے رو رہے تھے؟ آپؒ نے زمین سے مٹی اٹھائی اور فرمایا گناہ تو اس سے بھی ہلکے ہیں میں تو سوء خاتمہ کے ڈر سے رو رہا ہوں۔

یقیناً سمجھ دار شخص وہی ہے جو یہ سوچے کہ اس کے گناہ اسے موت کے وقت ذلیل کریں گے اور اسکے حسن خاتمہ میں رکاوٹ ڈالیں گے۔

امام احمد بن حنبلؒ نے حضرت ابوالدرداءؓ کا قصہ بیان کیا ہے۔ جب آپ کا آخری وقت آیا تو آپ پر غشی طاری ہوئی۔ جب کچھ افاقہ ہوا تو آپؓ نے یہ آیہ

مبارکہ تلاوت فرمائی:

﴿وَ نُقَلِّبُ اَفْئِدَتَهُمْ وَ اَبْصَارَهُمْ كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوْا بِهٖۤ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّ نَذَرُهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ﴾ (الانعام:۱۱۰)

''اور ہم بھی ان کے دلوں کو اور ان کی نگاہوں کو پھیر دیں گے جیسا یہ لوگ اس پر پہلی دفعہ ایمان نہیں لائے اور ہم ان کو ان کی سرکشی میں حیران رہنے دیں گے''

سلف صالحین اسی لئے گناہوں سے خوف زدہ رہتے ہیں کہ اس سے سوء خاتمہ کا ڈر ہوتا ہے۔

نیز فرمایا کہ سوئے خاتمہ اعاذنا اللہ منہا سے وہ شخص محفوظ رہتا ہے جس کا ظاہر اتباع سنت سے آراستہ اور جس کا باطن اصلاح یافتہ ہو۔ الحمدللہ ایسا کبھی نہیں سنا گیا کہ متبعِ سنت سوء خاتمہ کا شکار ہوا ہو۔ بلکہ صرف وہی شخص سوء خاتمہ میں مبتلا ہوتا ہے جس کے عقیدہ میں فساد ہو یا جو مسلسل کبیرہ گناہ میں مبتلا رہا ہو۔ جب ایسے شخص پر گناہ غالب آجاتے ہیں تو توبہ سے پہلے اس کی موت آجاتی ہے اور شیطان اس کے خلاف کامیاب ہو جاتا ہے۔

نیز ایک روایت بیان فرمائی کہ مصر میں ایک آدمی مسجد میں رہتا تھا۔ اذان دیتا اور نماز پڑھاتا تھا۔ اس کا چہرہ عبادات کے انوار سے درخشاں تھا۔ ایک روز یہ نوجوان حسب عادت اذان دینے کے لئے منارہ پر چڑھا۔ اس منارہ کے نیچے ایک عیسائی کا گھر تھا۔ اچانک اس کی نظر عیسائی کی بیٹی پر پڑی۔ اس کے دل میں اس کی محبت پیدا ہوئی اس نے اذان چھوڑی، منارہ سے اترا اور عیسائی کے گھر پہنچ گیا۔ اس لڑکی نے پوچھا کہ آپ کیا چاہتے ہیں؟ اس نے کہا کہ میرے دل پر آپ کی محبت غالب آچکی ہے اس لڑکی نے کہا کہ میں غلط کام نہیں کر سکتی۔ یہ نوجوان کہنے لگا کہ

میں آپ سے شادی کرنا چاہتا ہوں وہ لڑکی کہنے لگی آپ مسلمان ہیں اور میں عیسائی میرے والد کبھی اس شادی پر راضی نہیں ہوں گے۔ یہ نوجوان کہنے لگا تو پھر میں عیسائی ہو جاتا ہوں۔لڑکی نے جواب دیا کہ اگر ایسا ہو جائے تو میں شادی پر رضامند ہوں۔ یہ نوجوان اس لڑکی سے شادی کرنے کے لئے عیسائی بن گیا اور ان کے گھر میں ٹھہر گیا اسی روز یہ نوجوان کسی کام سے گھر کی چھت پر چڑھا، پاؤں پھسلا، نیچے گرا اور مر گیا۔ اپنا دین بھی ضائع کیا اور لڑکی بھی حاصل نہ کر سکا۔

نیز فرمایا کہ ایک شخص کا کسی سے شدید تعلق ہو گیا اور اس کی شدید محبت اس کے دل پر غالب تھی۔ یہاں تک کہ شدت محبت سے اتنا مغلوب ہوا کہ چلنے پھرنے سے معذور ہو گیا اور بستر پر دراز ہو گیا۔ اور محبوب سے ملنے کی تمنا کرنے لگا۔ اس کا محبوب اس سے شدید نفرت کرتا تھا۔لوگ درمیان میں آئے اور کسی طرح محبوب کو اس سے ملنے پر رضامند کیا جب اسے خبر پہنچی کہ اس کا محبوب اسے ملنے آ رہا ہے تو شدت خوشی سے اس کی تمام تکلیف ختم ہو گئی اور وہ بالکل تندرست ہو گیا۔ اسی دوران درمیانی واسطہ کے آدمی نے آ کر خبر دی کہ آپ کا محبوب آدھے راستے سے واپس ہو گیا کیونکہ وہ کہتا ہے کہ میں بدنامی سے ڈرتا ہوں میں تہمت کی جگہ جانا پسند نہیں کرتا۔ میں نے اسے بہت سمجھایا مگر وہ رضامند نہیں ہوا۔ اس شخص نے جب یہ سنا تو اسکی حالت پہلے سے بھی زیادہ خراب ہو گئی ایسے معلوم ہوتا تھا جیسے موت کے منہ میں پہنچ چکا ہو۔ اسی حالت میں اس نے یہ اشعار پڑھے:

یاسلام یا راحة العلیل   و یا شفا المدنف النخیل

رضاك اشهی الی فوادی   من رحمة الخالق الجلیل

اے سلامت رہنے والے! اے بیمار کی راحت! اے موت کے منہ میں پہنچے ہوئے

دوست کے لئے باعث شفا! تیری رضا میرے دل کو خدا کی یاد سے زیادہ مرغوب ہے۔

میں نے اس سے کہا کہ خدا سے ڈر تو کیا کہہ رہا ہے۔ میں یہ کہہ کر وہاں سے اُٹھا۔ ابھی میں دروازہ تک بھی نہیں پہنچا تھا کہ مجھے اس کی چیخ سنائی دی اور اس کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔

اعاذنا اللّٰہ من سوء العاقبة و شئوم الخاتمة

لوطی کی سزا:

لواطت بہت بڑے فساد کا باعث ہے اسی لئے اس کی سزا بھی دنیا و آخرت دونوں میں بہت بڑی ہے۔ علماء کرام کا اس کی سزا کے بارے میں اختلاف ہے کہ اس کی سزا زنا کی سزا سے زیادہ ہے یا کم؟ یا دونوں کی سزا برابر ہے؟

حضرت ابوبکر صدیقؓ حضرت علیؓ حضرت خالد بن ولیدؓ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت جابر بن زیدؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ، زہرؒ، ربیعہ بن ابی عبدالرحمٰنؒ، امام مالکؒ، اسحاقؒ بن راہویہ، صحیح روایت کے مطابق امام احمد بن حنبلؒ اور ایک قول کے مطابق امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اس کی سزا زنا کی سزا سے زیادہ ہے۔ لواطت کرنے والا شادی شدہ ہو یا غیر شادی شدہ اسے بہرصورت قتل ہی کیا جائے گا۔

حضرت عطاء بن ابی رباحؒ، حسن بصریؒ، سعید بن المسیبؒ، ابراہیم النخعیؒ، قتادہؒ، اوزاعیؒ، ظاہری مذہب کے مطابق امام شافعیؒ، ایک روایت کے مطابق امام احمد بن حنبلؒ، امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ لواطت اور زنا کی سزا برابر ہے۔

امام حاکمؒ اور امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ لواطت کی سزا زنا کی سزا سے کم

ہے، اسکی سزا تعزیر ہے نہ کہ حد۔ اس کی دلیل یہ فرماتے ہیں کہ چونکہ اس کی سزا نہ ہی اللہ تعالیٰ نے مقرر کی ہے اور نہ ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے۔ لہٰذا اس میں تعزیر ہوگی نہ کہ حد جیسے کہ مردار اور خنزیر وغیرہ کے کھانے میں۔ نیز یہ بھی دلیل دیتے ہیں کہ چونکہ لواطت کے ذریعے ایسے مقام میں شہوت پوری کی جاتی ہے جہاں طبیعت نہیں چاہتی بلکہ اس مقام میں شہوت پوری کرنے کو ناپسند سمجھتی ہے۔

نیز یہ کہ لواطت کرنے والے کو نہ ہی لغۃً زانی کہا جاتا ہے، نہ ہی شرعاً اور نہ ہی عرفاً لہٰذا یہ ان نصوص کے ذیل میں داخل نہیں ہوگا جو زنا کی حد پر دلالت کرتی ہیں۔ نیز اگر ہم شریعت کے قواعد کا بغور مطالعہ کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ اگر طبیعت گناہ کو ناپسند سمجھے تو اس میں حد واجب نہیں ہوتی جیسے کہ مردار اور خنزیر کھانا وغیرہ اور اگر طبیعت اس گناہ کی طرف مائل ہو تو اس میں حد واجب ہوتی ہے جیسے زنا، چوری اور شراب نوشی وغیرہ، اسی لئے مردار اور چوپایوں کے ساتھ بدکاری سے حد لازم نہیں ہوتی۔ اب اگر غور کریں تو اللہ تعالیٰ نے مرد کے ساتھ بدکاری سے شدید نفرت ڈال دی ہے۔ یہاں تک کہ چوپایوں اور مرداروں کے ساتھ بدکاری سے بھی زیادہ۔ نیز زنا میں تقاضا جانبین سے ہوتا ہے بخلاف لواطت کے کیونکہ کوئی بھی مرد یہ نہیں چاہتا کہ اس کے ساتھ لواطت کی جائے۔ نیز یہ کہ اگر دو عورتیں آپس میں برائی کریں تو جب ان پر حد واجب نہیں ہوتی تو دو مردوں کی برائی سے ان پر حد کیسے لازم ہو جائے گی۔

جب کہ جمہور امت فرماتے ہیں کہ اس کی سزا زنا سے زیادہ ہے۔ کیونکہ صحابہؓ کا اس مسئلہ پر اجماع ہے کہ اس گناہ کا فساد سب سے زیادہ ہے بلکہ قریب بہ کفر ہے۔ نیز اس کا فساد قتل سے بھی زیادہ ہے جیسا کہ ہم انشاء اللہ عنقریب بیان کریں گے۔ اس کی دلیل یہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے قوم لوط سے پہلے اس گناہ کبیرہ

میں کبھی کسی قوم کو مبتلا نہیں فرمایا اور ان کے علاوہ کسی کو بھی اتنی دردناک سزا نہیں دی۔ انہیں ہلاک فرمایا، پوری بستی کو الٹ کر زمین پر دے مارا، انہیں زمین میں دھنسا دیا اور ان پر پتھروں کی بارش فرمائی کیونکہ یہ ایسا عظیم جرم ہے کہ جب یہ گناہ زمین پر ہوتا ہے تو زمین ہل جاتی ہے اور خداتعالیٰ کے سامنے فریاد کرتی ہے، فرشتے آسمانوں اور زمین کی جوانب میں بھاگ جاتے ہیں کہ کہیں اللہ کا عذاب لواطت میں مبتلا لوگوں پر نہ آجائے اور یہ بھی اس عذاب میں گرفتار ہو جائیں۔ اس فعل شنیع کے باعث اگر پہاڑ بھی اپنی جگہ سے ہل جائیں تو عین ممکن ہے۔ مفعول کے ساتھ بدکاری سے بہتر ہے کہ اسے قتل کر دیا جائے کیونکہ اگر اس کے ساتھ بدکاری کی گئی تو اس کی زندگی موت سے بدتر ہوگی اور اگر اسے قتل کر دیا گیا تو مظلوم اور شہید ہے جس کا اجر اسے آخرت میں ضرور ملے گا۔

نیز اس کی دلیل یہ بھی ہے کہ قاتل پر حد جاری کرنے کا اختیار ولی کو دیا ہے کہ اگر چاہے قتل کر دے اور اگر چاہے تو معاف کر دے۔ لیکن لوطی کو یہ چھوٹ حاصل نہیں ہے بلکہ اسے حداً قتل کر دیا جائے گا۔ اسی پر صحابہؓ کا اجماع ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے بھی یہ ثابت ہے اسی پر صحابہؓ اور خلفاء راشدینؓ کا عمل ہے۔

حضرت خالد بن ولیدؓ عرب کے ایک علاقہ میں پہنچے جہاں مرد آپس میں نکاح کیا کرتے تھے۔ انہوں نے حضرت ابوبکرؓ کو صورت حال لکھ کر بھیجی۔ حضرت ابوبکرؓ نے صحابہؓ سے مشورہ کیا حضرت علیؓ نے خوب سختی کا اظہار کیا اور فرمایا کہ یہ کام ایک ہی امت نے کیا تھا اور آپ حضرات خوب جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں کیسی عبرت ناک سزا دی ہے؟ میری رائے یہ ہے کہ انہیں جلا دیا جائے۔ حضرت ابوبکرؓ نے حضرت خالد بن ولیدؓ کو یہ لکھ بھیجا انہوں نے ان تمام کو جلا ڈالا۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ لوطی کو سب سے اونچی عمارت پر

لے جا کر اوندھے منہ گرا دیا جائے پھر ان پر پتھر برسائے جائیں۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے یہ سزا قوم لوط کی سزا سے اخذ فرمائی ہے۔ نیز آپؓ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر کوئی شخص لواطت کرے تو فاعل اور مفعول دونوں کو قتل کر دو[1]۔ امام احمد بن حنبلؒ نے اس حدیث مبارکہ سے استدلال کیا ہے۔ اس کی اسناد شرط بخاریؒ پر ہیں۔

نیز یہ حضرات اپنی دلیل میں یہ حدیث بھی پیش کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لعن اللہ من عمل عمل قوم لوط۔ اللہ لواطت کرنے والے پر لعنت فرمائے۔ آپ نے تین بار یہ ارشاد فرمایا جب کہ زانی پر تین بار لعنت ایک بھی حدیث میں وارد نہیں ہوئی۔ اسی طرح صحابہؓ بھی لوطی کے قتل پر متفق ہیں کسی بھی دو صحابیوںؓ نے اس میں اختلاف نہیں کیا۔ صحابہؓ سے جو اختلاف منقول ہے وہ قتل کے طریقہ میں ہے نہ کہ نفس قتل میں۔ بلکہ نفس قتل میں تمام صحابہؓ اس میں متفق ہیں۔

نیز وہ حضرات یہ بھی دلیل بیان کرتے ہیں کہ جو شخص اس آیت

﴿وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ط وَسَآءَ سَبِيْلًا﴾ (الاسراء: ۳۲)

''اور زنا کے پاس بھی مت پھٹکو۔ بلاشبہ وہ بڑی بے حیائی کی بات ہے اور بری راہ ہے۔''

اور اس آیت

﴿اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ﴾ (الاعراف: ۸۰)

''تم ایسا فحش کام کرتے ہو جس کو تم سے پہلے کسی نے دنیا جہاں

---

[1] اسے امام احمد اصحاب سنن اربعہ، دارقطنی، حاکم اور ضیاء نے اس حدیث کو حضرت ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے۔ علامہ البانی نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔

والوں میں سے نہیں کیا۔“

میں غور کرے گا اسے واضح طور سے معلوم ہو جائیگا کہ زنا میں اللہ تعالیٰ نے فاحشہ کو نکرہ بیان کیا ہے جب کہ لواطت میں معرفہ ذکر فرمایا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ لواطت فحاشی کے تمام معانی کو شامل ہے۔ ان دونوں میں اسی طرح فرق ہے جیسا کہ اس مثال میں زید رجل اور نعم الرجل زید۔ یعنی کیا تم ایسی برائی کرتے ہو جو سب کے نزدیک مسلمہ برائی ہے؟ اسی قسم کی ایک اور مثال یہ ہے کہ فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا:

﴿وَفَعَلْتَ فَعْلَتَكَ الَّتِیْ فَعَلْتَ﴾ (الشعرا: ۱۹)

”اور تم نے اپنی وہ حرکت بھی کی تھی جو کی تھی۔“

یعنی ایسا برا کام جسے ہر ایک برا سمجھتا ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے اس کی برائی کو مزید بیان فرمایا کہ یہ ایسا برا کام ہے جو کبھی کسی نے نہیں کیا:

﴿مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ﴾ (الاعراف: ۸۰)

”جس کو تم سے پہلے کسی نے دنیا جہان والوں میں سے نہیں کیا“

اس کے بعد پھر ایسی بات ذکر فرمائی کہ جس کے سنتے ہی انسان کے دل و دماغ میں اس کام کی نفرت پیدا ہو جائے اور اسکی برائی انسان کی طبیعت ثانیہ بن جائے۔ فرمایا:

﴿اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ شَهْوَةً﴾

”تم مردوں کے ساتھ شہوت رانی کرتے ہو۔“ (الاعراف: ۸۱)

اگر مزید غور کریں تو یہ بات بخوبی آشکارا ہوتی ہے کہ لوطی کے پیش نظر صرف اور صرف اپنی شہوت رانی ہوتی ہے۔ جب کہ نکاح بہت سے مصالح کا مجموعہ

ہے۔ اس سے نہ صرف یہ کہ لذت کا حصول ہوتا ہے بلکہ عورت کے دل میں شوہر کی اتنی محبت بھی پیدا ہو جاتی ہے جس کے سبب وہ اپنے والدین تک کو بھول جاتی ہے۔ نیز نکاح بقاء نسل انسانی کا ذریعہ ہے اسی کے ذریعے اللہ تعالیٰ اپنے محبوب ترین بندوں کو پیدا فرماتے ہیں۔ انبیاء صلحاء اور مؤمنین وغیرہ کو۔ اسی کے ذریعے حرمت مصاہرت اور پاکیزگی نفس حاصل ہوتی ہے۔ اسی کی ایک مصلحت یہ بھی ہے کہ اگر اولاد کا سلسلہ جاری ہو جائے تو یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فخر کا باعث بھی ہے۔ اور لواطت تو صرف خرابیوں کا مجموعہ ہے۔ اس میں اتنی برائیاں ہیں جن کا شمار بھی انسانی قدرت سے باہر ہے۔ نیز اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے قوم لوط کو اس لئے الٹا تھا کہ انہوں نے اپنی فطرت الٹ ڈالی تھی کیونکہ انسانی فطرت کا تقاضا ہے کہ انسان کو عورتوں پر شہوت آئے نہ کہ مردوں پر۔ جب انہوں نے اپنی فطرت تبدیل کر دی تو اللہ تعالیٰ نے بھی ان کے ساتھ یہی معاملہ فرمایا کہ ان کی حالت ہی بدل ڈالی۔ ان کی بستی کے نیچے والے حصہ کو اوپر والا حصہ بنا دیا اور اوپر والے کو نیچے والا۔ اور انہیں اوندھے منہ عذاب میں مبتلا کیا۔ پھر اسکی برائی کو مزید ذہن نشین کرانے کے لئے فرمایا:

﴿بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ﴾ (الاعراف:۸۱)

''بلکہ تم حد ہی سے گذر گئے ہو۔''

آپ خود سوچ لیں کہ اللہ تعالیٰ نے زنا کو اسراف اور حد سے متجاوز کہا ہے۔ پھر اس کی مزید برائی بیان فرمائی:

﴿وَنَجَّیْنٰهُ مِنَ الْقَرْیَةِ الَّتِیْ كَانَتْ تَّعْمَلُ الْخَبٰٓئِثَ﴾ (الانبیاء:۷۴)

''اور ہم نے ان کو اس بستی سے نجات دی جس کے رہنے والے گندے گندے کام کیا کرتے تھے۔''

نیز اللہ تعالیٰ نے لوطیوں کو فاسق، مفسد اور ظالم جیسے برے القاب سے یاد

کیا ہے۔ ارشاد گرامی ہے:

﴿اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمَ سَوْءٍ فٰسِقِيْنَ﴾ (الانبیاء: ۷۴)

''بلاشبہ وہ لوگ بڑے بدذات بدکار تھے۔''

اور

﴿رَبِّ انْصُرْنِيْ عَلَى الْقَوْمِ الْمُفْسِدِيْنَ﴾ (العنکبوت: ۳۰)

''اے میرے رب مجھ کو ان مفسد لوگوں پر غالب کردے''

اور

﴿اِنَّا مُهْلِكُوْٓا اَهْلِ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ اِنَّ اَهْلَهَا كَانُوْا ظٰلِمِيْنَ﴾ (العنکبوت: ۳۱)

''ہم اس بستی والوں کو ہلاک کرنے والے ہیں۔ وہاں کے باشندے بڑے شریر ہیں۔''

آپ غور فرمائیں کیا اتنی سخت سزا کسی کو دی گئی ہے؟ کیا کسی کی اتنی مذمت بیان کی گئی ہے؟ جب حضرت ابراہیم خلیل اللہ کو بتایا گیا کہ انہیں ہلاک کردیا جائے گا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام فرشتوں سے بحث کرنے لگے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿يٰٓاِبْرٰهِيْمُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا اِنَّهٗ قَدْ جَآءَ اَمْرُ رَبِّكَ وَ اِنَّهُمْ اٰتِيْهِمْ عَذَابٌ غَيْرُ مَرْدُوْدٍ﴾ (ہود: ۶۷)

''اے ابراہیم اس بات کو جانے دو۔ تمہارے رب کا حکم آچکا ہے اور ان پر ضرور ایسا عذاب آنے والا ہے جو کسی طرح ٹلنے والا نہیں۔''

لوطیوں کی خباثت اور سرکشی تو ملاحظہ ہو کہ جب انہیں معلوم ہوا کہ حضرت

عَلَيْهَا حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيلٍ﴾ (ہود:۸۲)

''سو جب ہمارا امر آپہنچا تو ہم نے اس زمین کا اوپر کا تختہ تو نیچے کر دیا اور اس زمین پر کھنگر کے پتھر برسانا شروع کئے۔''

اللہ تعالیٰ نے انہیں دنیا والوں کے لئے عبرت اور نصیحت اور اس جرم میں شریک لوگوں کے لئے موعظت بنا دیا ہے:

﴿اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّلْمُتَوَسِّمِيْنَ ٥ وَ اِنَّهَا لَبِسَبِيْلٍ مُّقِيْمٍ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ﴾ (الحجر:۷۵-۷۶)

''اس واقعہ میں کئی نشان ہیں اہل بصیرت کیلئے۔ اور یہ بستیاں ایک آباد سڑک پر ملتی ہیں۔ ان بستیوں میں اہل ایمان کے لئے بڑی عبرت ہے۔''

جب اللہ تعالیٰ نے ان پر گرفت فرمائی تو وہ خواب غفلت میں منہمک اور برائی کے نشہ میں سرمست تھے۔ اس وقت ان کی کوئی چیز ان کے کام نہیں آئی۔ ان کی لذتیں حسرتیں بن گئیں اور انہیں کے سبب وہ عذاب میں مبتلا ہوئے۔ ان کی لذتیں اور شہوتیں حسرت اور شقاوت میں تبدیل ہوگئیں۔ چند دن دنیاوی عیش میں گذارے اب لمبے عرصے تک دردناک عذاب میں گرفتار رہیں گے۔ وہ شہوات کے نشہ میں مست اور خواب غفلت میں مبتلا تھے یہاں تک کہ انہیں ہلاک کر دیا گیا۔ اب نہیں ندامت کا احساس ہوا لیکن اب ندامت کا کوئی فائدہ نہیں۔ اب وہ روئے بلکہ انہوں نے خون کے آنسو بہائے مگر بے سود۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں آگ کا وہ دردناک عذاب دیا ہے کہ آگ ان کے چہروں اور جسموں کو پھاڑ کر نکلتی ہے۔ انہیں لذیذ مشروبات کی جگہ کھولتا ہوا پانی پلایا جاتا ہے اور انہیں اوندھے منہ گرا کر کہا جاتا ہے کہ لو اس کا مزا جو تم دنیا میں کرتے تھے۔

﴿اِصۡلَوۡهَا فَاصۡبِرُوۡۤا اَوۡ لَا تَصۡبِرُوۡا سَوَآءٌ عَلَيۡكُمۡ اِنَّمَا تُجۡزَوۡنَ مَا كُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ﴾ (الطور:۱۶)

''اس میں داخل ہو پھر خواہ سہار کرنا یا سہار نہ کرنا، تمہارے حق میں دونوں برابر ہیں۔ جیسا تم کرتے تھے ویسا ہی بدلہ تم کو دیا جائے گا۔''

اسی عذاب سے جو اللہ تعالیٰ نے قوم لوط کو دیا اللہ تعالیٰ لواطت کرنے والوں کو ڈراتے ہیں۔

﴿وَمَا هِيَ مِنَ الظّٰلِمِيۡنَ بِبَعِيۡدٍ﴾ (ہود:۸۳)

''اور یہ بستیاں ان ظالموں سے کچھ دور نہیں۔''

فیانا کحی الذکران یھنیکم البشری	فیوم معاد الناس ان لکم اجرا
کلوا واشربوا وازنوا ولو طوا وابشروا	فان لکم زفرا الی الجنة الحمراء
فاخوانکم قد مھد وا الدار قبلکم	وقالوا الینا عجلوا لکم البشری
وھا نحن اسلاف لکم فی انتظار کم	سیجمعنا الجبار فی ناره الکبری
فلا تجسوا ان الذین نکحتموه!!	یغیبون عنکم بل ترونھم جھرا
ویلعن کلا منکما بخلیله ویشف	ی به المخزون فی الکرة الاخری
یعذب کلا منکمابشریکه کما	اشترکا فی لذة توجب الوزرا

''اے لواطت کرنے والو! تمہیں خوشخبری ہو۔ میدان حشر میں یقیناً تمہیں بہت بڑے اجر سے نواز جائے گا۔ کھاؤ، پیو، زنا کرو، اور خوش رہو کیونکہ تم کامیابی سے ہمکنار ہو کر ''سرخ جنت'' میں داخل ہو جاؤ گے۔ تمہارے وہ بھائی جنہوں نے تم سے پہلے یہ گھر بسایا ہے وہ کہہ رہے ہیں خوش آمدید جلدی کرو۔ ہم تمہارے اسلاف تمہارا انتظار

لوط کے پاس خوبصورت مہمان آئے ہوئے ہیں تو گرتے پڑتے حضرت لوط علیہ السلام کے پاس پہنچے۔ حضرت لوط علیہ السلام نے جب انہیں دیکھا تو فرمایا:

﴿یٰقَوۡمِ هٰۤؤُلَآءِ بَنَاتِیۡ هُنَّ اَطۡهَرُ لَكُمۡ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَلَا تُخۡزُوۡنِ فِیۡ ضَیۡفِیۡ اَلَیۡسَ مِنۡكُمۡ رَجُلٌ رَّشِیۡدٌ﴾ (ہود:۷۸)

''اے میری قوم! یہ میری بیٹیاں موجود ہیں وہ تمہارے لئے خاصی ہیں۔ سو اللہ سے ڈرو میرے مہمانوں میں مجھ کو فضیحت مت کرو کیا تم میں سے کوئی بھی بھلا مانس نہیں۔''

یعنی آپ کو اتنا خوف لاحق ہوا اور مہمانوں کے سامنے اتنی شرم ہوئی کہ آپ ان کے ساتھ اپنی بیٹیوں کے نکاح پر بھی تیار ہو گئے۔ لیکن انہوں نے سرکشوں کی طرح اس پیشکش کو ٹھکرا دیا اور کہنے لگے:

﴿لَقَدۡ عَلِمۡتَ مَا لَنَا فِیۡ بَنٰتِكَ مِنۡ حَقٍّ وَ اِنَّكَ لَتَعۡلَمُ مَا نُرِیۡدُ﴾ (ہود:۷۹)

''آپ کو معلوم ہے کہ ہمیں آپ کی ان بیٹیوں کی کوئی ضرورت نہیں اور آپ کو تو معلوم ہے جو ہمارا مطلب ہے۔''

حضرت لوط علیہ السلام نے جب یہ سنا تو آپ کے غمگین دل سے آہ نکلی اور آپ نے فرمایا:

﴿لَوۡ اَنَّ لِیۡ بِكُمۡ قُوَّةً اَوۡ اٰوِیۡۤ اِلٰی رُكۡنٍ شَدِیۡدٍ﴾ (ہود:۷۹)

''کیا خوب ہوتا اگر میرا تم پر کچھ زور چلتا یا کسی مضبوط پایہ کی پناہ پکڑتا۔''

اب فرشتوں نے حقیقت حال کو واضح کیا اور لوط علیہ السلام سے کہا کہ آپ مطمئن رہیں۔ یہ ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکے۔

﴿يٰلُوۡطُ اِنَّا رُسُلُ رَبِّكَ لَنۡ يَّصِلُوۡۤا اِلَيۡكَ﴾ (ہود: ۸۰)

''اے لوطؑ! ہم تو آپ کے رب کے بھیجے ہوئے ہیں آپ تک ہرگز ان کی رسائی نہیں ہوگی۔''

اور ساتھ ہی آپ کو خوشخبری بھی سنائی کہ ان پر عذاب کا وعدہ جو آپ نے کیا تھا ان کے وقوع کا وقت آپہنچا ہے۔

﴿فَاَسۡرِ بِاَهۡلِكَ بِقِطۡعٍ مِّنَ الَّيۡلِ وَ لَا يَلۡتَفِتۡ مِنۡكُمۡ اَحَدٌ اِلَّا امۡرَاَتَكَ اِنَّهٗ مُصِيۡبُهَا مَاۤ اَصَابَهُمۡ اِنَّ مَوۡعِدَهُمُ الصُّبۡحُ﴾ (ہود: ۸۱)

''آپ رات کے کسی حصے میں اپنے گھر والوں کو لے کر چلے جایئے اور تم میں سے کوئی پیچھے پھر کر بھی نہ دیکھے۔ ہاں مگر آپ کی بیوی نہ جائے گی اس پر بھی وہی آفت آنیوالی ہے جو اورلوگوں پر آئے گی۔ ان کے وعدہ کا وقت صبح کا وقت ہے۔''

آپ کو اتنی مہلت بھی شاق گذری لہٰذا آپ نے فرمایا کہ انہیں جلدی عذاب دو۔ فرشتے کہنے لگے: (ہود: ۸۱)

﴿اَلَيۡسَ الصُّبۡحُ بِقَرِيۡبٍ﴾

''کیا صبح کا وقت قریب نہیں۔''

واللہ! سحری اور صبح میں کتنی دیر ہوتی ہے؟ صبح ہوتے ہی ان کی بستی کو بنیادوں کو اکھاڑ کر آسمان تک لے جایا گیا۔ یہاں تک کہ فرشتوں نے کتوں اور گدھوں کی آوازیں سنیں پھر حضرت جبرئیل علیہ السلام نے اسے اوندھے منہ پٹخ دیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿فَلَمَّا جَآءَ اَمۡرُنَا جَعَلۡنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَ اَمۡطَرۡنَا

حضورؐ نے فرمایا جو شخص محرم رشتہ دار کے ساتھ زنا کرے اسے قتل کردو۔[1]

حجاج کے پاس ایک آدمی کو لے جایا گیا جس نے اپنی بہن سے زنا کیا تھا۔ حجاج نے کہا کہ اسے قید کردو اور کسی صحابیؓ سے مسئلہ دریافت کرو۔ لوگوں نے حضرت عبداللہ بن ابی مطرفؓ سے پوچھا انہوں نے کہا کہ میں نے حضورؐ کو یہ فرماتے ہیں سنا کہ جو شخص دو رشتہ داروں کے درمیان زنا کا خط ڈال دے تلوار کے ذریعے اس کے دو ٹکڑے کر دو۔[2]

یہ حدیث ایسے شخص کے قتل کی بالکل واضح دلیل ہے۔ جب محرم کے ساتھ جماع کی حد قتل ہے کیونکہ یہ کسی بھی حال میں جائز نہیں اسی طرح لواطت کی سزا بھی قتل ہونی چاہیئے کیونکہ یہ بھی کسی صورت جائز نہیں۔

تحقیق اس مسئلہ کی یہی ہے کہ لوطی اور محرم کے ساتھ زنا کرنے والے دونوں پر حد ہے۔ تاہم اس میں اختلاف ہے کہ حد کیا ہوگی؟ کیا شادی شدہ اور غیر شادی شدہ دونوں کو قتل کیا جائے گا؟ یا ان پر زنا کی حد جاری کی جائے گی؟

امام شافعیؒ، امام مالکؒ اور ایک روایت کے مطابق امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ ایسے شخص پر زنا کی حد جاری کی جائے گی۔

امام احمدؒ، اسحاقؒ اور محدثین کی ایک جماعت کہتی ہے کہ ایسے شخص کو بہر صورت قتل کیا جائے گا۔

اسی طرح امام ابو حنیفہؒ کے سوا تمام فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ اگر کوئی شخص یہ جاننے کے باوجود کہ محرم سے نکاح نہیں ہو سکتا اپنی محرم کے ساتھ نکاح کے بعد جماع کرے تو اس پر حد جاری کی جائے گی۔ البتہ امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ شبہہ کی

---

[1] ابن ماجہ: علامہ البانی نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے۔
[2] طبرانی، بیہقی۔ علامہ البانی نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔

وجہ سے حد ساقط کر دی جائے گی۔

وہ حضرات اپنی دلیل میں یہ بیان کرتے ہیں کہ ایسے شخص کا جرم دگنا ہے کیونکہ اس نے دوگناہ کئے ہیں ایک غلط نکاح اور ایک زنا۔ لہٰذا اسے تو دگنی سزا ملنی چاہیئے نہ یہ کہ اسے زنا کی بھی سزا نہ دی جائے۔

کسی مردہ خاتون کے ساتھ جماع کے بارہ میں امام احمدؒ وغیرہ کے دو قول ہیں۔ امام اوزاعیؒ فرماتے ہیں کہ اس پر حد ضرور واجب ہوگی کیونکہ اس نے بھی دو گناہ کیے۔ ایک زنا اور ایک لاش کی بے حرمتی۔

چوپایوں کے ساتھ بدکاری:

چوپایوں کے ساتھ وطی کی سزا میں فقہاء کے تین اقوال ہیں:

اول امام مالکؒ امام ابو حنیفہؒ، ایک قول کے مطابق امام شافعیؒ اور امام اسحاق فرماتے ہیں کہ ایسے شخص پر حد واجب نہیں ہوتی بلکہ اس پر تعزیر لازم آئے گی۔

ثانی: امام حسن کے نزدیک چوپایوں کے ساتھ وطی کرنے والے اور زانی دونوں کا ایک حکم ہے۔ یعنی اگر لواطت کرنے والا غیر شادی شدہ ہو تو اسے کوڑے لگائے جائیں گے اور اگر شادی شدہ ہو تو اسے رجم کر دیا جائے گا۔

سوم: ایسے شخص کی سزا وہی ہے جو لوطی کی ہے۔ امام احمد بن حنبلؒ کا یہی قول ہے۔ پھر اس میں اختلاف ہے کہ کیا ایسے شخص کو قتل ہی کیا جائے گا یا زانی کی طرح صرف شادی شدہ کو قتل کیا جائے گا اور غیر شادی شدہ کو کوڑے لگائے جائیں گے؟

جو حضرات قتل کا حکم فرماتے ہیں ان کی دلیل وہ حدیث ہے جو حضرت ابن

کررہے ہیں ہمیں اللہ سخت آگ میں اکٹھا کرے گا۔ یہ نہ خیال کرو کہ جن کے ساتھ تم نے لواطت کی ہے وہ تم سے دور ہونگے بلکہ تم انہیں واضح طور پر دیکھو گے۔ تم میں سے ہر ایک اپنے دوست پر لعنت بھیجے گا اور بدبو میں مبتلا دوسرے حملہ میں شفا حاصل کرے گا۔ تمہیں اور تمہارے شریک کو اکٹھا عذاب دیا جائے گا جیسے کہ دنیا میں تم اس لذت کے حصول میں مشترک تھے جس کے سبب تمہیں اس عذاب میں مبتلا ہونا پڑا۔''

فصل

لواطت اور زنا کی سزا:

(ان حضرات کے دلائل کا جواب جو کہتے ہیں کہ لواطت کی سزا زنا کی سزا سے کم ہے۔)

ان حضرات کی پہلی دلیل یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے لواطت کی کوئی سزا مقرر نہیں کی ہے۔ اس کے کئی جوابات دیئے جاسکتے ہیں۔

اول: یہ کہنا غلط ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی سزا مقرر نہیں فرمائی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کی سزا حضورؐ کے ذریعے قتل مقرر فرمائی ہے۔ لہٰذا یہ کہنا بالکل غلط ہے کہ اس کی سزا مقرر نہیں۔ ہاں یہ ضرور کہا جاسکتا ہے کہ اس کی سزا قرآنی نص میں موجود نہیں لیکن اس سے سزا کی عدم مشروعیت ثابت نہیں ہوتی۔

دوم: حدیث مبارک میں رجم کے ثبوت سے آپ کی بات غلط ہوجاتی ہے۔ اگر آپ اعتراض کریں کہ رجم تو قرآنِ کریم سے ثابت ہے اگرچہ الفاظ منسوخ ہوگئے لیکن حکم تو باقی ہے؟ تو ہم جواب دیں گے کہ پھر آپ کی دلیل شراب نوش کی حد سے ٹوٹ جاتی ہے۔

سوم: یہ قاعدہ ہے کہ معین دلیل کی نفی سے مطلق دلیل کی نفی نہیں ہوتی اور یہ

بات ہم پہلے ہی ذکر کر چکے کہ آپ جو مطلق دلیل کی نفی کرتے ہیں صحیح نہیں۔ باقی رہی آپ کی یہ دلیل کہ ایسے مقام میں اپنی شہوت پوری کرنا جہاں طبیعت ناپسند کرے موجب حد نہیں۔ اس کے بھی بہت سے جوابات ہیں۔

اول: یہ قیاس فاسد ہے۔ سنت رسولؐ اور اجماع صحابہؓ سے اس کے خلاف ثابت ہوتا ہے۔

دوم: ایک خوبصورت لڑکے کے ساتھ لواطت کرنا جس کی محبت انسانی دل ودماغ پر غالب ہو اور ایک گدھی یا مردہ عورت کے ساتھ جماع برابر ہوسکتے ہیں؟ یقیناً یہ قیاس بالکل فاسد ہے۔

سوم: اگر کوئی شخص اپنی ماں، بہن یا بیٹی کے ساتھ جماع کرے تو یقیناً سخت ترین حدود واجب ہوتی ہے۔ ایک قول تو یہ ہے کہ شادی شدہ ہو یا غیر شادی شدہ بہر صورت اسے قتل کر دیا جائے گا۔ امام احمد کی بھی ایک روایت یہی ہے۔ اسحاق بن راہویہ اور محدثین کی ایک جماعت سے بھی یہی ثابت ہے۔ حالانکہ طبیعت کی ناپسندیدگی تو یہاں بھی موجود ہے۔ اس سے بھی ثابت ہوا کہ آپ کی بات قرین قیاس نہیں ہے۔

امام ابوداؤدؒ اور امام ترمذیؒ نے حضرت براء بن عازبؓ سے روایت کیا ہے کہ وہ فرماتے ہیں میں اپنے چچا سے ملا ان کے ہاتھ میں جھنڈا تھا میں نے پوچھا کہاں کا ارادہ ہے؟ کہنے لگے کہ مجھے حضورؐ نے بھیجا ہے کہ میں اس آدمی کی گردن اڑا کر اسکے مال پر قبضہ کرلوں جو باپ کے مرنے کے بعد اس کی بیوی سے شادی کرے۔ امام ترمذیؒ نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ امام جوزجانی فرماتے ہیں کہ حضرت براءؓ کا نام حارث بن عمرو تھا۔

سنن ابی داؤد اور ابن ماجہ میں حضرت ابن عباسؓ کی حدیث موجود ہے کہ

اشبهت اعدائي فصرت احبهم — اذا كان حظي منك حظي منهم
اجد الملامة في هواك لذيذة — حبا لذكرك فليلمني اللوم

شاید مجھ سے جو سوال اور استفتاء پوچھا گیا تھا اس کا مقصود بھی یہی تھا کہ اس کی دوا دریافت کی جائے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جی ہاں! اسکی دوا ضرور موجود ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے کوئی بیماری ایسی نہیں اتاری جس کی دوا نہ ہو۔ البتہ کچھ لوگ اسے جان لیتے ہیں اور کچھ لوگ اس سے ناواقف رہتے ہیں۔ اس دوا کی دو قسمیں۔

(۱) اس بیماری میں مبتلا ہونے سے پہلے اس کا سد باب کرنا

(۲) اس بیماری کا شکار ہونے کے بعد اسکے دفیعہ کی کوشش کرنا۔ اگر انسان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی معاونت ہو تو یہ دونوں آسان ہیں اگر اسکی مدد نہ ہو تو پھر دونوں مشکل ہیں۔ اس بیماری کی دوا دو چیزیں ہیں۔

(۱) نظروں کی حفاظت:

اس بیماری کی سب سے عمدہ دوا نظروں کی حفاظت ہے کیونکہ نگاہ شیطان کے تیروں میں سے ایک تیر ہے۔ ایک لحہ کی نظر بازی کا نقصان بسا اوقات عمر بھر اٹھانا پڑتا ہے۔ نظروں کی حفاظت کے بہت سے فوائد ہیں۔

۱۔ سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ نظروں کی حفاظت میں اطاعت خداوندی ہے۔ یہی انسان کی سعادت کی دلیل ہے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ اس سے بڑھ انسان کی اور کیا سعادت ہو سکتی ہے کہ وہ احکام خداوندی بجا لائے؟ نیز اس سے بڑھ کر کوئی شقاوت اور بدبختی نہیں کہ انسان اللہ تعالیٰ کے احکام کی پاسداری نہ کرے۔

۲۔ نظروں کی حفاظت شیطانی زہر کو دل تک پہنچنے سے مانع ہوتی ہے۔

۳۔ اس سے دلی اطمینان اور اللہ تعالیٰ کی محبت نصیب ہوتی ہے جب کہ بدنظری سے انسانی دل یکسوئی کی دولت سے محروم ہو جاتا ہے۔ اسی لئے دل کے لئے

سب سے زیادہ نقصان دہ چیز بدنظری ہے کیونکہ اس سے انسان اور اللہ تعالیٰ کے درمیان بعد اور دوری پیدا ہوتی ہے۔

۴۔ اس سے دل کو تقویت اور فرحت نصیب ہوتی ہے جب کہ بدنظری دل کو کمزور اور غمگین کر دیتی ہے۔

۵۔ جیسے بدنظری سے دل میں ظلمت پیدا ہوتی ہے اسی طرح نظروں کی حفاظت سے دل میں نورانیت پیدا ہوتی ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے نظروں کی حفاظت والی آیت کے فوراً بعد ''نور'' والی آیت ارشاد فرمائی ہے۔ فرمایا

﴿قُلْ لِلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَ يَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ﴾ (النور: ۳۰)

''آپ مسلمان مردوں سے کہہ دیجئے کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں۔ اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں۔''

اس کے فوراً بعد ارشاد فرمایا:

﴿اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ﴾ (النور: ۳۵)

''اللہ تعالیٰ نور دینے والا ہے آسمانوں کا اور زمین کا اس کے نور کی حالت عجیبہ ایسی ہے جیسے ایک طاق ہے اس میں ایک چراغ ہے۔''

جب انسان کو اللہ کا نور نصیب ہوتا ہے تو وہ اللہ کے احکام کی پیروی کرتا ہے اس کی نافرمانی سے بچتا ہے اور ہر ایک نیکی کی طرف رغبت کرتا ہے۔ اور اگر انسانی دل پر ظلمات چھائی ہوئی ہوں تو ہر طرف سے مصائب اسے گھیر لیتے ہیں۔ بدعت، گمراہی، اتباع نفسانی اور برے کاموں میں ابتلاء یہ سب اسی ظلمت کا نتیجہ ہے۔ اگر انسانی دل سے یہ نور ختم ہو جائے تو اسکی مثال ایسی ہی ہے جیسے ایک اندھا

عباسؓ سے حضرت امام ابوداؤدؒ نے نقل کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جو شخص کسی چوپائے کے ساتھ بدکاری کرے تو اسے قتل کردو اور اس جانور کو بھی قتل کردو۔''[1] نیز وہ یہ بھی دلیل دیتے ہیں کہ جانور سے وطی کسی بھی حال میں جائز نہیں اس لئے ایسے شخص کو بھی لوطی کی طرح قتل کیا جائے گا۔

جو حضرات حد کے قائل نہیں فرماتے ہیں کہ اس مسئلہ میں کوئی صحیح حدیث ہم تک نہیں پہنچی وگرنہ ہم ضرور اس پر عمل کرتے۔

حضرت اسماعیل بن سعید الشالنجی فرماتے ہیں کہ میں نے امام احمد سے سوال کیا کہ جو شخص کسی جانور کے ساتھ بدکاری کرے اس کا کیا حکم ہے؟ آپ نے سکوت اختیار کیا اور عمرو بن ابی عمرو کی حدیث بیان نہیں فرمائی۔ امام طحاوی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث ضعیف ہے۔ نیز اس کے راوی حضرت ابن عباسؓ ہیں اور ان کا مفتی بہ قول یہ ہے کہ ایسے شخص پر حد جاری نہیں ہوتی۔ امام ابوداؤدؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث ضعیف ہے۔ یہ بات بھی واضح ہے کہ چوپایوں کے ساتھ بدکاری انسانی طبیعت کو بہ نسبت لواطت کے زیادہ ناپسند ہے۔ نیز انسانی طبیعتیں بھی مختلف ہیں اسی لئے ایک کو دوسرے پر قیاس کرنا صحیح معلوم نہیں ہوتا۔

فصل

لواطت اور عورتوں کی آپس میں بدکاری:

لواطت کو عورتوں کی آپس کی بدکاری پر قیاس کرنا بالکل غلط ہے۔ البتہ بغیر دخول کے لواطت کو اس پر قیاس کیا جا سکتا ہے۔ البتہ بعض احادیث مرفوعہ میں موجود ہے کہ اگر دو عورتیں آپس میں بدکاری کریں تو وہ زانیہ ہیں۔ لیکن اس کے باوجود ان پر اس لئے حد واجب نہیں ہوتی کہ دخول نہیں پایا گیا اگرچہ اس پر زنا کا اطلاق ہو

[1] علامہ البانی نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ صحیح ابن ماجہ۔

جاتا ہے۔ جیسے کہ ہاتھ پاؤں منہ اور آنکھ وغیرہ پر زنا کا اطلاق ہو جاتا ہے۔

نیز تمام فقاء کا اس پر بھی اجماع ہے کہ اپنے غلام کے ساتھ لواطت کا وہی حکم ہے جو دوسرے کے غلام کے ساتھ لواطت کا ہے۔ بعض حضرات یہ سمجھتے ہیں کہ اپنے غلام کیساتھ لواطت جائز ہے۔ دلیل کے طور پر یہ آیت پیش کرتے ہیں۔

﴿اِلَّا عَلٰی اَزْوَاجِهِمْ اَوْمَا مَلَکَتْ اَیْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَیْرُ مَلُوْمِیْنَ﴾

"لیکن اپنی بیبیوں سے یا اپنی لونڈیوں سے کیونکہ ان پر کوئی الزام نہیں" (المعارج: ۳۰)

نیز اسے اپنی لونڈی پر قیاس کرتے ہیں ایسے شخص کافر ہیں۔ انہیں توبہ کے لئے کہا جائے گا جیسا کہ مرتد کو کہا جاتا ہے اگر توبہ کرلیں تو فبہا وگرنہ ان کی گردن زنی کر دی جائے۔ خلاصہ یہ کہ اپنے غلام کے ساتھ لواطت کرنے کا وہی حکم ہے جو غیر کے غلام کے ساتھ لواطت کرنے کا۔

لواطت کی دوا:

باقی رہا یہ کہ اس تمام کے باوجود اس خطرناک بیماری کا کوئی علاج؟ یا کوئی ایسا طریقہ جس سے انسانی ذہن پر سوار یہ بھوت اتر جائے؟ کیا ایسے عاشق کا عشق بھی زائل ہوسکتا ہے جسے محبوب کے بارے میں کی جانے والی ملاقاتیں بھی لذیذ محسوس ہوں؟ اور جس کا عشق اس کے دل میں مضبوط جڑ پکڑ چکا ہو؟ جیسا کہ ایک شاعر کہتا ہے:

وقف الهوی بی حیث انت فلیس لی متاخرا عنه ولا متقدم

واهنتنی فاهنت نفسی جاهدا!! مامن یهون علیك ممن یکرم

ایمان قول و عمل اور ظاہر و باطن کے مجموعے کا نام ہے۔

نیز ارشاد فرمایا:

﴿مَنْ كَانَ يُرِيدُ الْعِزَّةَ فَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ جَمِيعًا إِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهُ﴾ (فاطر: ۱۰)

''جو شخص عزت حاصل کرنا چاہے تو تمام تر عزت خدا ہی کے لئے ہے۔ اچھا کلام اُسی تک پہنچتا ہے اور اچھا کام اُسی کو پہنچتا ہے۔''

یعنی جو شخص عزت چاہتا ہے وہ اللہ کی اطاعت کرے۔ کلمات طیبات کے ساتھ اس کا ذکر کرے اور نیک اعمال اختیار کرے۔

دعاء قنوت میں ہے:

"انہ لا یذل من والیت ولا یعز من عادیت"۔ "جس کے آپ دوست بن جائیں وہ کبھی ذلیل نہیں ہو سکتا اور جس کے آپ دشمن ہوں وہ کبھی عزت نہیں پا سکتا''۔ جو شخص اللہ کی اطاعت کرتا ہے وہ اس کا دوست ہے اور اطاعت کی بقدر اسے عزت نصیب ہو جاتی ہے۔ اور جو شخص اللہ کی نافرمانی کرتا ہے وہ اللہ کا دشمن ہے اور دشمنی کے مطابق اسے ذلت اٹھانی پڑتی ہے۔

۸۔ چونکہ انسانی دل میں شیطان نظر کے ذریعے داخل ہوتا ہے لہٰذا اگر اس کی حفاظت ہو جائے تو شیطان کا راستہ خود بخود بند ہو جاتا ہے۔ وگرنہ شیطان ہوا کی سی تیزی سے انسانی قلب تک پہنچ جاتا ہے۔ اگر انسان بدنظری کرے تو آہستہ آہستہ اس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ انسان کے دل میں اس کی محبت جاگزین ہو جاتی ہے وہی شخص اس کا قبلہ و کعبہ بن جاتا ہے۔ اسکے دل میں شہوت کی آگ بھڑک اٹھتی ہے اور گناہ جلتی پر تیل کا کام کرتے ہیں۔ پھر کیسے ممکن ہے کہ وہ دل لغویات سے اجتناب کر کے راہ راست پر گامزن ہو۔ ایسے ہی دل ہوتے ہیں جنہیں گناہوں کی لپیٹیں ہر طرف سے گھیر لیتی ہیں اس کی مثال ایسی ہی ہے جیسا کہ ایک بکری کو تنور کے درمیان میں ڈال دیا جائے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے بدنظری کرنے والوں کی یہ سزا تجویز فرمائی ہے کہ

انہیں آگ کے ایک تنور میں ڈال دیا جائے گا۔ قیامت تک وہ برزخ میں اسی حالت میں رہیں گے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو خواب میں دکھایا۔

۹۔ بدنظری سے انسان کے دل میں طرح طرح کے وساوس آتے ہیں۔ لہٰذا حفاظت نظر وساوس کے دفعات کا بہترین ذریعہ ہے، وگرنہ وساوس کے سبب انسانی دل منتشر اور پراگندہ رہتا ہے، اپنی خواہشات کا اتباع کرتا اور حق سے غافل رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوٰهُ وَكَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا﴾ (الکہف: ۲۸)

''اور ایسے شخص کا کہنا نہ مانیے، جس کے قلب کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر رکھا ہے اور وہ اپنی نفسانی خواہش پر چلتا ہے اور اس کا حال حد سے گذر گیا ہے۔''

بدنظری آیت میں موجود تینوں چیزوں کو جنم دیتی ہے۔

۱۰۔ اللہ تعالیٰ نے نگاہ اور قلب کے مابین ایسا ربط رکھا ہے کہ ایک کی اصلاح و فساد کا اثر دوسرے پر ضرور ہوتا ہے۔ اگر نگاہ صحیح ہوئی تو دل صحیح ہوگا اگر دل صحیح ہوا تو نگاہ صحیح ہوگی۔ اور اسی طرح بالعکس۔ تو بدنظری فساد قلب کا سبب ہے۔ یہ دل کو کوڑا کرکٹ کی جگہ میں تبدیل کر دیتی ہے۔ پھر اس دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت، اس کی اطاعت اور اس سے تعلق کیونکر پیدا ہو سکتا ہے؟

بدنظری سے حفاظت کے یہ چند فوائد ہیں جن کے بارے میں ہم آپ کو بتا چکے ہیں۔

(۲) دل کی حفاظت:

مرض لواطت کی دوسری دوا دل کی حفاظت ہے۔ یعنی ہمت کر کے دل کو اس فعل شنیع سے باز رکھنا۔ دل دو چیزوں کے سبب گناہ سے رکتا ہے۔ (۱) خوف۔

گھٹا ٹوپ اندھیروں میں کوئی چیز تلاش کرے۔

۶۔ حفاظت نظر سے انسان کو فراست صادقہ نصیب ہوتی ہے جس کے ذریعے وہ حق و باطل اور سچ اور جھوٹ میں تمیز کر سکتا ہے۔ حضرت شجاع کرمانیؒ فرماتے تھے: ''جو شخص اپنے ظاہر کو اتباع سنت اور باطن کو دوام مراقبہ سے مزین رکھتا ہو، بدنظری اور شبہات سے خود کو محفوظ رکھتا ہو اور رزق حلال کھاتا ہو تو اللہ تعالیٰ اس کی فراست کو خطا سے محفوظ رکھتے ہیں۔ حضرت شجاعؒ کی فراست بھی غلطی سے محفوظ تھی۔

اللہ تعالیٰ کے لئے جو کام بھی کیا جائے اللہ تعالیٰ اس کے بدلہ میں اسی عمل کی جنس عطاء فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے لئے اگر کوئی شخص کوئی چیز ترک کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس سے بہتر عطاء فرماتے ہیں۔ اسی لئے اگر کوئی شخص اپنی نگاہ کو بدنظری سے محفوظ رکھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے نور بصیرت عطاء فرماتے ہیں۔ اور اس پر علم و عمل، ایمان اور فراست صادقہ کا دروازہ کھول دیتے ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿لَعَمْرُكَ اِنَّهُمْ لَفِىْ سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُوْنَ﴾ (الحجر:۷۲)

''آپ کی جان کی قسم! وہ اپنی مستی میں مدہوش تھے۔''

اللہ تعالیٰ نے پہلے نشہ کو بیان کیا جو فسادِ عقل ہے۔ پھر سرگردانی کو بیان فرمایا جو فسادِ بصیرت ہے۔ لہٰذا بدنظری فسادِ عقل، فسادِ بصیرت اور فسادِ دل کا باعث ہوتی ہے۔

جیسا کہ کسی شاعر نے کہا ہے۔

سکران سکر هوى و سکر مدامة   و متى افاقة من به سکران

''جو شخص محبت اور شراب دونوں کے نشہ میں مخمور ہو وہ ہوش میں کب آ سکتا ہے؟''

ایک اور شاعر کے اشعار ہیں:

قالوا جننت بمن تهوى فقلت لهم　　　العشق اعظم مما بالمجانين
العشق لا يستفيق الدهر صاحبه　　　و انما يصرع المجنون فى الحين

''لوگوں نے کہا کہ تو محبوب کے عشق میں مجنوں ہو چکا ہے میں نے انہیں جواب دیا کہ عشق تو جنون سے بھی بڑی مصیبت ہے۔ عشق میں مبتلاء شخص مدتوں ہوش میں نہیں آ سکتا جبکہ مجنون تو کچھ دیر کیلئے مبتلائے جنون ہوتا ہے''۔

۶۔ حفاظت نظر سے دل میں شجاعت اور قوت پیدا ہوتی ہے۔ اس کے سبب اللہ تعالیٰ ظاہری اور باطنی دونوں قوتوں سے نوازتے ہیں۔ مشہور مقولہ ہے ''جو اپنی خواہشات کی مخالفت کرتا ہے شیطان اس کے سایہ سے بھی بھاگتا ہے''۔ جو شخص خواہشات نفسانی کی اتباع کرتا ہے اس کا نفس خسیس اور ذلیل ہو جاتا ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں کی اس سے حفاظت فرماتے ہیں۔ حضرت حسن فرماتے ہیں کہ گناہگار اگرچہ عمدہ قسم کے تیز رو خچروں پر سوار ہو جائیں پھر بھی اللہ تعالیٰ انہیں ضرور ذلیل کرے گا۔ اللہ تعالیٰ نے عزت اپنی اطاعت اور ذلت اپنی معصیت میں رکھی ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَ لِرَسُوْلِهٖ وَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ﴾ (المنفقون: ۸)

''اور اللہ ہی کی عزت ہے اور اس کے رسول کی اور مسلمانوں کی۔''

نیز ارشاد گرامی ہے:

﴿وَلَاتَهِنُوْا وَ لَا تَحْزَنُوْا وَ اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ﴾ (آل عمران: ۱۳۹)

''اور تم ہمت مت ہارو اور رنج مت کرو اور غالب تم ہی رہو گے اگر تم پورے مؤمن رہے۔''

(۲) محبت حقیقی، جب دل عشق مجازی سے سرشار ہو اور اس کے سوا کسی دوسری چیز میں اسے نفع نہ دکھائی دیتا ہو تو وہ یقیناً اس کے نقصانات کا خیال نہیں کرے گا اور برابر اس مرض میں مبتلا رہے گا۔

اس کی وضاحت اس طرح کی جاسکتی ہے کہ انسان اپنے محبوب کو صرف دو وجہ سے چھوڑ سکتا ہے یا تو اس سبب سے کہ اس سے زیادہ خوبصورت کوئی اور محبوب مل جائے یا پھر اس محبوب کے مل جانے میں کوئی اتنا بڑا نقصان ہو جو محبوب کے نہ ملنے کے نقصان سے بھی بڑا ہو۔ لیکن اس بات کا حصول دو چیزوں پر موقوف ہے۔

(۱) بصیرت صحیحہ جس کے ذریعے انسان محبوب کے مراتب کا ادراک کر سکے۔ تبھی تو اسان ادنی اور اعلیٰ محبوب کا امتیاز کر کے اعلی کو ادنی پر ترجیح دے سکتا ہے۔ اور یہ بصیرت صحیحہ انسانی عقل کا خاصہ ہے۔ جو شخص اس سے محروم ہے وہ عقلمند نہیں ہے بلکہ وہ تو جانوروں سے بھی زیادہ بے عقل ہے۔

(۱) قوت عزم اور صبر جس کے ذریعے انسان کسی کام کے کرنے یا اس کے ترک کے قابل ہوتا ہے۔ کیونکہ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ انسان کسی کام کے مضرات کو جانتا ہے لیکن کم ہمتی اور کمزور ارادہ کے سبب اس سے رک نہیں سکتا۔ ایسا شخص نہ تو خود کو کوئی فائدہ پہنچا سکتا ہے اور نہ ہی کسی اور کو۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اہلِ صبر و اہل یقین کو دینی امامت کے شرف سے مشرف فرمایا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا وَكَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يُوْقِنُوْنَ﴾ (السجدہ:۲۴)

''اور ہم نے ان میں بہت سے پیشوا بنا دیئے تھے جو ہمارے حکم سے ہدایت کیا کرتے تھے۔''

بلند ہمت لوگ اپنے عمل سے خود بھی فائدہ اٹھاتے ہیں اور دیگر لوگ بھی ان کے عمل سے بہرہ مند ہوتے ہیں جب کہ کم ہمت لوگ نہ تو اپنے عمل سے خود فائدہ اٹھاتے ہیں اور نہ ہی ان کے عمل سے دیگر افراد کو کچھ فائدہ پہنچتا ہے۔ البتہ بعض لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جو اپنے عمل سے خود تو متمتع ہو جاتے ہیں اوروں کو کچھ فائدہ نہیں پہنچا سکتے۔

پہلی قسم کے لوگ وہ ہیں جو اپنے نور کی روشنی میں چلتے ہیں اور دیگر لوگ بھی ان کے نور سے فیض یاب ہوتے ہیں۔ دوسری قسم کے لوگوں کی مثال یہ ہے کہ جو خود بھی اندھیروں میں بھٹکے ہوئے ہوں اور ان کے متبعین بھی گمراہ ہوں۔ تیسری قسم کے لوگ وہ ہیں جو اپنے نور سے خود تو مستفیض ہو سکتے ہیں لیکن کسی دوسرے کو فائدہ نہیں پہنچا سکتے۔

محبوب ایک ہی ہونا چاہیئے

گذشتہ باتوں سے یہ بات بدیہی طور پر معلوم ہوتی ہے کہ عشق حقیقی اور عشق مجازی اکٹھے نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ یہ ایک دوسرے کی ضد ہیں اس لئے ضروری ہے کہ انسان اپنے دل سے ایک کو نکال باہر کرے۔ اللہ تعالیٰ کی محبت چونکہ حقیقی اور قوی ترین ہے اس لئے اسے دل میں بسا کر بتانِ ماہرویاں سے اپنے دل کو خالی کرے۔ اگر کسی بھی انسان سے محبت رکھے تو صرف اور صرف اللہ کے لئے یا اس لئے کہ یہ شخص اللہ تعالیٰ کی محبت کا وسیلہ ہے۔ اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی محبت کے لئے رکاوٹ ہو اس سے قطع تعلقی ضروری ہے۔

محبت صادقہ کا تقاضا یہی ہے کہ انسان صرف اور صرف ایک سے محبت رکھے کسی دوسرے کو اس کی محبت میں شریک نہ کرے۔ جب دنیاوی محبوب اپنی محبت میں کسی دوسرے کی شرکت گوارہ نہیں کرتا بلکہ اسے اپنی محبت میں جھوٹا شمار کرتا ہے

اسکے ساتھ ناراضگی کا اظہار کیا جاتا ہے اور اسے مجبور کیا جاتا ہے کہ وہ اپنی تمام محبت صرف ایک پر مبذول کرے تو اللہ تعالیٰ بھی اپنی محبت میں کسی دوسرے کی شرکت پسند نہیں فرماتے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ اپنی محبت میں شرک کرنے والے کی مغفرت نہیں فرماتے۔ اس کے علاوہ جس کی چاہتے ہیں بخشش فرما دیتے ہیں۔ پس ثابت ہوا کہ عشق مجازی میں مبتلا عشق حقیقی سے محروم ہو جاتا ہے۔ جس کے بغیر نہ ہی انسان اچھی زندگی گزار سکتا ہے اور نہ ہی اسے کوئی صلاح و نیکی نصیب ہوتی ہے۔

انسان ان دو محبتوں میں سے ایک کو ہی اختیار کر سکتا ہے کیونکہ یہ دونوں محبتیں نہ تو دل میں بیک وقت اکٹھی ہو سکتی ہیں اور نہ ہی دل ان دونوں سے خالی ہو سکتا ہے۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کی محبت، اس کے ذکر اور اسکی ملاقات سے اعراض کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے عشق مجازی میں مبتلا کر دیتا ہے جسکے سبب وہ دنیا، آخرت اور برزخ میں ہر جگہ پریشان رہتا ہے۔ کبھی اپنے ہاتھوں سے تراشے ہوئے بتوں سے محبت کرتا ہے، کبھی عورتوں اور لڑکوں کے دام میں گرفتار ہوتا ہے اور کبھی خاندان اور بھائیوں کی الفت کا اسیر بنتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی محبت کو چھوڑ کر ان حضرات کی محبت میں گرفتار ہونا یقیناً اعلیٰ کام کو چھوڑ کر حقیر کام کے درپے ہونا ہے۔ انسان تو عبد اور غلام ہے۔ اس کا محبوب تو بس خدا ہی ہونا چاہیئے۔ ایک شاعر کہتا ہے:

انت القتیل بکل من احببته   فاختر لنفسك فی الهوی من تصطفی

''تیرے ہر محبوب نے تجھے گزند پہنچائی ہے پس تجھے اپنی محبت کیلئے کسی برگزیدہ ہستی کا انتخاب کرنا چاہیئے''۔

جس شخص کا خدا اس کا مالک اور مولیٰ نہ ہو تو پھر اسکا خدا اس کی خواہشات ہوتی ہیں۔ ارشاد خداوندی ہے:

﴿اَفَرَاَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ وَاَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ وَّ

خَتَمَ عَلٰی سَمْعِهٖ وَقَلْبِهٖ وَجَعَلَ عَلٰی بَصَرِهٖ غِشٰوَةً فَمَنْ يَّهْدِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ اللّٰهِ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ﴾ (الجاثیہ:۲۳)

''سو کیا آپ نے اس شخص کی حالت بھی دیکھی جس نے اپنا خدا اپنی خواہش نفسانی کو بنا رکھا ہے اور خدا تعالیٰ نے اس کو باوجود سمجھ بوجھ کے گمراہ کر دیا ہے۔ اور اس کے کان اور دل پر مہر لگا دی ہے اور اُس کی آنکھ پر پردہ ڈال دیا ہے۔ سو ایسے شخص کو بعد خدا کے کون ہدایت کرے۔ کیا تم پھر بھی نہیں سمجھتے۔''

عبادت کی خصوصیت:

عبادت کی خصوصیت یہ ہے کہ انسان اپنے معبود سے محبت بھی رکھے اور ساتھ ساتھ اس کی اطاعت بھی کرے۔ جو شخص اپنے محبوب سے محبت رکھتا اور اس کی فرماں برداری کرتا ہے تو درحقیقت وہ دل سے اس کی عبادت میں مشغول ہے۔ بلکہ عبادت محبت ہی کے درجہ کا نام ہے۔ محبت کے پہلے درجہ کا نام علاقہ (تعلق) ہے۔ محبت کو علاقہ اس لئے کہتے ہیں کہ یہ عاشق اور محبوب کے درمیان تعلق کا ذریعہ ہے۔ شاعر کہتا ہے:

وعلقت ليلى و هي ذات تمائم   و لم يبد للاتراب من ثديها حجم

ایک اور شعر ہے:

''میں اس وقت تعویذوں والی لیلیٰ پر فریفتہ ہوا جب اس کی ہم عمر لڑکیوں کے سینہ کا ابھار بھی ظاہر نہیں ہوا تھا''۔

اعلاقة ام الوليد بعيد ما   افنان راسك كالثغام المخلس

''ام ولید کے ساتھ محبت فضول ہے جبکہ تیرے سر کے بال ثغام کی طرح

سفید ہو گئے ہیں"۔

علاقہ کے بعد محبت کا درجہ صبابہ (محو ہونا) ہے۔ محبت کو صبابہ اس لئے کہتے ہیں کہ محبت میں انسان کا دل محبوب میں محو ہو جاتا ہے۔ شاعر کہتا ہے:

تشکی المحبون الصبابة لیتنی تحملت ما یلقون من بینهم و حدی

فکانت لقلبی لذة الحب کلها فلم یلقها قبلی محب ولا بعدی

"عاشق محبت کی شکایت کرتے ہیں۔ اے کاش جس میں وہ مبتلا ہیں۔ میں اس میں تنہا مبتلا ہوتا، پس محبت کی ساری لذتیں مجھے حاصل ہو جاتیں، نہ کوئی عاشق مجھ سے پہلے ان لذتوں سے بہرہ ور ہوسکتا اور نہ ہی میرے بعد"۔

اس کے بعد درجہ ہے غرام (چمٹ جانا) کا۔ محبت کو غرام اس لئے کہتے ہیں کہ یہ دل سے چمٹ جاتی ہے پھر اس سے جدا نہیں ہوتی۔ قرض خواہ کو بھی غریم اسی لئے کہتے ہیں کہ وہ مقروض سے چمٹ جاتا ہے۔ نیز ارشاد خداوندی ہے:

﴿اِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَاماً﴾ (الفرقان: ۶۵)

"کیونکہ اس کا عذاب پوری تباہی ہے۔"

متاخرین نے اس لفظ کو محبت کے معنی میں بہت زیادہ استعمال کیا ہے۔ عرب کے قدیم اشعار میں اس کا استعمال بہت کم ہے۔

اس کے بعد عشق کا درجہ ہے اور یہ محبت میں افراط کو کہتے ہیں۔ اسی لئے اللہ تبارک و تعالیٰ کے لئے یہ لفظ استعمال نہیں ہوتا۔ اس کے بعد درجہ ہے شوق کا شوق کہتے ہیں دل کا محبوب کی طرف بہت زیادہ متوجہ ہونا۔ مسند احمد میں لفظ "شوق" کو اللہ تعالیٰ کے حق میں استعمال کیا ہے۔ حضرت عمار بن یاسرؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے نماز پڑھی اور مختصر دعا فرمائی۔ جب ان سے پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ میں نے وہ دعاء کی ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے۔

﴿اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْأَلُكَ بِعِلْمِكَ الْغَیْبِ وَقُدْرَتِكَ عَلَى الْخَلْقِ اَحْیِنِیْ اِذَا كَانَتِ الْحَیَاةُ خَیْرًا لِّیْ وَتَوَفَّنِیْ اِذَا كَانَتِ الْوَفَاةُ خَیْرًا لِّیْ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْأَلُكَ خَشْیَتَكَ فِی الْغَیْبِ وَالشَّهَادَةِ وَاَسْأَلُكَ كَلِمَةَ الْحَقِّ فِي الْغَضَبِ وَالرِّضٰى وَاَسْأَلُكَ الْقَصْدَ فِي الْفَقْرِ وَالْغِنٰى وَاَسْأَلُكَ نَعِیْمًا لَّا یَنْفَدُ وَاَسْأَلُكَ قُرَّةَ عَیْنٍ لَّا تَنْقَطِعُ وَأَسْأَلُكَ بَرْدَ الْعَیْنِ بَعْدَ الْمَوْتِ وَاَسْأَلُكَ لَذَّةَ النَّظَرِ اِلٰى وَجْهِكَ وَ أَسْأَلُكَ الشَّوْقَ اِلٰى لِقَائِكَ فِیْ غَیْرِ ضَرَّاءَ مُضِرَّةٍ وَلَا فِتْنَةٍ مُضِلَّةٍ اَللّٰهُمَّ زَیِّنَّا بِزِیْنَةِ الْاِیْمَانِ وَاجْعَلْنَا هُدَاةً مُّهْتَدِیْنَ﴾

’’اے اللہ میں تجھ سے تیرے علم غیب اور مخلوق پر قدرت کے سبب سوال کرتا ہوں کہ جب تک میرے لئے زندگی بہتر ہو مجھے زندہ رکھ اور جب میرے لئے موت بہتر ہوتو مجھے موت دیدے۔ اے اللہ مجھے لوگوں کے سامنے اور تنہائی میں اپنی خشیت عطاء فرما غضب اور رضا دونوں میں کلمہ حق اور فقر وغنا دونوں میں میانہ روی عطا فرما۔ اے اللہ میں تجھ سے نہ ختم ہونے والی نعمتوں، آنکھوں کی ٹھنڈک، موت کے بعد راحت، جنت میں تیری زیارت اور تیری ملاقات کے ’’شوق‘‘ کا سوال کرتا ہوں۔ اے اللہ مجھے نقصان دہ بیماری اور گمراہ کن فتنے سے بچا۔ اے اللہ ہمیں ایمان سے مزین فرما اور ہمیں ہدایت یافتہ ہادی بنادے۔‘‘[1]

---

[1] نسائی۔ حاکم۔

ایک اثر میں موجود ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

نیک لوگوں کو میری ملاقات کا بہت زیادہ شوق ہے اور میں ان کی ملاقات کا اس سے بھی زیادہ شوق رکھتا ہوں۔

مندرجہ ذیل فرمان نبویؐ کا بھی یہی مفہوم ہے۔

﴿من احب لقاء اللّٰہ احب اللّٰہ لقاء ہ[1]﴾

''جو اللہ کی ملاقات کو پسند کرتا ہے اللہ اس کی ملاقات کو پسند کرتا ہے۔''

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿مَنْ كَانَ يَرْجُوْلِقَآءَ اللّٰهِ فَاِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ لَاٰتٍ﴾ (العنکبوت:۵)

''جو شخص اللہ سے ملنے کی امید رکھتا ہو سو اللہ کا وہ معین وقت ضرور ہی آنے والا ہے۔''

اس آیت کے بارہ میں بعض اہل نظر فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے اولیاء کے شدت شوق کو ملاحظہ فرمایا تو ان کیلئے ایک ایسا وقت مقرر فرمایا جس میں اللہ تعالیٰ اپنے محبوین کو شربت وصال سے مخمور فرمائیں، اور انہیں دنیا میں بھی ایسی حقیقی پاکیزہ زندگی عطا فرمائیں جس سے بہتر کا تصور نہ ہو سکے۔ اسی حیات طیبہ کا تذکرہ اللہ تعالیٰ نے اس آیہء مبارکہ میں فرمایا ہے۔

﴿مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْاُنْثٰى وَ هُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً﴾ (النحل:۹۷)

جو شخص کوئی نیک کام کرے گا خواہ وہ مرد ہو یا عورت بشرطیکہ صاحب ایمان ہو تو ہم اُس شخص کو بالطف زندگی دیں گے۔''

اس حیات طیبہ سے مراد وہ زندگی نہیں ہوسکتی جو کفار و مسلمین اور نیک و بد دونوں میں مشترک ہو۔ بلکہ اس سے مراد وہ حقیقی پاکیزہ زندگی ہے جس کا اللہ تعالیٰ

---

[1] مسند احمد، ترمذی، نسائی۔

نے اپنے بندوں سے وعدہ کیا ہوا ہے۔ اور وہ پاکیزہ زندگی یقیناً یہ ہے کہ تمام غم ختم ہوکر صرف ایک غم رہ جائے یعنی اللہ تعالیٰ کی رضا کے حصول کی دھن پیدا ہوجائے۔ اسی کے ذکر سے قلبی تسکین اور دلی راحت حاصل ہو۔ یعنی تمام زندگی کا مقصد اللہ تعالیٰ کا قرب ہو۔ انسان کی یہ حالت ہوجائے کہ اللہ ہی کے حکم سے بولے، اسی کے حکم سے خاموش رہے، اسی کے حکم سے سنے اسی کے حکم سے دیکھئے، اسی کے حکم سے پکڑے اسی کے حکم سے چلے، اسی کے حکم کے مطابق اپنی تمام زندگی بسر کرے اور اسی کے حکم کے مطابق جان دے۔

بخاری شریف میں روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

جب کوئی شخص میرے فرائض پر عمل کرتا ہے تو میں اسے اپنے قرب سے نوازتا ہوں۔ وہ جتنے میرے نوافل ادا کرے میں اس سے اتنی ہی محبت کرتا ہوں۔ جب میں اس سے محبت کرتا ہوں تو پھر میں اس کا کان بن جاتا ہوں جس کے ذریعے وہ سنتا ہے۔ اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس کے ذریعے وہ دیکھتا ہے۔ اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس کے ذریعے وہ پکڑتا ہے، اس کا پاؤں بن جاتا ہوں جس کے ذریعے وہ چلتا ہے۔ پس وہ میرے ذریعے سنتا ہے، میرے ذریعے دیکھتا ہے، میرے ذریعے چلتا ہے۔ اگر وہ مجھ سے سوال کرے تو میں اسے ضرور دیتا ہوں، اگر مجھے سے پناہ مانگے تو اسے پناہ دیتا ہوں۔ جو میں کرتا ہوں مجھے اس میں تردد نہیں ہوتا، ہاں! مگر اس مؤمن کی روح قبض کرتے ہوئے مجھے تردد ہوتا ہے جو موت کو ناپسند کرے۔ میں اسے تکلیف دینے کو ناپسند کرتا ہوں لیکن یہ ضروری ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس حدیث شریف میں اپنی محبت کے اسباب کو دو چیزوں میں منحصر فرمایا ہے۔ ادائیگی فرائض اور کثرت نوافل میں اور بتا دیا ہے کہ اداء فرائض ونوافل اس کی محبت کا ذریعہ ہیں۔ انسان جس قدر فرائض اور نوافل کا اہتمام کرے گا اسی قدر اسے اللہ تعالیٰ کی محبت نصیب ہوگی۔ اور جب اسے اللہ تعالیٰ کی یہ شدید محبت نصیب ہوگی تو اس کے دل سے تمام غم دور ہو جائیں گے صرف اللہ کا غم باقی رہے گا۔ اس کے ذکر

سے دل و جاں کو سکون نصیب ہوگا

غرضیکہ یہ محبت اس کی زندگی کے تمام افعال پر اثر انداز ہوگی۔ پھر انسان اگر سنتا ہے تو اپنے محبوب حقیقی کے ساتھ، پکڑتا ہے تو محبوب حقیقی کے ساتھ اور چلتا ہے تو محبوب حقیقی کے ساتھ۔ اللہ تعالیٰ اس کے دل میں اتر جاتے ہیں اس کے انیس اور رفیق بن جاتے ہیں۔ اور اپنی بے مثال مصاحبت سے اسے نوازتے ہیں جس کا علم چکھ کر ہوسکتا ہے نہ کہ صرف جان کر۔

جب انسان کو ایک فانی مخلوق کے ساتھ اتنی محبت ہو جاتی ہے کہ ہر وقت اس کا خیال اس کے دل میں گردش کرتا رہتا ہے اور یہ چاہنے کے باوجود اسے بھلا نہیں سکتا۔

ایک شاعر کہتا ہے

خيالك في عيني وذكرك في فمي　　　ومثواك في قلبي فاين تغيب

تیرا تصور میری آنکھوں میں سمایا ہوا ہے اور میری زبان تیرے ذکر سے سرشار ہے اور میرا دل تیرا ٹھکانا ہے پس تو کیسے غائب ہوسکتا ہے؟

ایک اور شاعر کہتا ہے

ومن عجبي اني احسن اليهم　　　فأسال من هم من لقيت وهم معي

وتطلبهم عيني وهم في سوادها　　　ويشاقهم قلبي وهم بين اضلعي

کتنے تعجب کی بات ہے کہ مین اپنے ہر ملنے والے سے اپنے محبوب کے متعلق سوال کرتا ہوں حالانکہ وہ میرے ساتھ ہوتا ہے۔ میری آنکھیں انہیں تلاش کرتی ہیں حالانکہ وہ آنکھوں کی پتلیوں میں سمایا ہوا ہے۔ میرا دل اس کا مشتاق ہے حالانکہ وہ میری پسلیوں کے درمیان ہے۔

ایک اور بہترین شعر ہے۔

ان قلت غبت فقلبی لا یصد قنی   اذانت فیہ مکان السرلم تغب

اگر میں کہوں کہ تو غائب ہے تو میرا دل یہ ماننے کو تیار نہیں ہوتا کیونکہ تو اپنے باپردہ مکان سے غائب نہیں ہوسکتا۔

اور کبھی کبھار تو یہ محبت اتنی شدید ہوجاتی ہے کہ انسان خود کو فراموش کر دیتا ہے۔ لیکن اپنے محبوب سے غافل نہیں ہوسکتا۔

ارید لانسی ذکر ھا فکا نما   تمثل لی لیلی بکل سبیل

میں اس کی یاد بھلانا چاہتا ہوں گویا کہ لیلیٰ کی صورت ہر وقت میرے سامنے رہتی ہے۔

نیز

یرادمن القلب نسیانکم   ویتابی الطباع علی الناقل

دل سے تمہیں بھلانے کا ارادہ تو کیا جاتا ہے لیکن طبیعت یہ ماننے کیلئے تیار نہیں ہوتی۔

حدیث شریف میں کان، آنکھ، ہاتھ اور پاؤں کا تذکرہ اس لئے کیا ہے کہ یہ آلاتِ ادراک اور آلاتِ فعل ہیں۔ آنکھ اور کان کے ذریعے دل میں کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کا ارادہ پیدا ہوتا ہے، انہیں کے ذریعے کسی کی محبت یا بغض دل میں جگہ پکڑتا ہے، بعد ازاں ہاتھ اور پاؤں استعمال ہوتے ہیں۔ جب یہ تمام آلات محفوظ ہونگے تو انسان کا دل اور اس کے تمام افعال محفوظ ہو جائیں گے۔

یہ بھی سمجھ لینا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے ہاتھ پاؤں آنکھ اور کان کو ذکر فرمایا لیکن زبان کو ذکر نہیں فرمایا، اس لئے کہ آنکھ اور کان انسان کبھی اختیار کے ساتھ استعمال کرتا ہے اور کبھی بغیر اختیار کے۔ اسی طرح ہاتھ اور پاؤں کا استعمال بھی انسان کے لئے ازبس ضروری ہے۔ لہٰذا ان چیزوں کا ذکر فرمایا جس میں ارادہ اور عدم ارادہ

دونوں موجود ہیں جبکہ زبان تو بغیر ارادہ کے حرکت ہی نہیں کر سکتی اس لئے اس کے ذکر کی ضرورت نہیں۔ نیز یہ کہ زبان چونکہ دل کی ترجمان ہے لہذا دل کا اثر زبان پر بہ نسبت دیگر اعضاء کے بہت زیادہ ہوتا ہے۔

یہ کتنی بڑی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ انسان کے کان، آنکھ، ہاتھ اور پاؤں بن جاتے ہیں یعنی بندے کے ہر قسم کے ادراکات میں اللہ کی معیت اس کے ساتھ ہوتی ہے۔

نیز اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں فبی یسمع وہ میرے ساتھ سنتا ہے، یہ نہیں فرمایا کہ لی یسمع وہ میرے لئے سنتا ہے۔ کیونکہ فبی یسمع میں ''ب'' کا مطلب صرف استعانت نہیں کہ وہ اللہ کی مدد سے سنتا ہے کیونکہ گناہ گار بھی اللہ کی مدد سے ہی ادراک کرتے ہیں بلکہ یہاں ''ب'' کا معنٰی مصاحبت ہے یعنی وہ پکڑتا ہے، دیکھتا ہے، سنتا ہے اور میں اس کے ہاتھ ہو جاتا ہوں جیسے کہ ایک اور حدیث میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

جب بھی انسان مجھے یاد کرنے کے لئے ہونٹوں کو جنبش دیتا ہے میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں۔ مذکورہ ذیل آیت میں بھی اسی معیت کی طرف اشارہ ہے

﴿لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا﴾ (التوبہ:۴۰)

''تم غم نہ کرو یقیناً اللہ تعالیٰ ہمارے ہمراہ ہے۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارا ان دو کے بارہ میں کیا خیال ہے جن کے تیسرے اللہ تعالیٰ ہیں۔

نیز اس آیت ہیں۔

﴿وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ﴾ (العنکبوت:۶۹)

''اور بیشک اللہ تعالیٰ ایسے خلوص والوں کیساتھ ہے۔''

اور اس آیت میں

﴿اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الَّذِیْنَ اتَّقَوْ وَّ الَّذِیْنَ ھُمْ مُّحْسِنُوْنَ﴾ (النحل:۱۲۸)

''اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کے ساتھ ہوتا ہے جو پرہیزگار ہوتے ہیں اور جو نیک کردار ہوتے ہیں۔''

اور اس آیت میں

﴿وَاصْبِرُوْا اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ﴾ (انفال:۴۶)

''اور صبر کرو بیشک اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔''

اور اس آیت میں

﴿کَلَّآ اِنَّ مَعِیَ رَبِّیْ سَیَھْدِیْنِ﴾ (شعراء:۶۲)

''ہرگز نہیں! کیونکہ میرے ہمراہ میرا پروردگار ہے وہ مجھ کو ابھی رستہ بتلا دے گا۔''

نیز اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ اور ہارونؑ سے فرمایا

﴿اِنَّنِیْ مَعَکُمَآ اَسْمَعُ وَاَرٰی﴾ (طٰہٰ:۴۶)

''میں تم دونوں کے ساتھ ہوں۔ سب سنتا دیکھتا ہوں۔''

پس حدیث میں موجود ''ب'' سے یہی معیت خاصہ مراد ہے۔ تمام مومنین کو اخلاص، توکل اور صبر اسی معیت سے حاصل ہوتا ہے۔ جب مسلمان کو یہ معیت حاصل ہوجاتی ہے تو پھر اس کی تمام مشکلات آسان بن جاتی ہیں کسی قسم کا غم یا پریشانی اس کے قریب بھی نہیں آسکتی کیونکہ جب اللہ ساتھ ہوں تو پھر غم کس بات کا؟ ہاں! اگر یہ معیت ختم ہوجائے تو پھر انسان اسی طرح مضطرب ہوتا ہے جس طرح مچھلی پانی کے بغیر تڑپتی ہے۔

جب انسان کو یہ معیت حاصل ہوجاتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی حاجات کو پورا

فرماتے ہیں۔ ارشاد گرامی ہے۔ اگر مجھ سے مانگے میں ضرور دیتا ہوں اور اگر میری پناہ میں آنا چاہے تو میں اسے اپنی پناہ میں لے لیتا ہوں۔ یعنی جیسے اس نے میرے احکامات پر عمل کیا میں اس کی خواہشات کا احترام کرتا ہوں۔ چونکہ یہ موافقت جانبین سے ہوتی ہے اس لئے اللہ تعالیٰ کو اسے موت دیتے ہوئے تردد ہوتا ہے۔ لیکن اس کی مصلحت کا تقاضا یہی ہے کہ اسے موت دے۔ کیونکہ موتِ حقیقی زندگی کا پیش خیمہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے جنت سے نکال کر باپ کی پیٹھ میں اسی لئے منتقل کیا تھا تا کہ پہلے سے اچھی حالت میں دوبارہ جنت بھیجا جاسکے۔ حضرت آدمؑ کو بھی اخرج منھا (جنت سے نکل جاؤ) اسی لئے فرمایا تھا تا کہ اس میں دوبارہ بھیجا جاسکے۔ اللہ تعالیٰ ہی تو اصل محبوب ہیں انسان کے ہر بن مو میں اس کی محبت راسخ ہونی چاہیے۔

نقل فوادك حيث شئت من الهوى   ماالحب الا للحبيب الاول

كم منزل فى الارض يالفه الفتى   وحنينه ابدا لاول منزل

جب بھی تو محبت میں مبتلا ہوتا ہے تیرا دل اس سے بھٹکتا ہے لیکن اصل محبت پہلے محبوب کیلئے ہی ہوتی ہے۔ دنیا میں کتنے گھر میں جس سے انسان محبت رکھتا ہے لیکن اس کا دلی اشتیاق پہلے گھر کی طرف ہی ہوتا ہے۔

محبت کا آخری درجہ

عبادت محبت کا آخری درجہ ہے۔ عبادت کی حقیقت ہے محبوب کے سامنے سر تسلیم خم کرنا اور اس کی ہر بات کو بلا چون وچرا تسلیم کرنا۔ اسی لئے عبد کا افضل ترین مقام عبدیتِ ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام عبدیتِ کو مقام دعوت، مقام نبوت اور مقام معراج کی جگہ اسی لئے ذکر فرمایا ہے کہ مقام عبدیتِ افضل ترین اور اشرف ترین ہے۔ ارشاد باری ہے:

﴿وَ اَنَّهُ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللّٰهِ يَدْعُوْهُ كَادُوْا يَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِ

لِبَدًا﴾ (جن:۱۹)

''اور جب خدا کا خاص بندہ خدا کی عبادت کرنے کھڑا ہوتا ہے تو یہ لوگ اس بندہ پر بھیڑ لگانے کو ہو جاتے ہیں۔''

﴿وَ اِنۡ کُنۡتُمۡ فِیۡ رَیۡبٍ مِّمَّا نَزَّلۡنَا عَلٰی عَبۡدِنَا فَاۡتُوۡا بِسُوۡرَۃٍ مِّنۡ مِّثۡلِہٖ﴾ (البقرہ:۲۳)

''اور اگر تم لوگ کچھ خلجانی میں ہو اس کتاب کی نسبت جو ہم نے نازل فرمائی ہے اپنے بندہ خاص پر تو اچھا پھر تم بنا لاؤ ایک محدود ٹکڑا جو اس کا ہم پلہ ہو۔''

﴿سُبۡحٰنَ الَّذِیۡۤ اَسۡرٰی بِعَبۡدِہٖ لَیۡلًا مِّنَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ اِلَی الۡمَسۡجِدِ الۡاَقۡصَا﴾ (اسراء:۱)

''وہ ذات پاک ہے جو اپنے بندے کو لے گئی شب کے وقت مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک۔''

حدیث شفاعت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف جاؤ اللہ تعالیٰ نے ان کے پہلے اور بعد میں ہونے والے تمام خلاف اولیٰ کام معاف فرمادیئے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ مقام شفاعت کمال عبدیت اور کمال مغفرت سے حاصل ہوا۔ کمال عبدیت ہی حقیقت اسلام ہے اور یہی ملت ابراہیم ہے۔

ارشاد خداوندی ہے۔

﴿وَمَنۡ یَّرۡغَبُ عَنۡ مِّلَّۃِ اِبۡرٰہٖمَ اِلَّا مَنۡ سَفِہَ نَفۡسَہٗ .... وَنَحۡنُ لَہٗ مُسۡلِمُوۡنَ﴾ (بقرہ:۱۳۰۔۱۳۳)

''اور ملتِ ابراہیمی سے تو وہی روگردانی کرے گا جو اپنی ذات

ہی سے احمق ہو۔ اور ہم نے ان کو دنیا میں منتخب کیا۔ اور وہ آخرت میں بڑے لائق لوگوں میں شمار کئے جاتے ہیں۔ جب کہ اُن سے ان کے پروردگار نے فرمایا کہ تم اطاعت اختیار کرو انہوں نے عرض کیا کہ میں نے اطاعت اختیار کی رب العالمین کی۔ اور اسی کا حکم کر گئے ابراہیم علیہ السلام اپنی بیٹوں کو اور یعقوب علیہ السلام بھی۔ میرے بیٹو! اللہ تعالیٰ نے دین کو تمہارے لئے منتخب فرمایا ہے۔ سو تم بجز اسلام کے اور کسی حالت پر جان مت دینا۔ کیا تم خود موجود تھے جس وقت یعقوب علیہ السلام کا آخری وقت آیا۔ جس وقت انہوں نے اپنے بیٹوں سے پوچھا کہ تم لوگ میرے بعد کس چیز کی پرستش کرو گے؟ اُنہوں نے جواب دیا کہ ہم اس کی پرستش کریں گے جس کی آپ اور آپ کے بزرگ ابراہیم علیہ السلام اور اسماعیل و اسحاق پرستش کرتے آئے ہیں۔ یعنی وہی معبود جو وحدہ لاشریک ہے اور ہم اُس کی اطاعت پر رہیں گے''

اسی لئے اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے بڑا گناہ شرک ہے۔

محبت میں شرک

اللہ تعالیٰ کے ساتھ اصل شرک اس کی محبت میں شرک کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ﴾ (البقرۃ: ۱۶۵)

''اور ایک آدمی وہ ہیں جو علاوہ خدا تعالیٰ کے اوروں کو بھی شریک

قرار دیتے ہیں۔ ان سے ایسی محبت رکھتے ہیں۔ جیسی محبت اللہ سے ضروری ہے اور جو مؤمن ہیں ان کو اللہ کے ساتھ نہایت قوی محبت ہے۔''

اس آیہء مبارکہ میں اللہ تعالیٰ بتا رہے ہیں کہ مشرکین اپنے بتوں سے اتنی محبت رکھتے ہیں جتنی کہ خدا تعالیٰ سے رکھنی چاہیے۔ لیکن ایمان والے اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس سے زیادہ محبت رکھتے ہیں جتنی کہ مشرکین اپنے بتوں سے رکھتے ہیں۔

بعض حضرات اس کا مطلب یہ بیان کرتے ہیں کہ مشرکین بھی اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے تھے لیکن جب انہوں نے اس محبت میں بتوں کو شریک کرلیا تو ان کی محبت میں کمی آ گئی لیکن ایمان والے چونکہ صرف اللہ سے ہی محبت رکھتے ہیں لہذا ان کی محبت میں کمی نہیں آئی۔ جب اللہ تعالیٰ یہ چاہتے ہیں کہ اس کی مخلوق خلوص کے ساتھ اس سے محبت رکھے اسی لئے انہوں نے کسی دوسرے کو ولی یا شفیع بنانے پر سخت رد کیا ہے۔

فرمایا ہے:

﴿اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِىْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ .... اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ﴾ (یونس:۳)

''بلاشبہ تمہارا رب اللہ ہی ہے جس نے آسمانوں کو اور زمین کو چھ روز میں پیدا کر دیا۔ پھر عرش پر قائم ہوا وہ ہر کام کی تدبیر کرتا ہے کوئی سفارش کرنے والا نہیں بدون اُس کی اجازت کے۔ ایسا اللہ تمہارا رب ہے۔ سو تم اس کی عبادت کرو! کیا تم پھر بھی نہیں سمجھتے؟''

﴿اَللّٰهُ الَّذِىْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ .... اَفَلَا

تَتَذَكَّرُونَ﴾ (السجدہ:۴)

''اللہ ہے جس نے آسمان اور زمین اور اُس مخلوق کو جو ان دونوں کے درمیان میں ہے چھ روز میں پیدا کیا۔ پھر عرش پر قائم ہوا۔ بدون اُس کے نہ تمہارا کوئی مددگار ہے اور نہ سفارش کرنے والا ہے۔ سو کیا تم سمجھتے نہیں ہو؟''

﴿وَاَنْذِرْ بِهِ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ .... لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ﴾ (انعام:۵۱)

''اور ایسے لوگوں کو ڈرایئے جو اس بات سے اندیشہ رکھتے ہیں کہ اپنے رب کے پاس ایسی حالت سے جمع کئے جائیں گے کہ جتنے غیر اللہ ہیں نہ کوئی ان کا مددگار ہوگا اور نہ کوئی شفیع ہوگا۔ اس امید سے کہ وہ ڈر جائیں۔''

﴿اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ شُفَعَآءَ قُلْ اَوَلَوْ كَانُوْا لَا يَمْلِكُوْنَ شَيْئًا وَّلَا يَعْقِلُوْنَ قُلْ لِّلّٰهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيْعًا﴾ (الزمر:۴۳۔۴۴)

''ہاں! کیا ان لوگوں نے خدا کے سوا دوسروں کو شفیع قرار دے رکھا ہے جو سفارش کریں گے۔ آپ کہہ دیجئے کہ اگرچہ یہ کچھ بھی قدرت نہ رکھتے ہوں اور کچھ بھی علم نہ رکھتے ہوں۔ آپ کہہ دیجئے کہ سفارش تو تمام تر خدا ہی کے اختیار میں ہے۔''

﴿مِنْ وَّرَآئِهِمْ جَهَنَّمُ وَلَا يُغْنِىْ عَنْهُمْ مَا كَسَبُوْا شَيْئًا وَّلَا مَا اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖ اَوْلِيَآءَ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ﴾

(جاثیہ:۱۰)

''ان کے آگے جہنم ہے۔ اور نہ تو ان کے وہ چیزیں ذرا کام

آئیں گی جو کما گئے تھے اور نہ وہ جن کو انہوں نے اللہ کے سوا کارساز بنا رکھا تھا۔ اور ان کے لئے بڑا عذاب ہوگا۔''

جب انسان صرف اللہ سے محبت رکھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے شفاعت کرنے والے مقرر کر دیتے ہیں اور اپنے مومن بندوں کو اس کا ولی بنا دیتے ہیں اور جو شخص مخلوق کو اپنا ولی بناتا ہے وہ اس سے محروم رہتا ہے۔ شفاعت بھی دو طرح کی ہوتی ہے۔ شفاعت شرکیہ جو باطل محض ہے دوسری شفاعت حق جو اللہ تعالیٰ نے اہل توحید کے لئے خاص فرمائی ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ حقیقت عبدیت اللہ کی محبت میں شرک کے ساتھ حاصل نہیں ہوسکتی ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اللہ کی محبت میں داخل ہے۔ اسی لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کے بغیر ایمان کامل نہیں ہوسکتا۔ صحیحین میں روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جس شخص میں تین باتیں ہونگی اسے ایمان کی حلاوت نصیب ہوگی (۱) اسے اللہ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم تمام سے زیادہ محبوب ہو (۲) جس سے بھی محبت کرے صرف اللہ کے لئے کرے (۳) دوبارہ کافر ہونا اسے اتنا ہی ناپسند ہو جتنا کہ آگ میں ڈالا جانا۔

ایک اور حدیث میں مذکور ہے:۔

اگر دو شخص آپس میں اللہ کے لئے محبت رکھتے ہوں تو ان میں افضل وہ ہوگا جو دوسرے کے ساتھ زیادہ محبت رکھے گا۔

یہ محبت چونکہ اللہ کے لوازم اور اس کے موجبات میں سے ہے لہذا جس میں یہ صفت زیادہ قوی ہوگی وہی افضل ترین ہوگا۔

محبت کی چار قسمیں ہیں۔

۱۔ اللہ تعالیٰ سے محبت۔ یہ تنہا نجات کے لئے کافی نہیں ہے وگرنہ تو مشرکین،

یہودی اور عیسائی وغیرہ بھی اللہ سے محبت رکھتے ہیں۔

۲۔ اس کی محبت جو اللہ کو محبوب ہو۔ یہ محبت انسان کو کفر سے نکال کر اسلام میں داخل کرتی ہے۔ یہ محبت رکھنے والا اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب ہوتا ہے۔

۳۔ اللہ کے لئے محبت کرنا۔ اس سے انسان کے دل میں اس کی محبت پیدا ہوتی ہے جو اللہ کو پسند ہے۔

۴۔ اللہ تعالیٰ کی محبت میں غیر کو شریک کرنا۔ اور اپنا محبوب بنانا۔ یہ مشرکین کی محبت ہے۔

ان کے علاوہ محبت کی پانچویں قسم بھی ہے جو ہماری بحث سے خارج ہے اور وہ ہے طبعی محبت اور میلان۔ جیسے کہ پیاسے کو پانی سے، بھوکے کو کھانے سے یا جیسے انسان کو بیوی بچوں سے محبت ہوتی ہے۔ یہ محبت اگر انسان کو اللہ کے ذکر اور اس کی محبت سے غافل نہ کرے تو قابل مذمت نہیں ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْھِکُمْ اَمْوَالُکُمْ وَلَآ اَوْلَادُکُمْ عَنْ ذِکْرِ اللّٰہِ﴾ (المنفقون:۹)

''اے ایمان والو! تم کو تمہارے مال اور اولاد اللہ کی یاد سے غافل نہ کرنے پائیں۔''

﴿رِجَالٌ لَا تُلْھِیْھِمْ تِجَارَۃٌ وَ لَا بَیْعٌ عَنْ ذِکْرِ اللّٰہِ﴾ (النور:۳۷)

''جن کو اللہ کی یاد سے اور نماز پڑھنے سے اور زکوٰۃ دینے سے نہ خرید غفلت میں ڈال پاتی ہے اور نہ فروخت۔''

کمال محبت

کمال محبت کو ''خلۃ'' کہتے ہیں یعنی دل میں محبوب کے سوا نہ ہی کسی کی جگہ

ہو اور نہ ہی گنجائش اور نہ ہی دل محبوب کے علاوہ کسی اور کی طرف متوجہ ہوتا ہو۔ یہ منصب صرف اللہ تعالیٰ نے دو ہستیوں کو عطاء فرمایا ہے حضرت ابراہیمؑ کو اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جیسے حضرت ابراہیم کو خلیل بنایا مجھے بھی خلیل بنایا ہے۔

نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:۔ اگر میں اہل زمین میں سے کسی کو خلیل بناتا تو ابوبکرؓ کو خلیل بناتا لیکن تمہارے دوست (آپ صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ تعالیٰ کے خلیل ہیں۔

ایک اور حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے میں ہر خلیل کی خلتہ سے برات کا اظہار کرتا ہوں۔

حضرت ابراہیمؑ نے اللہ تعالیٰ سے بیٹا مانگا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں عطاء کردیا لیکن جب اللہ تعالیٰ نے دیکھا کہ ان کے دل میں بیٹے کی محبت پیدا ہوگئی ہے تو اسے ذبح کرنے کا حکم دے دیا اور حکم بھی خواب میں دیا تاکہ امتحان مزید سخت ہو جائے۔ لیکن مقصد بیٹے کو ذبح کرنا نہیں تھا بلکہ مقصد اس دلی محبت کا خاتمہ تھا۔ جب حضرت ابراہیمؑ نے حسب ارشاد خداوندی بیٹے کی گردن پر چھری چلا دی تو اللہ تعالیٰ نے ایک مینڈھے کو بیٹے کا فدیہ بنادیا۔ اسی لئے اب بھی یہی حکم ہے کہ اگر کوئی شخص جانور کی قربانی کرتا ہے تو اسے بیٹے کی قربانی کا ثواب دیا جاتا ہے۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے پچاس نمازوں کو پانچ بنادیا ہے لیکن ثواب پچاس کا باقی رکھا۔

محبت اور خلتہ

بعض لوگ اپنی جہالت کے سبب یہ سمجھتے ہیں کہ محبت خلت سے زیادہ کامل ہوتی ہے۔ اسی لئے ابراہیم خلیل اللہ ہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم حبیب اللہ۔ یہ بات بالکل غلط ہے کیونکہ محبت عام ہے اور خلتہ خاص ہے۔ اور خلتہ محبت کا انتہائی مقام

ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان ذیشان سے بھی ثابت ہو چکا کہ اللہ تعالیٰ نے جیسے حضرت ابراہیمؑ کو خلیل بنایا اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی خلیل بنایا۔ نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے سوا غیر کی خلتہ کی نفی کی ہے حالانکہ محبت تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت عائشہؓ حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ وغیرہم سبھی سے تھی۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کو بھی محبت بہت سے حضرات سے ہے۔ ارشاد ہے۔

﴿یُحِبُّ التَّوَّابِیْنَ وَ یُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِیْنَ﴾ (البقرہ: ۲۲۲)

''اللہ تعالیٰ محبت رکھتے ہیں توبہ کرنے والوں سے اور محبت رکھتے ہیں صاف پاک رہنے والوں سے۔''

﴿یُحِبُّ الصّٰبِرِیْنَ﴾ (آل عمران: ۱۴۶)

''اللہ تعالیٰ محبت رکھتے ہیں صبر کرنے والوں سے۔''

﴿یحب المحسنین﴾ (السجدہ: ۴)

''اللہ تعالیٰ محبت رکھتے ہیں احسان کرنے والوں سے۔''

﴿یحب المقسطین﴾ (السجدہ: ۴)

''حق تعالیٰ عدل کرنے والوں سے محبت کرتے ہیں۔''

اسی طرح وہ نوجوان بھی جو توبہ کر کے اللہ کا ہو رہے اللہ کا محبوب ہوتا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ کی خلتہ صرف دو ہستیوں کے ساتھ خاص ہے۔ لہذا محبت کو خلتہ پر ترجیح دینا جہالت اور کم علمی ہے۔

محبوب اعلیٰ سے محبت کرنا

یہ بات پہلے گذر چکی کہ انسان جس سے محبت رکھتا ہے اسے صرف اس صورت میں چھوڑ سکتا ہے اگر اس سے اعلیٰ محبوب اسے مل جائے نیز یہ بھی گذر چکا کہ اعلیٰ محبوب کو ادنی پر ترجیح دینا عقل کے خواص میں سے ہے۔ لیکن یہ بات اس وقت

تک نہیں ہوسکتی جب تک کہ دو چیزیں انسان میں موجود نہ ہوں۔ قوت ادراک اور قلبی شجاعت۔ پس محبوب اعلیٰ کو ترجیح نہ دینا یا تو اس لئے ہوتا ہے کہ اس میں قوت ادراک ضعیف ہوتی ہے کہ اسے محبوب کے مرتبے کا علم ہی نہیں ہوتا۔ یا پھر اس کے دل میں ہمت کا فقدان ہوتا ہے۔ اگر کسی انسان کی قوت ادراک بھی صحیح ہو اور اس میں قلبی شجاعت بھی پائی جائے تو ضرور بالضرور محبوب اعلیٰ کو ترجیح دیتا ہے۔

بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ ان کی شہوت ان کی عقل اور ایمان پر غالب ہوتی ہے اور بعض ایسے ہوتے ہیں کہ ان کی عقل اور ایمان ان کی شہوت پر غالب ہوتا ہے۔ جب مرض بڑھتا ہے تو پرہیز بھی زیادہ کرنا پڑتا ہے لہذا قوت ادراک کے لئے شہوت پرستی سے اجتناب ضروری ہے۔

محبت اور ارادہ ہر فعل کی جڑ ہے یہ دونوں دل کی تقویت کا باعث ہیں اور انسان کو شقاوت کے اندھیروں سے نکال کر سعادت کے نور سے ہمکنار کرتے ہیں کسی بھی فعل اختیاری کا وقوع پذیر ہونا بغیر محبت اور ارادہ کے ممکن نہیں۔

جو کام نہ ہو وہ یا تو اس لئے نہیں ہوتا کہ انسان اس کا تقاضہ اپنے دل میں نہیں پاتا یا پھر وہ اس کے کرنے کو ناپسند سمجھتا ہے۔ جو کام انسان سرانجام نہ دے اس کی بھی دو قسمیں ہیں عدمی اور وجودی۔ اگر اس کا تقاضہ نہ ہونے کے سبب نہ کرے تو عدمی ہے اور اگر کسی رکاوٹ کے سبب نہ کرے تو وجودی ہے۔

نافع ترین محبوب سے محبت کرنا

کام کرنا یا نہ کرنا دونوں اختیاری ہیں یا تو اس سے انسان کو نفع حاصل ہوتا ہے یا کسی غم سے شفاء کی امید ہوتی ہے۔

هی الشفاء لدائی لوظفرت بها　　　ولیس منها شفاء الداء مبذول

وہ میری بیماری کی دوا ہے اگر میں اس پر کامیابی حاصل کرلوں اگرچہ بیماری

عشق کی شفاء اس سے حاصل نہیں ہوتی۔

ہر عاقل یہاں تک حیوان بھی لذت کا حصول چاہتا ہے۔ لیکن بہت سے لوگ اس میں بڑی سخت غلطی کرتے ہیں کہ وہ ایسی لذت حاصل کرنا چاہتے ہیں جس کے بعد شدید اذیت میں مبتلا ہونا پڑے۔ جو شخص آخرت کی سرمدی نعمتوں کو چھوڑ کر دنیا کی فانی نعمتوں کے پیچھے پڑا ہوا ہے یقیناً انجام سے بے خبر ہے۔ عاقل تو کہتے ہی اس کو ہیں جس کی انجام پر نظر ہو۔ یقیناً عاقل وہی ہوگا جو ہمیشہ ہمیشہ کی لذتوں کو ترجیح دے اور سب سے بڑا بیوقوف وہ ہے جو ان دائمی لذتوں کے بدلے میں فانی لذتیں حاصل کرے، جو نہ صرف یہ کہ بہت جلد ختم ہو جائیں گی بلکہ ان کی نہایت بھیانک سزا بھی بھگتنی پڑے گی۔

ایک عالم فرماتے ہیں میں نے عقلاء کے کاموں میں خوب غور کیا تو پتہ چلا کہ ان تمام کا مقصود ایک ہی ہے اور وہ ہے اپنے غموں کو دور کرنا۔ یہ کھاپی کر غم دور کر رہا ہے وہ تجارت اور کما کر، یہ نکاح کے ذریعے تو وہ گانے سننے اور لہو ولعب میں مشغول ہو کر۔ غرض ہر ایک کا مقصد ایک لیکن طریقے مختلف۔ جب میں نے غور کیا تو پتہ چلا کہ تمام کے طریقے غلط ہیں بلکہ اس کا اصل طریقہ یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو اور اپنی تمام خواہشات اس کی رضاء میں فنا کر دے۔ جو شخص اس راستے پر چلتا ہے اگرچہ اسے دنیا میں کم ہی ملے مگر پھر بھی جب اسے آخرت کی لافانی لذتیں نصیب ہو گئیں تو دنیا میں بھی کامیاب ہے اور آخرت میں بھی۔ انسان کے لئے یہی طریقہ سب سے زیادہ آسان ہے کہ وہ اس کے ذریعے سعادت دارین حاصل کر سکے۔

محبوب کی اقسام

محبوب کی دو قسمیں ہیں۔ محبوب لنفسہ، محبوب لغیرہ، آخرکار محبوب لغیرہ بھی محبوب لنفسہ بن جاتا ہے وگرنہ تو تسلسل لازم آجائے گا۔ اللہ تعالیٰ ہی محبوب لنفسہ

ہیں ان کے علاوہ ہر چیز محبوب لغیرہ ہے جیسے کہ ملائکہ، انبیاء اور اولیاء وغیرہ کی محبت۔ صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہی وہ واحد ذات ہے جس سے اس کی ذات کی وجہ سے محبت کی جاتی ہے۔ جبکہ انبیاءؑ وغیرہ سے محبت اللہ کی اتباع میں کی جاتی ہے۔ کیونکہ محبت لذاتہ اسی ہستی کے ساتھ ہو سکتی ہے جس کے کمالات ذاتی ہوں اور اللہ تعالیٰ کی الوہیت اور ربوبیت وغیرہ یقیناً ذاتی کمالات ہیں۔ باقی اللہ تعالیٰ کی محبت کا علم ہوتا ہے اتباع سے۔ اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی مرضیات پر چلتا ہے تو اسے یقیناً اللہ تعالیٰ سے محبت ہے اور اگر کوئی شخص اس کی اتباع نہیں کرتا اور اللہ تعالیٰ کی بتائی ہوئی چیزوں کو محبوب نہیں رکھتا تو اس کی محبت ابھی ناقص ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ولایت کا یہی قانون ہے کہ جو چیز انہیں پسند ہو وہی اسے بھی پسند ہو اور جو چیز انہیں ناپسند ہو وہ اسے بھی ناپسند ہو۔ ولایت اسی چیز کا نام ہے نہ کہ کثرت صوم وصلوٰۃ اور کثرت ریاضت کا۔

محبوب لغیرہ کی دو قسمیں ہیں۔

(۱) جس کے حصول کے بعد لذت حاصل ہو۔

(۲) جس کے حصول کے بعد پریشانی ہو لیکن اس کے ذریعے محبوب ملنے کا امکان ہو۔ ارشاد خداوند ہے۔

﴿كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَ هُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ وَعَسَى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَّخَيْرٌ لَّكُمْ وَعَسَى اَنْ تُحِبُّوْا شَيْئًا وَ هُوَ شَرٌّ لَّكُمْ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَاتَعْلَمُوْنَ﴾ (البقرہ:۲۱۶)

''جہاد کرنا تم پر فرض کیا گیا ہے اور وہ تم کو گراں ہے اور یہ بات ممکن ہے کہ تم کسی امر کو گراں سمجھو اور وہ تمہارے حق میں خیر ہے اور یہ ممکن ہے کہ تم کسی امر کو مرغوب سمجھو اور وہ تمہارے حق میں خرابی ہو اور اللہ تعالیٰ جانتے ہیں اور تم نہیں جانتے۔''

اللہ تعالیٰ بیان فرمارہے ہیں کہ قتال اگر چہ انہیں ناپسند ہے لیکن ان کے لئے بہتر ہے۔ کیونکہ یہ انہیں محبوب اعظم یعنی اللہ تعالیٰ تک پہنچا تا ہے۔ عاقل وہ نہیں جو وقتی لذت کو پیش نظر رکھے یا وقتی غم سے ڈر جائے بلکہ عقلمند وہ ہوتا ہے جو وقتی پریشانی کو برداشت کرے اور ہمیشہ ہمیشہ کی لذت کو حاصل کرے۔

اس طرح کل چار چیزیں ہوئیں۔

(۱) مکروہ جومکروہ تک ہی لے جائے۔ اسے دووجہوں سے چھوڑ دینا چاہیے۔ ایک تو اس لئے کہ یہ خود مکروہ ہے دوسرا اس لئے کہ اس کا انجام بھی مکروہ ہے۔

(۲) محبوب جومحبوب تک پہنچائے۔ اسے دووجہوں سے اختیار کرنا چاہیے۔ (۱) یہ خود محبوب ہے (۲) محبوب تک پہنچادیتا ہے۔

(۳) مکروہ جومحبوب تک پہنچائے۔

(۴) محبوب جومکروہ تک پہنچائے۔

مؤخرالذکر دونوں صورتوں میں نفس تو یہ کہتا ہے کہ وقتی لذت کو اختیار کرو جبکہ عقل اور ایمان یہی صدا دیتے ہیں کہ کامیابی یہ ہے کہ وقتی پریشانیوں کے لئے ہمیشہ کی نعمتیں ضائع نہ کرو۔ دنیا کی پریشانی تو بہت جلد ختم ہوجاتی ہے۔ جب بھی اس طرح کی کوئی بات ہوتی ہے تو عقل نفس سے کہتی ہے اے نفس صبر کر! چند لمحوں کی بات ہے پھر سب کچھ ختم ہوجائے گا۔

ہرعمل کی بنیاد محبت پر ہے

جب ہر عمل کی بنیاد خواہ وہ صحیح ہو یا غلط محبت پر ہے تو اعمال دینیہ کی بنیاد محبت اللہ اور محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ہوگی۔ جو ارادہ بھی محبت اللہ اور محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تکمیل سے مانع ہوگا وہ ایمان کو کمزور کردے گا۔ اگر یہ ارادہ قوی ہو

جائے تو کفر و شرک تک پہنچا دیتا ہے۔ یہی ارادہ انسان کی محبت کو نفرت میں تبدیل کردیتا ہے۔ حضرت ابراہیم نے اپنی قوم سے فرمایا تھا۔

﴿اَفَرَاءَ یْتُم مَا کُنْتُم تَعْبُدُوْنَ اَنْتُم وَ آبَاءُ کُمُ الْاَقْدَمُوْنَ۔ فَاِنَّهُم عَدُوٌّ لِّی اِلَّا رَبَّ الْعٰلَمِیْنَ﴾ (الشعراء:۷۴)

''بھلا تم نے ان کو دیکھا بھی جن کی تمام عبادت کیا کرتے ہو تم بھی اور تمہارے پرانے بڑے بھی کہ یہ میرے ضرر ہیں مگر ہاں رب العالمین۔''

خلیل اللہ کے لئے یہ صحیح نہیں ہے کہ اس کے دل میں کسی اور کی گنجائش ہو۔ ان کی خلتہ صرف اسی صورت میں صحیح ہوسکتی ہے اگر وہ اللہ کے سوا تمام معبودین کی نفی کردیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿قَدْ کَانَتْ لَکُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِیْ اِبْرٰهِیْمَ وَالَّذِیْنَ مَعَهٗ۔ اِذْ قَالُوْا لِقَوْمِهِمْ اِنَّا بُرَآءُ مِنْکُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ۔ کَفَرْنَا بِکُمْ وَبَدَا بَیْنَنَا وَبَیْنَکُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَآءُ اَبَداً حَتّٰی تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗٓ﴾ (ممتحنہ:۴)

''تمہارے لیے ابراہیم میں اور ان لوگوں میں جو کہ ان کے شریک حال تھے ایک عمدہ نمونہ ہے جب کہ اُن سب نے اپنی قوم سے کہہ دیا کہ ہم تم سے اور جن کو تم اللہ کے سوا معبود سمجھتے ہو اُن سے بیزار ہیں۔ ہم تمہارے منکر ہیں اور ہم میں اور تم میں ہمیشہ کے لئے عداوت اور بغض ظاہر ہوگیا۔''

﴿وَ اِذْ قَالَ اِبْرٰهِیْمُ لِاَبِیْهِ وَ قَوْمِهٖٓ اِنَّنِیْ بَرَآءٌ مِّمَّا تَعْبُدُوْنَ

اِلَّا الَّذِیْ فَطَرَنِیْ فَاِنَّهٗ سَیَهْدِیْنَ وَجَعَلَهَا كَلِمَةً بَاقِیَةً فِیْ عَقِبِهٖ لَعَلَّهُمْ یَرْجِعُوْنَ ﴾ (زخرف: ۲۶۔۲۸)

''اور جب کہ ابراہیم نے اپنے باپ سے اور اپنی قوم سے فرمایا کہ میں ان چیزوں سے بیزار ہوں جن کی تمام عبادت کرتے ہو، مگر ہاں جس نے مجھ کو پیدا کیا پھر وہی مجھ کو رہنمائی کرتا ہے۔ اور وہ اس کو اپنی اولاد میں ایک قائم رہنے والی بات کر گئے تا کہ لوگ باز آتے رہیں۔''

یعنی ان کی دوستی صرف اور صرف اللہ کے لئے تھی ان کا سینہ غیر کی محبت سے بالکل صاف تھا۔ انہوں نے انبیاء کرام اور اپنے متبعین کے لئے ایک کلمہ خیر چھوڑا ہے اور وہ کلمہ ہے لا الہ الا اللہ۔ جو قیامت تک ان پیروی کرنے والوں کی زبانوں پر جاری رہے گا۔

کلمہ توحید

اسی کلمہ کے ذریعے ہی تو آسمان وزمین قائم ہیں۔ اسی کے لئے اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کو پیدا فرمایا اسی کے لئے جہاد بالسیف کا حکم ہے۔ اسی کے سبب دنیا میں ہماری جان مال محفوظ ہیں اور اسی کے سبب ہمیں عذاب قبر اور جہنم سے نجات ملے گی۔ یہی وہ منشور ہے جس کے بغیر جنت کا داخلہ ممکن نہیں، یہی وہ رسی جس کے ذریعے ہم خدا تعالیٰ تک پہنچ سکتے ہیں۔ اسی کے سبب بعض لوگ نیک بخت اور بعض لوگ بد بخت ہیں۔ اسی کے ذریعے تو کفر اور اسلام میں تمیز ہوتی ہے اور اسی کے ذریعے آخرت کی دائمی نعمتیں انسان کو حاصل ہوتی ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔

''جس کا آخری کلمہ لا الہ الا اللہ ہو جنت میں داخل ہوگا۔''

کلمہ توحید کی حقیقی روح

اس کلمہ کی حقیقی روح یہ ہے کہ انسان صرف اور صرف اللہ سے محبت رکھے اسی پر توکل کرے، اسی کی عظمت کا قائل ہو، اسی سے امید اور خوف رکھے اور جس سے بھی محبت رکھے اسی کی محبت رکھے۔ اس کے سوا نہ تو کسی سے ڈرے اور نہ ہی کسی سے امید رکھے۔ اسی کی طرف رغبت رکھے، اسی کے نام کی قسم کھائے۔ اسی کو ہر لمحہ پیش نظر رکھے، اسی کی بات مانے، مصائب میں اسے ہی پکارے، اسی کو سجدے کرے، اسی کے نام کی قربانی کرے، غرضیکہ کسی بھی عبادت میں اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرے۔ یہی مطلب ہے لا الـہ الا اللّٰہ کا اور یہی اس کی حقیقی روح ہے۔ جو شخص یہ کلمہ پڑھتا ہے اور اس کی شہادت دیتا ہے اس پر جہنم کی آگ حرام ہو جاتی ہے۔ فرمان خداوندی ہے۔

﴿وَالَّذِيْنَ هُمْ بِشَهٰدٰتِهِمْ قَآئِمُوْنَ﴾ (معارج: ۳۳)

''اور جو اپنی گواہیوں کو ٹھیک ادا کرتے ہیں۔''

یعنی ظاہر و باطن دونوں سے شہادت قائم کرے۔ بعض کی شہادت مری ہوئی ہوتی ہے، بعض کی سوئی ہوتی، بعض کی پہلو کے بل لیٹی ہوئی، بعض کی قیام کے قریب اور بعض کی قائم ہوتی ہے۔ یہ شہادت ایسی ہی ہے جیسا کہ بدن میں روح ہوتی ہے۔ بعض کی روح مردہ ہوتی ہے، بعض کی مریض، بعض کی تندرستی کے قریب اور بعض کی بالکل صحیح اور تندرست۔ ایک حدیث میں مذکور ہے:

مجھے ایسے کلمہ کا علم ہے اگر کوئی شخص اسے وفات کے وقت کہدے تو اس کی روح کو حیات حاصل ہو جاتی ہے۔

روح کو اسی کلمہ سے حیات حاصل ہوتی ہے۔ جیسے کہ انسانی بدن بغیر روح کے زندہ نہیں رہ سکتا اسی طرح انسانی روح بھی بغیر روح کے زندہ نہیں رہ سکتی۔ اور

جب انسانی روح کو حیات حاصل ہو جاتی ہے تو پھر وہ جنت میں عیش وطرب کی زندگی گذارتی ہے۔

﴿وَ اَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى﴾ (النازعت: ۴۰۔۴۱)

''اور جو شخص اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا ہوگا اور نفس کو خواہش سے روکا ہوگا۔ سو جنت اس کا ٹھکانا ہوگا۔''

یہ جنت تو اسے آخرت میں حاصل ہوگی۔ اس کے علاوہ ایک جنت اسے دنیا ہی میں مل جائے گی یعنی قلبی سکون اور دلی راحت۔ جو شخص اس دنیاوی جنت سے محروم ہوا وہ اخروی جنت سے تو یقیناً محروم ہوگا اور دنیا ہی اس کے لئے ایک جہنم ہے اگر چہ جتنی فراخ ہو جائے۔

﴿مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَ هُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً﴾ (نحل: ۹۷)

''جو شخص کوئی نیک کام کرے گا خواہ وہ مرد ہو یا عورت بشرطیکہ صاحب ایمان ہو تو ہم اس شخص کو بالطف زندگی دیں گے''۔

شرح صدر سے بڑھ کر اور کیا نعمت ہو سکتی ہے اور تنگی دل سے بڑھ کر اور کیا مصیبت ہو سکتی ہے؟

﴿ اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَ لَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ كَانُوْا يَتَّقُوْنَ۔ لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ فِي الْاٰخِرَةِ۔ لَا تَبْدِيْلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ﴾ (یونس: ۶۲۔۶۳)

''یاد رکھو! اللہ کے دوستوں پر نہ کوئی اندیشہ ہے اور نہ وہ مغموم

ہوتے ہیں۔ وہ وہ ہیں جو ایمان لائے اور پرہیز رکھتے ہیں۔ ان
کے لئے دنیوی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی خوشخبری ہے۔
اللہ کی باتوں میں کچھ فرق ہوا نہیں کرتا۔ یہ بڑی کامیابی ہے''۔

مخلص مومن کو اللہ تعالیٰ یہ پاکیزہ دنیاوی جنت اخروی جنت سے پہلے ہی عطاء فرمادیں گے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

جب تم جنت کے باغوں میں سے گذرو تو چرلیا کرو۔ صحابہؓ نے عرض کیا جنت کے باغ کیا ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنت کے باغ ذکر اللہ کی مجالس ہیں۔

نیز ارشاد فرمایا۔ جو میرے گھر اور منبر کے درمیان کی جگہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے صوم وصال کے بارہ میں پوچھا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ میں تمہارے جیسا نہیں ہوں میں تو اپنے رب کے پاس ہوتا ہوں وہی مجھے کھلاتے اور پلاتے ہیں۔ ؎

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ روحانی غذا حاصل ہوجاتی تھی جو آپ کو مادی غذا سے مستغنیٰ کردیتی لیکن یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کھانے پینے کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ سے لو لگائی تو اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے مستغنی بنادیا۔

لھا احادیث من ذکراك تشغلها عن الشراب و تلهیها عن الزاد
لها بوجهك نور تستضی به! ومن حدیثك فی اعقابها حادی
اذاشکت من کلال السیر اوعدها روح اللقاء فتحیا عند میعادی

تیرا تذکرہ اس کیلئے ایسا ہے جو اسے کھانے پینے سے بے نیاز کردیتا ہے۔ وہ

تیرے چہرے سے نورانیت حاصل کرتی ہے اور تیرے بعد وہ تیری باتوں سے لطف اندوز ہوتی ہے۔ جب وہ سفر کی مشقت کی شکایت کرتی ہے تو میں اس سے ملاقات کا وعدہ کرلیتا ہوں پھر وہ میرے وعدے پر خوش ہوجاتی ہے۔

اگر کسی شخص سے کوئی ایسے چیز ضائع ہو جائے جو اس کے لئے بہت زیادہ نفع مند اور ضروری ہوتو اس کا غم بھی بہت زیادہ ہوتا ہے۔ انسان کے لئے اللہ سے لگاؤ اور اس کے ذکر میں مشغولیت سے بڑھ کر کیا ہوسکتا ہے؟ اگر یہ تعلق ختم ہو جائے تو اسے کس قدر افسوس ہوگا؟ باقی رہا یہ کہ انسان کو شدت غم محسوس نہیں ہوتا جو ہونا چاہیے اس کی وجہ یہ ہے انسان نشہء غفلت میں مبتلا ہے۔ جب نشہ اترے گا اور آنکھوں سے پردہ ہٹے گا تب احساس ہوگا کہ غم کیا ہوتا ہے، جب اس کی موت آنکھوں کے سامنے ہوگی اور دنیا سے کوچ کررہا ہوگا اور کرب وحسرت میں مبتلا ہوگا اور آخرت کے قسم بہ قسم عذاب سامنے ہوں گے تب اسے معلوم ہوگا کہ حسرت و ندامت اور شدت غم کیا ہوتا ہے؟

آپ اس غم کا دنیاوی غم سے موازنہ نہ کریں۔ دنیاوی غم کے بارہ میں تو ہر ایک کو علم ہے کہ ایک نہ ایک دن ضرور زائل ہو جائے گا اور آخرت میں اس کی جزاء سے بھی بہرہ مند ہوگا۔ اس لئے اس غم کی حسرت کم ہوتی ہے اور انسان کے لئے اسے برداشت کرنا آسان ہوتا ہے۔ لیکن آخرت کا عذاب نہ تو اس سے چھٹکارہ نصیب ہوگا اور نہ ہی اس کا کوئی عوض یا بدلہ ملنے کی امید ہے۔ اس لئے اس کی حسرت بھی سب سے بڑھ کر ہے۔ بالخصوص روح وبدن دونوں کی طاقت سے باہر عذاب جب آنکھوں کے سامنے ہوگا تو اس کی کیا حالت ہوگی؟ یقیناً یہ غم اگر پہاڑوں پر پڑیں تو وہ بھی ریزہ ریزہ ہو جائیں۔

اے انسان اسی محبوب حقیقی سے تعلق قائم کر جس کے بغیر نہ دنیاوی راحت

ہے اور نہ اخروی سعادت۔ اس سے بڑھ کر تو کسی کا محتاج نہیں۔ اے انسان !اس ذات کے سوا تجھے ہر چیز کا متبادل مل جائے گا لیکن اگر تو اس ذات کو ہاتھ سے گنوا بیٹھا تو تجھے اس کا متبادل کہیں بھی نصیب نہ ہوگا۔

من کل شئی اذا ضیعته عوض — ومامن اللّٰه ان ضیعته عوض

ہر چیز کا متبادل موجود ہے لیکن اللہ تبارک و تعالیٰ ایسی ذات ہیں جن کا کوئی متبادل نہیں۔

حدیث قدسی میں ارشاد خداوندی ہے:

اے انسان میں نے تجھے اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا ہے تو مت کھیل۔ تیرے رزق کا میں کفیل ہوں تو اس کی طلب میں نہ تھک۔ اے انسان اگر تو مجھے تلاش کرے گا تو مجھے پالے گا اور جب میں تجھے مل جاؤں گا تو تجھے ہر چیز مل جائے گی۔ اور اگر تو نے مجھے گنوادیا تو تو نے ہر چیز گنوادی۔ میری ذات تجھے ہر چیز سے زیادہ محبوب ہونی چاہیے۔

اچھی اور بری محبت

عالم علوی اور سفلی میں جتنی بھی حرکات ہوتی ہیں ان سب کی بنیاد محبت ہے۔ کیونکہ حرکات کی تین قسمیں ہیں۔ حرکت ارادی اختیاری، حرکت طبعی اور حرکت اضطراری۔ حرکت طبعی کی اصل سکون ہے۔ جب جسم اپنے مرکز اور مستقر سے نکلتا ہے تو طبعاً دوبارہ مرکز میں آنے کی کوشش کرتا ہے۔ اپنے مرکز سے اس کا خروج کسی محرک کے سبب ہوتا ہے۔ یعنی یہ دونوں حرکتیں کسی محرک کے تابع ہیں اور محرک اس کے ارادے پر اثر انداز ہوتا ہے نیز اسی طرح حرکت ارادی اختیاری بھی ارادہ اور محبت کے تابع ہے۔

باقی رہا حرکات کا ان تین قسموں میں بند ہونا وہ اس لئے کہ متحرک کو اگر

حرکت کا شعور ہو تو اسے حرکت ارادی کہتے ہیں۔ اور اگر شعور نہ ہو تو پھر دو صورتیں ہیں یا تو اس کی طبیعت کے مطابق ہو تو اسے طبیعی کہتے ہیں وگرنہ اضطراری ہے۔

اس سے یہ بات بھی بخوبی ظاہر ہو رہی ہے کہ زمین و آسمان میں جتی بھی حرکات ہیں۔ حرکت افلاک، حرکت شمس وقمر، بادل ہوا اور بارش و نباتات وغیرہ کی حرکت، حتی کہ ماں کے پیٹ میں بچہ تک کی حرکت، یہ تمام کی تمام حرکات فرشتوں کے واسطہ سے سرانجام دی جاتی ہیں۔ جیسا کہ قرآن و حدیث میں اس کی وضاحت موجود ہے نیز اس پر ایمان ملائکہ پر ایمان میں داخل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے، رحم، بارش، ہوا، شمس وقمر اور نجوم وغیرہ کو فرشتوں کے سپرد کیا ہوا ہے۔ اسی طرح ہر انسان پر چار فرشتے مقرر ہیں "کاتبین" اور "حافظین" جو اس کی آگے پیچھے سے حفاظت کرتے ہیں۔ نیز روح کو قبض کرنا، جنت یا جہنم میں اس کا ٹھکانا بنانا، قبر میں سوال وجواب کرنا، جہنم میں عذاب دینا یا جنت کی نعمتوں سے بہرہ مند کرانا، بادلوں کو ہانک کر دور لے جانا اور پھر بارش برسانا، جنت میں تمام نعمتیں مہیا کرنا اور اسی طرح جہنم میں آلات عذاب بہم پہنچانا یہ تمام کی تمام فرشتوں کی ذمہ داری ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا ایک عظیم لشکر ہے جسے ملائکہ کہتے ہیں۔ لفظ "ملک" (فرشتہ) سے معلوم ہو رہا ہے کہ یہ صرف اللہ کے قاصد اور اس کے احکامات کو بجالانے والے ہیں، ان کے اختیار میں کچھ نہیں، بلکہ تمام اختیارات کا مالک صرف اور صرف اللہ ہے۔ فرشتے اللہ تعالیٰ کے حکم کے تابع ہیں۔ ارشاد خداوندی ہے۔

﴿وَمَا نَتَنَزَّلُ اِلَّا بِاَمْرِ رَبِّكَ لَهٗ مَا بَيْنَ اَيْدِيْنَا وَمَا خَلْفَنَا وَمَا بَيْنَ ذٰلِكَ وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا﴾ (مریم:۶۴)

"اور ہم بدوں آپ کے رب کے حکم کے وقتاً فوقتاً نہیں آسکتے۔ اسی کی ہیں ہمارے آگے کی سب چیزیں اور ہمارے پیچھے کی

سب چیزیں اور جو چیزیں ان کے درمیان میں ہیں۔ اور آپ کا رب بھولنے والا نہیں۔''

﴿وَكَمْ مِّنْ مَّلَكٍ فِي السَّمٰوٰتِ لَا تُغْنِيْ شَفَاعَتُهُمْ شَيْئًا اِلَّا مِنْ بَعْدِ اَنْ يَّاْذَنَ اللّٰهُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَ يَرْضٰى﴾ (النجم:۲۶)

''اور بہت سے فرشتے آسمانوں میں موجود ہیں، اُن کی سفارش ذرا بھی کام نہیں آسکتی مگر بعد اس کے کہ اللہ تعالیٰ جس کے لئے چاہیں اجازت دے دیں اور راضی ہوں۔''

اللہ تعالیٰ فرشتوں کے ایک گروہ کی قسم کھاتے ہیں جو امر پیدائش میں اس کے احکام پر عمل کرتا ہے۔

﴿وَالصّٰٓفّٰتِ صَفًّا فَالزّٰجِرٰتِ زَجْرًا فَالتّٰلِيٰتِ ذِكْرًا﴾ (صفت:۱۔۳)

''قسم ہے ان فرشتوں کی جو صف باندھے کھڑے ہوتے ہیں۔ پھر ان فرشتوں کی جو بندش کرنے والے ہیں پھر اُن فرشتوں کی جو ذکر تلاوت کرنے والے ہیں۔''

﴿وَالْمُرْسَلٰتِ عُرْفًا فَالْعٰصِفٰتِ عَصْفًا۔ وَّ النّٰشِرٰتِ نَشْرًا۔ فَالْفٰرِقٰتِ فَرْقًا۔ فَالْمُلْقِيٰتِ ذِكْرًا عُذْرًا اَوْ نُذْرًا﴾ (المرسلت:۱۔۶)

''قسم ہے ان ہواؤں کی جو نفع پہنچانے کے لئے بھیجی جاتی ہیں۔ پھر ان ہواؤں کی جو تندی سے چلتی ہیں۔ اور اُن ہواؤں کی جو بادلوں کو پھیلاتی ہیں۔ پھر ان ہواؤں کی جو بادلوں کو متفرق کردیتی ہیں پھر ان ہواؤں کی جو اللہ کی یاد یعنی توبہ کا یا ڈرانے کا القاء کرتی ہیں۔''

﴿وَالنّٰزِعٰتِ غَرْقًا وَالنّٰشِطٰتِ نَشْطًا وَالسّٰبِحٰتِ سَبْحًا فَالسّٰبِقٰتِ سَبْقًا فَالْمُدَبِّرٰتِ اَمْرًا﴾ (النزعت:۱۔۵)

''قسم ہے ان فرشتوں کی جو جان سختی سے نکالتے ہیں اور جو بند کھول دیتے ہیں۔ اور جو تیرتے ہوئے چلتے ہیں۔ پھر تیزی کے ساتھ دوڑتے ہیں۔ پھر ہر امر کی تدبیر کرتے ہیں۔''

ان آیات کا مطلب اور قسم کے رموز ہم نے اپنی کتاب ''التبیان فی اقسام القرآن'' میں ذکر کردیئے ہیں۔

اس تمام تفصیل سے یہ ظاہر ہورہا ہے کہ کہ افلاک وغیرہ کی حرکات اللہ تعالیٰ کی عبادت ہے، اسی طرح حرکات طبعیہ اور اضطراریہ۔ اگر افلاک میں اللہ کی محبت نہ ہوتی تو وہ نہ گھومتے، نہ ستارے حرکت کرتے، نہ ہوائیں چلتیں، نہ بادل رواں دواں ہوتے، نہ بچہ ماں کے پیٹ میں حرکت کرتا، نہ نباتات اگتیں، نہ موجوں میں تلاطم پیدا ہوتا، نہ ہی آسمان وزمین اپنے خالق کے ثناء خوان ہوتے اور نہ ہی دیگر مخلوقات اس کی حمد کرتیں۔ وہ ذات پاک ہے

﴿تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا﴾ (اسراء:۴۴)

''تمام ساتوں آسمان اور زمین اور جتنے ان میں ہیں، اُن کی پاکی بیان کررہے ہیں، اور کوئی چیز ایسی نہیں جو تعریف کے ساتھ اُس کی پاکی بیان نہ کرتی ہو، لیکن تم لوگ اُن کی پاکی بیان کرنے کو سمجھتے نہیں ہو، وہ بڑا حلیم ہے، بڑا غفور ہے۔''

صرف اللہ سے محبت رکھنا

ہر جاندار جس میں ارادہ و محبت بھی ہو اور وہ صاحب عمل بھی ہو اس کی حرکت کا دارومدار محبت اور ارادہ پر ہے۔ کوئی بھی چیز اس وقت تک صاحب صلاح نہیں بن سکتی جب تک کہ اس کی ہر ہر حرکت اور محبت صرف اور صرف اللہ کے لئے نہ ہو جائے۔ جب اس کا وجود اسی ایک ذات کا مرہون منت ہے تو اس کی محبت بھی اسی کے لئے ہونی چاہیے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿لَوْ كَانَ فِيهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا﴾ (انبیاء: ۲۲)

''زمین و آسمان میں اگر اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور معبود ہوتا تو دونوں درہم برہم ہو جاتے۔''

اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ زمین و آسمان نہ ہوتے یا یہ معدوم ہوتے یا یہ ختم ہو جاتے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہیں کہ بغیر صلاح کے زمین و آسمان کو قائم رکھیں لیکن یہ بات ممکن نہیں کہ صلاح و استقامت اللہ تعالیٰ سے دل لگائے بغیر حاصل ہو جائے۔

اگر دنیا میں ایک سے زیادہ معبود ہوتے تو اس کا نظام بالکل فاسد ہو جاتا کیونکہ ہر معبود یہ چاہتا کہ اسے دوسرے پر غلبہ اور برتری حاصل رہے۔ نیز یہ بھی چاہتا کہ اس کی الوہیت میں اس کا کوئی شریک نہ ہو کیونکہ الوہیت میں شرکت اس کے لئے نقص اور عیب ہے۔ اور ہر معبود یہ چاہتا کہ میں عیب سے بری رہوں اور خود کو ناقص معبود نہ کہلواؤں۔ پس ہر ایک دوسرے کو مغلوب کرنے کی کوشش کرتا۔ اگر ایک دوسرے کو مغلوب کرنا چاہتا تو دو ہی صورتیں ہوتیں یا تو دوسرا مغلوب ہو جاتا یا نہیں۔ اگر مغلوب ہو جاتا تو مغلوب خدا نہیں ہو سکتا اور اگر مغلوب نہ ہوتا تو پہلا عاجز ہوا اور عاجز خدا نہیں ہو سکتا، لہٰذا لازمی طور پر ان دونوں کا ایک اور بڑا معبود ہونا چاہیے جو ان

دونوں کا حاکم ہو، وگرنہ تو یہ دونوں ایک دوسرے پر برتری کے چکر ہی میں رہیں گے، اور یوں زمین و آسمان میں فساد پھیل جائے گا۔ جیسا کہ اگر ایک ملک میں دو بادشاہ ہوں یا ایک بیوی کے دو شوہر ہوں تو اس ملک یا اس بیوی میں صلاح کی امید نہیں کی جاسکتی۔

دنیا میں اصل فساد کا سبب خلفاء اور بادشاہوں کا اختلاف ہے۔ اسی لئے اسلام اور مسلمانوں کے دشمن اسی وقت مسلمانوں سے نبرد آزما ہوتے ہیں جب ان میں اختلافات پھوٹ پڑیں۔ ہر ایک اپنی انفرادی شخصیت بنانے پر تلا ہوا ہو اور ہر ایک دوسرے پر برتری کا خواہاں ہو۔

الغرض زمین و آسمان کی صلاح واستقامت اور اس کے نظام کی درستگی صرف ایک اللہ سے محبت پر موقوف ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں اور نہ ہی اس کا کوئی شریک ہے۔ وہی تمام بادشاہتوں کا مالک اور ہر قسم کی تعریف والا ہے۔ وہی زندہ کرتا اور موت دیتا ہے اور وہی ہر چیز پر قادر ہے۔ عرش سے لے کر فرش تک اللہ تعالیٰ کے سوا ہر چیز باطل اور فضول ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿مَا اتَّخَذَ اللّٰهُ مِنْ وَّلَدٍ وَّ مَا كَانَ مَعَهٗ مِنْ اِلٰهٍ اِذاً لَّذَهَبَ كُلُّ اِلٰهٍ بِمَا خَلَقَ وَلَعَلَا بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ط سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ○ عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ﴾ (المومنون: ۹۱-۹۲)

''اللہ تعالیٰ نے کسی کو اولاد نہیں قرار دیا اور نہ اس کے ساتھ کوئی اور خدا ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو ہر خدا اپنی مخلوق کو جدا کر لیتا اور ایک دوسرے پر چڑھائی کرتا۔ اور اللہ تعالیٰ ان باتوں سے پاک ہے

جو یہ لوگ بیان کرتے ہیں، جاننے والا ہے سب پوشیدہ اور آشکارا کا، غرض ان لوگوں کی شرک سے وہ بالاتر ہے۔"

﴿اَمِ اتَّخَذُوْا اٰلِهَةً مِّنَ الْاَرْضِ هُمْ يُنْشِرُوْنَ o لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا ۚ فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُوْنَ o لَا يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْئَلُوْنَ﴾ (الانبیاء: ۲۱-۲۳)

"کیا ان لوگوں نے خدا کے سوا اور معبود بنا رکھے ہیں زمین کی چیزوں میں سے جو کسی کو زندہ کرتے ہوں۔ زمین آسمان میں اگر اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور معبود ہوتا تو دونوں درہم برہم ہو جاتے۔ سو اللہ تعالیٰ جو کہ مالک ہے عرش کا ان امور سے پاک ہے جو کچھ یہ لوگ بیان کرتے ہیں وہ جو کچھ ہے کرتا ہے اُس سے کوئی باز پُرس نہیں کر سکتا اور اوروں سے باز پُرس کی جا سکتی ہے۔"

﴿قُلْ لَّوْ كَانَ مَعَهٗٓ اٰلِهَةٌ كَمَا يَقُوْلُوْنَ اِذًا لَّابْتَغَوْا اِلٰى ذِى الْعَرْشِ سَبِيْلًا﴾ (الاسراء: ۴۲)

"آپ فرمائیے کہ اگر اُس کے ساتھ اور معبود بھی ہوتے جیسا یہ لوگ کہتے ہیں تو اسی حالت میں عرش والے تک انہوں نے راستہ ڈھونڈ لیا ہے۔"

بعض حضرات فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے لا بتغوا الیہ سبیلا قہر اور غصہ کے لئے فرمایا ہے۔ جیسا کہ ایک اور آیت میں ارشاد گرامی ہے:

﴿وَلَعَلَا بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ﴾ (المومنون: ۹۱)

''ایک دوسرے پر چڑھائی کرتا۔''

ہمارے شیخ رحمہ اللہ فرماتے تھے کہ لا تبغو االیہ سبِلا کے اصل معنی ہیں وہ معبودان باطلہ اطاعت خداوندی کے ذریعے اس کا قرب حاصل کرنے کی کوشش کرتے۔تم ان کی عبادت کیوں کرتے ہو؟ وہ اگرچہ ان کے زعم میں معبود ہیں مگر پھر بھی اللہ تعالیٰ کے فرماں بردار ہیں۔اس کے کئی دلائل ہیں۔

ا:۔ارشاد باری اللہ تعالیٰ ہے:

﴿اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ يَبْتَغُوْنَ اِلٰى رَبِّهِمُ الْوَسِيْلَةَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ وَيَرْجُوْنَ رَحْمَتَهٗ وَ يَخَافُوْنَ عَذَابَهٗ﴾(اسراء:۵۷)

''یہ لوگ کہ جن کو مشرکین پکار رہے ہیں وہ خود ہی اپنے رب کی طرف ذریعہ ڈھونڈ رہے ہیں کہ ان میں کون زیادہ مقرب بنتا ہے اور وہ اُس کی رحمت کے اُمیدوار ہیں اور اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں۔''

یعنی میرے علاوہ جن کی تم عبادت کرتے ہو جیسے تم میری مخلوق ہو اسی طرح وہ بھی میری مخلوق ہیں جب تم میری رحمت کی امید رکھتے اور مجھ سے ڈرتے ہو تو ان کی عبادت کیوں کرتے ہو؟

۲:۔اللہ تعالیٰ نے لا تبغوا علیہ سبِلا نہیں فرمایا بلکہ فرمایا ہے لا بتغوا الیہ سبِلا یہ لفظ تقرب کے لئے استعمال ہوتا ہے۔

﴿اِتَّقُوْا اللّٰهَ وَ ابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ﴾(مائدہ:۳۵)

''اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور خدا تعالیٰ کا قرب ڈھونڈو۔''

مغالبہ کے لئے اس کا صلہ علی ہوتا ہے۔

﴿فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوْا عَلَيْهِنَّ سَبِيْلًا﴾(نساء:۳۴)

''پھر اگر وہ تمہاری اطاعت کرنا شروع کر دیں تو ان پر بہانہ مت ڈھونڈو۔''

۳:۔ یہ قول کفار کا نہیں کہ ان کے معبود اللہ پر برتری چاہتے ہیں بلکہ وہ تو کہتے تھے کہ ہمارے معبود اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرتے۔ ہیں تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اگر بات اسی طرح ہو جس طرح کہ تم کہہ رہے ہو تو یہ معبود تو اللہ کے بندے ہوئے تو تم اللہ کو چھوڑ کر اس کے بندوں کی عبادت کیوں کرتے ہو؟

آثار محبت

محبت خواہ اچھی ہو یا بری اس کے آثار اور لوازم بھی ہوتے ہیں۔ محبت خواہ نافع ہو یا نقصان دہ اس سے ذوق، حلاوت، شوق، انس و محبت، محبوب کا قرب یا دوری، فرحت و مسرت، ہجر ووصال یا رونا دھونا وغیرہ ضرور حاصل ہوتے ہیں۔ اچھی اور نافع محبت وہ ہے جس سے دین و دنیا دونوں کا بھلا ہو اور سعادت دارین کا باعث ہو۔ بری اور نقصان دہ محبت وہ ہے جو دین و دنیا دونوں کی بربادی کا باعث ہو، اسی کا دوسرا نام بدبختی اور شقاوت ہے۔ کوئی بھی عاقل دیدہ و دانستہ نقصان دہ محبت میں گرفتار نہیں ہوتا۔ اگر عاقل کبھی اس محبت میں گرفتار ہو تو اس کی دو وجہیں ہوتی ہیں۔ یا تو اس پر محبت اتنی غالب آجاتی ہے کہ اسے اس مضرت کا خیال ہی نہیں یا پھر اسے علم تو ہوتا ہے لیکن وہ محبت میں اتنا اندھا ہو جاتا ہے کہ اس کا اعتقاد فاسد ہو جاتا ہے اور اس پر شہوت غالب آجاتی ہے۔ جب انسان کسی محبت میں گرفتار ہوتا ہے تو اس کا اعتقاد فاسد ہو جاتا ہے بدیں طور کہ اس پر حق اور باطل مشتبہ ہو جاتے ہیں اور محبوب کی باتیں اسے اچھی لگتی ہیں نہ کہ امر الٰہی۔ نیز اس پر شہوت بھی غالب آجاتی ہے جو اس محبوب کے حصول پر ابھارتی ہے۔ جس آدمی پر شبہات اور شہوات غلبہ پالیں پھر اس کا ایمان اور عقل دونوں کمزور ہو جاتی ہیں۔

اس تفصیل سے یہ بھی معلوم ہو چکا ہوگا کہ ہر محبت کے توابع کا حکم اسی محبت والا ہے۔ پس اگر اس کی محبت اچھی ہے تو اس کے توابع بھی اس کے لئے فائدہ مند ہونگے، اگر اس محبت میں روئے گا تب بھی فائدہ ہے اور اگر ہنسے گا تب بھی فائدہ سے خالی نہیں۔ اسی طرح خوش ہونا یا غم زدہ ہونا طبیعت میں انقباض یا انبساط دونوں ہی اس کے لئے فائدہ مند اور نافع ہیں۔ اور اگر اس کی محبت بری ہے تو پھر ہر کام اس کے لئے برا اور اور نقصان دہ ہے، نیز اللہ تعالیٰ سے دوری کا باعث بھی ہے۔

ہر اچھا یا برا کام اس کا بھی یہی حال ہے۔ اگر نیک کام ہو تو قرب خداوندی میں اضافہ کا سبب ہے اور اگر برا ہے تو اس کے لئے خسارہ ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ لَا يُصِيْبُهُمْ ظَمَاٌ وَّ لَا نَصَبٌ وَّ لَا مَخْمَصَةٌ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ لَا يَطَئُوْنَ مَوْطِئًا يَّغِيْظُ الْكُفَّارَ وَلَا يَنَالُوْنَ مِنْ عَدُوٍّ نَّيْلًا اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ بِهٖ عَمَلٌ صَالِحٌ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ وَلَا يُنْفِقُوْنَ نَفَقَةً صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً وَّلَا يَقْطَعُوْنَ وَادِيًا اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾ (توبہ: ۱۲۰۔۱۲۱)

''یہ اس سبب سے ہے کہ ان کو اللہ کی راہ میں جو پیاس لگی اور جو ماندگی پہنچی اور بھوک لگی اور جو چلنا چلے کفار کے لئے موجب غیظ ہوا ہو اور دشمنوں کی جو کچھ خبر لی ان سب پر ان کے نام ایک ایک نیک کام لکھا گیا۔ یقیناً اللہ تعالیٰ مخلصین کا اجر ضائع نہیں کرتا اور جو کچھ چھوٹا انہوں نے خرچ کیا اور جتنے میدان ان کو طے کرنے پڑے یہ سب بھی ان کے نام لکھا گیا تا کہ اللہ تعالیٰ

ان کو ان کے کاموں کا اچھے سے اچھا بدلہ دے۔''

اللہ تعالیٰ نے پہلی آیت میں ارشاد فرمایا ہے کہ ان کی اطاعت کے بدلہ میں ایک عمل صالح لکھ لیا جائے گا۔ اور دوسری آیت میں ارشاد ہے کہ جو عمل صالح وہ کرتے ہیں اسے لکھ لیا جائے گا۔ ان میں فرق یہ ہے کہ پہلا ان کا حقیقی کام نہیں تھا ان سے صادر ہو گیا اس لئے اس کے بدلہ میں ایک عمل صالح لکھ لیا گیا دوسرا ان کا اپنا عمل تھا اس لئے اسے لکھ لیا گیا۔

ہر دین کی اصل بنیاد محبت ہے

جیسے ہر کام کی بنیاد محبت اور ارادہ پر ہے اسی طرح اس کی بنیاد دین پر بھی ہے خواہ وہ دین صحیح ہو یا غلط۔ کیونکہ دین اعمال ظاہرہ اور باطنہ کے مجموعے کا نام ہے. دین کہتے ہیں اطاعت، عبادت اور اخلاق کو۔ دین ایسی دائمی اطاعت ہے جو اخلاق اور عادت بن جائے۔ اسی لئے تو

﴿اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ﴾ (قلم:۴)

''بیشک آپ اخلاق کے اعلیٰ پیمانہ پر ہیں۔''

میں خلق سے مراد دین لیا گیا ہے۔ حضرت امام احمدؒ حضرت ابن عیینہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ خلق سے مراد دین ہے۔ حضرت عائشہؓ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کے متعلق سوال کیا گیا تو آپؓ نے فرمایا آپ کے اخلاق قرآن ہیں۔ [1]

دین کے معنی پست خشوع اور اطاعت کے ہیں۔ اس کا مطلب ہوتا ہے بلندی سے پستی کی طرف آنا۔ عرب کا مقولہ ہے دنتہ فدان میں نے اسے مقہور کیا اور وہ مقہور ہو گیا۔

---

[1] مسند احمد، مسلم، ابوداؤد۔

هو دان الر باب اذ كرهو الد ين فاضحو ابعزة وصيال

جب انہوں نے دین کو ناپسند کیا تو وہ ذلیل اور عزت وبہادری سے محروم ہوگئے۔

کبھی اس سے مراد ہوتا ہے پستی سے بلندی کی طرف جانا۔ جیسے دان اللہ کا ترجمہ کیا جاتا ہے کہ اللہ کی اطاعت کی، اس سے محبت کی، اس سے ڈرا، اس کے لئے مشقتیں اور ذلتیں برداشت کیں اور اسی کے لئے خشوع وخضوع سے کام کیا۔

باطنی دین کے لئے محبت اور عبادات میں خشوع وخضوع ضروری ہے اگرچہ دین ظاہر کے لئے ضروری نہیں کیونکہ اس میں تو صرف ظاہری اطاعت ہی کافی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یوم قیامت کا نام یوم الدین رکھا ہے کیونکہ اس دن لوگ اپنے اعمال کے سبب یا پست ہونگے یا بلند، کیونکہ یہ دن ان کے حساب اور جزاء کا دن ہے۔ اسی لئے اس کا نام یوم الجزاء اور یوم الحساب بھی ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿فَلَوْ لَا اِنْ كُنْتُمْ غَيْرَ مَدِيْنِيْنَ تَرْجِعُوْنَهَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ﴾ (واقعہ: ۸۶-۸۷)

”تو اگر تمہارا حساب کتاب ہونے والا نہیں ہے۔ تو تم اُس روح کو پھر کیوں نہیں لوٹا لاتے ہو اگر تم سچے ہو۔“

یعنی اگر تمہارا کوئی رب نہیں جو تم پر حکم چلا سکے تو روح کو اس کے اصل مقام پر لوٹا دو، یہ آیت کافروں کے خلاف دلیل ہے جو قیامت کے دن کا انکار کرتے ہیں۔ یہ چونکہ دلیل ہے اس لئے اس کی تشریح وہ ہونی چاہئے جس سے ذہن فوراً اس کے مدلول کی طرف منتقل ہو جائے اور وہ تفسیر یہ ہے کہ جب مشرکین نے بعثت اور آخرت کا انکار کیا تو درحقیقت انہوں نے اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس کی ربوبیت کا انکار

کیا ہے۔ یا تو وہ اقرار کریں کہ ان کا ایک رب ہے جو ان پر حکم چلا سکتا ہے، انہیں زندہ کر سکتا اور مار سکتا ہے، انہیں کسی کام کا حکم بھی دے سکتا ہے اور روک بھی سکتا ہے، اچھوں کو ثواب اور بروں کو پکڑ بھی سکتا ہے، اگر وہ اس کا انکار کریں اور یہ سمجھیں کہ ان کا کوئی خدا نہیں تو انہیں یہ کہا جا رہا ہے کہ اگر ایسا ہی ہے تو تم اس روح کو جو تمہارے حلقوم تک پہنچ چکی ہے واپس لوٹا کر دیکھو۔ یہ دراصل ان لوگوں کو خطاب ہے جو جاں بہ لب ہیں اور مرنے کے قریب ہیں کہ دیکھو! جب تم اس سانس کے لوٹانے پر بھی قادر نہیں تو مان لو کہ تمہارا ایک رب ہے جس کے حکم سے سب کچھ ہوتا ہے اور جس کے بغیر کسی کا حکم نہیں چلتا۔ اس سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کی اور کیا دلیل ہو سکتی ہے کہ اس کے بغیر اگرچہ ساری دنیا کے تمام جنات اور انسان جمع ہو جائیں مگر وہ اس سانس کو واپس نہیں لوٹا سکتے جسے اللہ تعالیٰ نے باہر نکلنے کا حکم فرما دیا ہے۔

دین کی دو قسمیں

دین کی دو قسمیں ہیں، دین امری شرعی، یعنی شریعت پر اس لئے عمل کرنا کہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے، اور دین حسابی جزائی، یعنی سزا اور جزاء کو مدنظر رکھ کر دین پر عمل کرنا۔ یہ دونوں قسمیں صحیح ہیں کیونکہ یقیناً اللہ تعالیٰ اسی کام کا حکم فرمائیں گے جو انہیں پسند ہوگا اور اسی کام سے روکیں گے جو انہیں ناپسند ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کے لئے دین وہ ہوتا ہے جسے انسان محبت اور رضا سے اختیار کرے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔

جو اللہ کے رب ہونے پر، اسلام کے دین ہونے پر اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی ہونے پر راضی رہا اس نے دین کا ذائقہ چکھ لیا۔[1]

اسی طرح دین جزائی پر عمل بھی باعث نجات ہے۔ اچھے کو اچھا بدلہ اور

---

[1] مسند احمد، مسلم، ترمذی۔

برے کو برا بدلہ دینا اللہ تعالیٰ کو پسند ہے۔ یہ اس کا عدل اور وہ اس کا فضل ہے۔ دونوں ہی اس کی صفات ہیں اور وہ اپنی صفات سے محبت رکھتا ہے اور اس سے بھی محبت رکھتا ہے جو اس کی صفات سے محبت رکھے۔ دین کی دونوں قسمیں صراط مستقیم ہیں جیسا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ قرآن مقدس میں فرمایا کہ حضرت ہودؑ نے اپنی قوم سے فرمایا

﴿اِنِّیْ اُشْهِدُ اللّٰهَ وَاشْهَدُوْا اَنِّیْ بَرِیْءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ فَكِیْدُوْنِیْ جَمِیْعًا ثُمَّ لَا تُنْظِرُوْنِ اِنِّیْ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ رَبِّیْ وَرَبِّكُمْ مَا مِنْ دَآبَّةٍ اِلَّا هُوَ اٰخِذٌ بِنَاصِیَتِهَا اِنَّ رَبِّیْ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ﴾ (ہود: ۵۴-۵۶)

"میں اللہ کو گواہ کرتا ہوں اور تم بھی گواہ رہو کہ میں اُن چیزوں سے بیزار ہوں جن کو تم خدا کے سوا شریک قرار دیتے ہو، سب مل کر میرے ساتھ داؤ گھات کر لو پھر مجھ کو ذرا مہلت نہ دو۔ میں نے اللہ پر توکل کر لیا ہے جو میرا بھی مالک ہے اور تمہارا بھی مالک ہے جتنے روئے زمین پر چلنے والے ہیں سب کی چوٹی اُس نے پکڑ رکھی ہے۔ یقیناً میرا رب صراط مستقیم پر ہے۔"

جب حضرت ہودؑ نے دیکھا کہ ان کا رب صراط مستقیم کے فیصلے فرماتا ہے تخلیق اور امر و نہی میں، ثواب و عقاب میں، قضاء و قدر میں، منع و عطاء میں، عافیت و آزمائش میں اور توفیق و محرومی میں، اور اپنے اسماء اور صفات میں، اپنے مقتضیات میں جو فیصلہ بھی فرمائے یقیناً وہی مناسب حال تھے۔ اللہ تعالیٰ کا عدل، فضل، احسان اور حکمت و رحمت بھی اتنی ہی صحیح ہیں جتنا کہ منع کرنا، محروم کرنا، گمراہ کرنا اور برے کاموں پر پکڑ کرنا۔ اللہ تعالیٰ کا ہر کام حکمت سے بھرپور اور مقتضائے حال کے عین مطابق ہوتا ہے۔ ہر قسم کی تعریف اور حمد و ثنا آپ کے لئے ہے۔ تبھی تو حضرت ہودؑ نے تمام

سرداران قوم کے سامنے بہ بانگ دہل مذکورہ بالا اعلان فرمایا۔ پھر اللہ تعالیٰ کی قدرت وعظمت اور مخلوق کی ذلت و پستی کو بیان فرمایا۔

﴿مَامِنْ دَآبَّةٍ اِلَّا هُوَ اٰخِذٌ بِنَا صِيَتِهَا اِنَّ رَبِّىْ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ﴾ (ھود:۵۶)

''جتنے روئے زمین پر چلنے والے ہیں سب کی چوٹی اس نے پکڑ رکھی ہے یقیناً میرا رب صراط مستقیم پر ہے۔''

وہ آدمی کیسے اللہ سے نہ ڈرے جس کا سب کچھ اللہ کے ہاتھ میں ہو؟ اور جس پر اس کا ہر حکم چلتا ہو؟ اگر انسان پھر بھی نہیں ڈرتا تو بہت بڑا جاہل اور بہت بڑا ظالم ہے۔ نیز یہ بھی بتایا کہ اللہ تعالیٰ صراط مستقیم کے احکام صادر فرماتے ہیں۔ اگر چہ ہمارا سب کچھ اسی کے قبضہ قدرت میں ہے مگر پھر بھی وہ ہم پر ظلم نہیں فرمائیں گے کیونکہ ظلم صراط مستقیم کے منافی ہے۔ وہی ذات پاک انسان میں تصرف کرنے والی اور عدل کرنے والی ہے کہ اس کا کوئی بھی تصرف عدل سے خالی نہیں ہوتا۔ اگر ان کی طرف سے عطا یا اور اکرام ملے تو ان کا فضل و احسان ہے اور اگر محرومی یا رسوائی نصیب ہو تو یہ ان کا عدل اور حکمت ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ دونوں ہی صورتوں میں صراط مستقیم پر ہیں۔

ایک حدیث صحیح میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ

''جب بھی کسی انسان کو کوئی غم یا پریشانی لاحق ہو اور وہ یہ دعاء کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے غم کو دور فرما کر اس کے لئے آسانیاں پیدا فرمادیتے ہیں۔ صحابہؓ نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آیا ہم اسے سیکھ لیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو بھی سنے اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ اسے سیکھے۔ وہ دعا یہ ہے۔

اے اللہ میں تیرا بندہ، تیری باندی کا بندہ ہوں آپ ہی میرے مالک

ہیں آپ کا حکم مجھ پر چلتا ہے آپ کا فیصلہ مجھ پر لاگو ہوتا ہے۔ اے اللہ میں تیرے ان تمام ناموں کا واسطہ دے کر تجھ سے سوال کرتا ہوں جو تو نے خود رکھے ہیں یا تو نے کسی کتاب میں اتارے ہیں یا تو نے کسی کو سکھائے ہیں یا تیرے علم غیب میں وہ ہیں کہ تو قرآن عظیم کو میرے دل کی بہار، میرے دل کا نور اور میرے غموں اور پریشانیوں کا مداوی بنادے۔''[1]

اس دعاء سے ثابت ہو رہا ہے کہ اللہ کا حکم بندے کے لئے اختیاری ہو غیر اختیاری دونوں صورتوں میں اس پر لاگو ہوتا ہے اور دونوں ہی اس کے عدل کے عین مطابق ہیں۔

عشق مجازی

اس کتاب کو اب ہم اس فصل پر ختم کرتے ہیں، اس فصل میں عشق مجازی کے دنیاوی اور اخروی مفاسد ذکر کیے جائیں گے، اگرچہ اس کے مفاسد بیان سے باہر ہیں۔ کیونکہ اس سے انسان کا دل خراب ہوتا ہے اور جب دل خراب ہو جاتا ہے تو تمام ارادے اور اقوال و اعمال تمام فاسد ہو جاتے ہیں اور انسان کی توحید بھی کمزور ہو جاتی ہے جیسا کہ گذر چکا اور آگے بھی بیان ہوگا۔

اللہ تعالیٰ نے اس مرض کا تذکرہ دو گروہوں میں فرمایا ہے۔ ایک عورت و مرد کا عشق اور ایک لواطت والوں کا عشق۔ اللہ تعالیٰ نے عورتوں کے عشق کے سلسلہ میں عزیز مصر کی بیوی کا حضرت یوسفؑ کے ساتھ عشق کا تذکرہ فرمایا ہے کہ زلیخا نے حضرت یوسفؑ کو کیسے بہکایا اور حضرت یوسفؑ نے خود کو کیسے بچایا؟ ایسے حال میں وہی صبر کرسکتا ہے جسے اللہ ہی صبر کی توفیق عطاء فرمائیں کیونکہ برائی کے مواقع بہت زیادہ تھے۔

---

[1] مسند احمد

۱۔ اللہ تعالیٰ نے مرد کے دل میں عورت کی اتنی خواہش رکھ دی ہے جتنی کہ پیاسے کو پانی کی اور بھوکے کو کھانے کی ہوتی ہے۔ بلکہ بعض لوگ کھانے اور پینے سے صبر کر سکتے ہیں لیکن عورتوں سے صبر نہیں کر سکتے اور اگر یہ حلال طریقہ سے ہو تو کچھ قابل مذمت نہیں بلکہ قابل تعریف ہے۔ حضرت امام احمدؒ نے کتاب الزہد میں روایت بیان کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مجھے عورت اور خوشبو پسند ہے حتی کہ میں کھانے پینے سے صبر کر سکتا ہوں لیکن ان سے صبر نہیں کر سکتا۔

۲۔ حضرت یوسفؑ نوجوان تھے۔ آپؑ میں جوانی کی حدت و شہوت قوی ترین تھی۔

۳۔ آپؑ غیر شادی شدہ تھے۔ قضاء شہوت کا کوئی ذریعہ نہ تھا۔

۴۔ آپؑ پردیس میں تھے۔ انسان کو اپنے واقف کاروں میں شہوت رانی سے شرم محسوس ہوتی ہے۔

۵۔ حضرت زلیخا خوبصورت اور منصب والی تھیں۔ اگر کسی عورت میں یہ دونوں چیزیں جمع ہوں تو اس کی طرف دل زیادہ مائل ہوتا ہے۔

۶۔ زلیخا انکاری نہیں تھیں۔ کیونکہ اگر عورت کی طرف انکار ہو تو اکثر مردوں کی شہوت کم ہو جاتی ہے اس لئے کہ انہیں سوال کی ذلت اٹھانی پڑتی ہے۔ البتہ بعض لوگوں کی شہوت اور بھڑکتی ہے

وزادنی کلفا فی الحب ان منعت　　احب شی الی الانسان ما منعا

انسانی طبیعتیں مختلف ہیں۔ بعض تو ایسے ہیں کہ عورت کی رغبت سے ان کی محبت بڑھتی اور اس کے انکار سے ان کی محبت کم ہوتی ہے۔ مجھے بعض قاضیوں نے بتایا

کہ عورت کے انکار سے مرد کی شہوت سرد پڑ جاتی ہے۔ اور بعض لوگ ایسے بھی ہیں کہ جوں جوں عورت کی طرف سے انکار بڑھتا ہے ان کی شہوت مزید بڑھتی ہے۔

اور عورت پر کامیابی کے بعد انہیں بہت ہی زیادہ لذت حاصل ہوتی ہے۔ کیونکہ جس چیز کے حصول میں مشکلات پیش آئیں اس کے حصول میں بہت زیادہ لذت ہوتی ہے۔

۷۔ زلیخا نے خود حضرت یوسفؑ کو بہکایا اور اپنی سی خوب کوشش کی۔ حضرت یوسفؑ کو نہ سوال کرنا پڑا اور نہ ہی رغبت کا اظہار۔

۸۔ آپؑ زلیخا کے گھر میں اس کے زیر سایہ تھے۔ اس بات کا بھی ڈر تھا کہ اگر بات نہ مانی تو ہوسکتا ہے کسی اذیت میں مبتلا ہونا پڑے۔

۹۔ کسی کو علم ہونے کا ڈر بھی نہیں تھا کیونکہ دروازے بند تھے اور زلیخا بھی راغب تھیں۔

۱۰۔ چونکہ آپؑ زلیخا کے مملوک تھے اور گھر میں آنا جانا تھا۔ لہٰذا سابقہ محبت بھی داعی تھی۔ جیسے کہ ایک شریف عورت سے زنا سرزد ہوا اس سے پوچھا گیا کہ تجھے زنا پر کس نے آمادہ کیا؟ تو اس نے کہا کہ مرد کا اور میرا تکیہ قریب قریب تھا اور پرانی آشنائی تھی۔

۱۱۔ زلیخا نے اور عورتوں سے بھی مدد چاہی تھی جبکہ حضرت یوسفؑ نے اللہ تعالیٰ سے مدد چاہی۔

﴿وَ اِلَّا تَصۡرِفۡ عَنِّیۡ كَيۡدَ هُنَّ اَصۡبُ اِلَيۡهِنَّ وَ اَكُنۡ مِّنَ الۡجٰهِلِيۡنَ﴾ (یوسف: ۳۳)

''اور اگر آپ ان کے داؤ پیچ کو مجھ سے نہ پھیریں گے تو ان کی طرف مائل ہو جاؤں گا اور نادانی کا کام کر بیٹھوں گا۔''

۱۲۔ حضرت یوسفؑ کو قید اور ذلت کی دھمکی بھی دی گئی اور ڈرایا دھمکایا گیا۔ لہٰذا شہوت کے ساتھ ساتھ قید سے حفاظت کا بھی تقاضہ یہی تھا کہ زلیخا کی دعوت قبول کر لی جاتی۔

۱۳۔ عزیز مصر جو زلیخا کے شوہر تھے ان سے بھی غیرت مندی کا ظہور نہیں ہو رہا تھا بلکہ انہوں نے حضرت یوسفؑ سے کہا۔ اس سے درگذر کر اور زلیخا سے کہا اپنے گناہوں پر استغفار کر یہ سب تیری ہی خطا تھی۔ خاوند کی غیرت بھی زنا سے مانع ہوتی ہے یہاں اس کا بھی فقدان تھا۔ ان تمام تقاضوں کے باوجود حضرت یوسفؑ نے اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کو مقدم رکھا اور اللہ تعالیٰ سے محبت کے سبب اس فعل شنیع سے جیل جانا پسند فرمایا:

﴿قَالَ رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَیَّ مِمَّا یَدْعُوْنَنِیْٓ اِلَیْهِ﴾ (یوسف:۳۳)

''یوسفؑ نے دعا کی کہ اے میرے رب مجھے قید زیادہ پسند ہے اس کام سے جس کام کی طرف یہ عورتیں مجھ کو بلا رہی ہیں۔''

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت یوسفؑ خود نہ بچ سکتے تھے۔ آپ اس لئے محفوظ رہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی برائی کو آپ سے دور فرمایا اور آپ کو معصوم رکھا۔ اگر اللہ ایسا نہ فرماتے تو آپؑ اس میں مبتلا ہو جاتے۔ حضرت یوسفؑ کو اپنے نفس کی اور اللہ تعالیٰ کی کمال معرفت حاصل تھی۔ اس قصہ میں اتنے فوائد اور حکمتیں ہیں کہ جن کے بیان کے لئے ایک مستقل کتاب کی ضرورت ہے۔

دوسرا طبقہ جن کا عشق اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے لوطی ہیں۔

ارشاد باری ہے۔

﴿وَجَآءَ اَهْلُ الْمَدِیْنَةِ یَسْتَبْشِرُوْنَ۔ قَالَ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ ضَیْفِیْ فَلَا تَفْضَحُوْنِ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَلَا تُخْزُوْنِ قَالُوْٓا اَوَلَمْ

نَنۡهَكَ عَنِ الۡعٰلَمِيۡنَ قَالَ هٰٓؤُلَآءِ بَنٰتِيۡۤ اِنۡ كُنۡتُمۡ فٰعِلِيۡنَ لَعَمۡرُكَ اِنَّهُمۡ لَفِيۡ سَكۡرَتِهِمۡ يَعۡمَهُوۡنَ﴾ (الحجر: ۶۷-۷۲)

''اور شہر کے لوگ خوب خوشیاں کرتے ہوئے پہنچے۔ لوطؑ نے فرمایا کہ یہ لوگ میرے مہمان ہیں سو مجھ کو فضیحت مت کرو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور مجھ کو رسوا مت کرو۔ وہ کہنے لگے کیا ہم آپ کو دنیا بھر کے لوگوں سے منع نہیں کر چکے؟ لوط علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ میری بیٹیاں موجود ہیں اگر تم میرا کہنا کرو۔ آپ کی جان کی قسم وہ اپنی مستی میں مدہوش تھے۔''

عورتوں اور لڑکوں دونوں کا عشق حرام اور نقصان دہ ہے۔ یہ ایسی بیماری ہے جس کی دوائی سے اطباء عاجز ہیں۔ یہ ایک زہر قاتل ہے جو دل میں سرایت کر جاتا ہے۔ اگر یہ آگ ایک بار بھڑک جائے تو اسے بجھانا بہت مشکل ہو جاتا ہے۔ اس کی کئی اقسام ہیں۔ ایک قسم وہ ہے جو انسان کفر تک پہنچا دیتی ہے۔ جیسے اگر کوئی شخص اپنے محبوب سے اتنی محبت رکھے جتنی کہ خدا تعالیٰ سے رکھتا ہے یا اپنے محبوب کے ساتھ خدا تعالیٰ سے بھی زیادہ محبت ہو تو یہ بہت بڑا مشرک ہے، جسے اللہ تعالیٰ کبھی معاف نہیں فرماتے۔ الا یہ کہ وہ توبہ کر لے اور اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو جائے۔ عشق شرک کی علامت یہ ہے کہ انسان اپنے معشوق کی رضا کو خدا تعالیٰ کی رضا پر مقدم رکھے۔ جب معشوق کے حق اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں تعارض ہو تو معشوق کو ترجیح دے۔ اس کے لئے تو اپنا سب کچھ قربان کرنے کے لئے تیار ہو اور خدا تعالیٰ کے لئے تھوڑا بہت کبھی کبھار کچھ خرچ کرے۔ اس کی ایک اور علامت یہ ہے کہ عاشق اپنے محبوب کی خوشنودی اور اس کی فرماں برداری میں ہمہ تن کوشاں رہے آپ غور کریں کیا اکثر عاشقوں کا یہی حال نہیں ہے؟ آپ ان کے حال کو ایک پلڑے میں

اور ان کے ایمان کو دوسرے پلڑے میں رکھیں پھر عدل کے ساتھ تو لیں تو ان کی حقیقت کا علم ہو جائے گا۔

بعض عاشق تو صراحتاً معشوق کے وصال کو اللہ تعالیٰ کی توحید سے مقدم رکھتے ہیں۔ ایک خبیث شاعر کہتا ہے۔

یترشفن من فمهن رشفات هن احلی فیه من التوحید

وہ اپنی زبان سے مجھے طعنے دیتی ہے۔اس کے طعنے مجھے کلمہ توحید سے بھی زیادہ میٹھے معلوم ہوتے ہیں۔

پیچھے گذر چکا کہ ایک اور خبیث شاعر نے کہا تھا کہ مجھے اللہ تعالیٰ کی رحمت سے زیادہ محبوب کے وصال کی خواہش ہے۔

یقیناً یہ عشق بہت بڑا شرک ہے۔ بہت سے لوگ خود کہتے ہیں کہ ہمارے دل میں معشوق کے سوا کسی کی کوئی جگہ نہیں۔ معشوق انسان کے دل کا مکمل مالک بن جاتا ہے اور پھر اس کی رضا مندی اتنی ہی محبوب ہوتی ہے جتنی کہ اللہ تعالیٰ کی۔ پھر اس کی نحوست کے سبب انسان خدا تعالیٰ کی عبادت کو چھوڑ کر معشوق کی عبادت میں مشغول ہو جاتا ہے کیونکہ اصل عبادت تو محبت اور اطاعت شعاری ہے۔ جب دل میں معشوق کی محبت اور اس کی اطاعت شعاری ہے تو حقیقی معبود تو معشوق ہوا نہ کہ اللہ تعالیٰ۔

بدفعلی اور اس گناہ میں کوئی مناسبت نہیں کیونکہ بدفعلی سے انسان گناہ کبیرہ کا مرتکب ہوتا ہے اور یہ گناہ انسان کو شرک تک لے جاتا ہے۔ ایک شیخ عارف فرماتے ہیں ان معشوقوں کے ساتھ بدفعلی مجھے ان کے ساتھ عشق سے زیادہ پسند ہے کہ میرا دل ان کی عبادت میں مشغول رہے اور اللہ تعالیٰ سے غافل رہے۔

عشق کی دواء

جو انسان بھی اس مہلک مرض میں مبتلا ہوتا ہے وہ اپنی جہالت کے سبب مبتلا

ہوتا ہے یا اس لئے کہ اس کا دل اللہ تعالیٰ سے غافل ہوتا ہے۔ اگر وہ اس مہلک مرض سے بچنا چاہتا ہے تو اسے اللہ تعالیٰ کی توحید اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے واقفیت ضروری ہے، نیز اسے ظاہری اور باطنی عبادات میں مشغول ہونا چاہیے، اسے چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے آہ و زاری کرے کہ اے اللہ اس مصیبت سے نجات عطاء فرما اور اپنے دل کو اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ رکھے۔ اس مرض کے لئے سب زیادہ نافع دوا اخلاص ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

﴿كَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ وَالْفَحْشَآءَ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِيْنَ﴾ (یوسف:۲۴)

''تاکہ ہم اُن سے صغیرہ اور کبیرہ گناہوں کو دور رکھیں وہ ہمارے برگزیدہ بندوں میں سے تھے۔''

اللہ تعالیٰ بیان فرمارہے ہیں کہ میں نے یوسفؑ سے عشق اور فحاشی ان کے اخلاص کے سبب دور کی۔ جب انسان کا دل مخلص ہو اور اس کے عمل میں بھی اخلاص ہوتو وہ عشق مجازی میں مبتلا نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ عشق مجازی فارغ دل میں جڑ پکڑتا ہے۔ جیسے کہ ایک شاعر کہتا ہے۔

میرے دل میں اس کی محبت اس وقت سے جاگزیں ہے جب مجھے محبت کا علم بھی نہیں تھا اس کی محبت نے میرے دل کو خالی پایا اور اس پر قبضہ کرلیا۔ عقلمندوں کے پیش نظر یہ بات رہنی چاہیے کہ عقل اور شریعت دونوں کا تقاضا ہے کہ انسان ہمیشہ وہ کام کرے جس میں مصلحت ہو نہ کہ وہ جس میں کوئی مفسدہ اور خرابی ہو۔ جب کسی عاقل کے سامنے کوئی ایسا کام آئے جس میں مصلحت بھی ہو اور خرابی بھی تو اسے دو کام کرنے چاہییں۔ علمی کام اور عملی کام۔ علمی کام تو یہ ہے کہ اسے علم ہو کہ مصلحت کو خرابی پر ترجیح دی جاتی ہے۔ اور عملی کام یہ کہ جب اسے اس کا علم ہو جائے تو پھر اسے

مصلحت والے کام کو غیر مصلحت والے پر ترجیح دینی چاہیے۔

عشق کے نقصانات

یہ بات تو واضح ہے کہ عشق مجازی میں نہ کوئی دنیاوی مصلحت ہے اور نہ اخروی۔ بلکہ دین ودنیا دونوں کے بے شمار نقصانات ہیں۔ مثلاً

۱۔ اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس کے ذکر کو چھوڑ کر مخلوق کی محبت اور اس کے ذکر میں مشغول ہونا۔ دل میں یہ دونوں چیزیں جمع نہیں ہوسکتیں یقیناً ایک غالب اور دوسری مغلوب ہوگی۔

۲۔ دلی پریشانی۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو محبوب بناتا ہے اسے ضرور اس کے ذریعے پریشانی میں مبتلا کیا جاتا ہے۔ ایک شاعر کہتا ہے۔ عاشق سے زیادہ دنیا میں کوئی بدبخت نہیں اگرچہ اس کی خواہشات اچھی ہی ہوں۔ تو دیکھے گا کہ وہ ہر وقت رو رہا ہے اگر دور ہو تو محبوب کے شوق میں روتا ہے اور اگر قریب ہو تو فراق کے ڈر سے۔ الغرض فراق ہو یا وصال عاشق کی آنکھیں بہر صورت گریاں رہتی ہیں۔

عشق اگرچہ عاشق کو اچھا لگے مگر عذاب سے کم نہیں۔

۳۔ انسان کے دل پر غیر کا قبضہ ہوجاتا ہے لیکن انسان چونکہ محبوب کی محبت میں گرفتار ہوتا ہے اس لئے اسے احساس نہیں ہوتا۔ اس کا دل ایک چڑیا کی مانند ہے جو کسی بچے کے ہاتھ میں ہو اور وہ بچہ اپنے کھیل کود میں مشغول ہو۔

ایک شاعر کہتا ہے

تم میرے دل کے مالک ہو، تم اس پر ظلم وستم کر رہے ہو، تمہیں اس کا احساس بھی نہیں بلکہ تم اپنے کھیل میں مشغول ہو۔

عاشق کی زندگی تو ایک قیدی کی سی ہے جو شخص عشق سے خالی ہے وہی آزاد زندگی گذارتا ہے۔

محبوب آنکھوں سے دور ہے لیکن عاشق پھر بھی اس کا قیدی ہے اور یہ ایسا بیمار ہے جس پر موت منڈلا رہی ہے۔

عاشق زندوں کی شکل میں ایک مردہ ہے جو قیامت سے پہلے زندہ نہیں ہوسکتا عشق کے اندھیروں میں اس کا دل گم ہو چکا ہے جو موت تک اسے دوبارہ نہیں مل سکتا۔

۴۔ عشق اسے اخروی اور دنیاوی دونوں مصروفیات سے بے کار کردیتا ہے۔ دنیاوی اور اخروی مصروفیات عشق سے زیادہ کسی چیز سے ضائع نہیں ہوتیں۔ دینی مصالح تو اس طرح کہ عاشق ہمیشہ پراگندہ دل ہوتا ہے اور دین کے لئے دلجمعی کی ضرورت ہے۔ اور دنیاوی مصالح درحقیقت دینی مصالح کے تابع ہیں۔ جس شخص کے دینی مصالح ضائع ہوگئے اس کے دنیاوی مصالح بھی ضائع گئے۔

۵۔ عاشق دینی اور دنیاوی آفات میں بہت زیادہ مبتلا ہوتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عشق مجازی کے سبب انسان کا دل خدا تعالیٰ سے دور ہوجاتا ہے۔ جب انسان کا دل اللہ تعالیٰ سے دور ہوجاتا ہے تو اسے چاروں طرف سے آفات گھیر لیتی ہیں اور شیطان اس پر ہر طرف سے حملہ آور ہوتا ہے۔ کیونکہ اسے معلوم ہے کہ یہ دل اپنے محافظ اللہ تعالیٰ سے دور ہے۔ جو چیز اپنے محافظ سے دور ہوجائے وہ ہمیشہ خطرات میں گھری رہتی ہے۔

۶۔ جب انسان کے دل میں عشق راسخ ہو جاتا ہے تو اس کا ذہن فاسد ہوجاتا ہے اور مختلف وساوس میں مبتلا ہوجاتا ہے۔ اور کبھی تو عشق عاشق کی عقل کو

اس قدر خراب کر دیتا ہے کہ اسے مجنوں اور دیوانہ بنا دیتا ہے۔

عاشقوں کے بارہ میں ایسی باتیں عام ہیں اور جا بجا اس کا مشاہدہ بھی ہوسکتا ہے۔ انسان میں سب سے اشرف چیز عقل ہے۔ اسی کے ذریعے انسان دیگر حیوانات سے ممتاز ہوتا ہے اگر انسان کی عقل ہی ختم ہو جائے تو پھر تو حیوان ہی اس سے بہتر ٹھہرے۔ مجنوں کی عقل عشق نے ہی تو ضائع کی تھی۔ یہ عشق ایک ایسا مرض ہے جس سے جنون میں اضافہ ہی ہوتا ہے۔ایک شاعر کہتا ہے۔

لوگوں نے کہا کہ تو اپنی محبوبہ کے عشق میں مجنوں ہوگیا میں نے جواب دیا کہ عشق تو جنون سے بھی بڑھ کر ہوتا ہے۔ عاشق عشق سے کبھی چھٹکارہ نہیں پا سکتا۔ بلکہ وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ اس مرض میں اضافہ ہوتا ہے۔

۷۔ انسان میں عشق کے سبب دو خرابیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ صوری اور معنوی۔ معنوی خرابی تو دل کے تابع ہوتی ہے۔ جب دل خراب ہوگیا تو آنکھ، کان اور زبان سب کچھ خراب ہوگیا۔ اسی لئے انسان کو اپنے محبوب کی بری باتیں بھی اچھی لگتی ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان عالیشان ہے۔

حبك الشئ يعمي ويصم : کسی چیز کی محبت تجھے اندھا اور بہرہ بنا دیتی ہے۔ جب انسان کے دل کی آنکھ اندھی ہو جاتی ہے تو پھر اسے محبوب کا کوئی عیب نظر نہیں آتا۔ جب کان بہرے ہو جائیں تو کوئی عیب سنائی نہیں دیتا۔ عشق ہر عیب کو چھپا دیتا ہے۔ جب عشق ختم ہوتا ہے تو پھر عیوب نظر آتے ہیں۔ شدت محبت آنکھ کا پردہ ہے ایک شاعر کہتا ہے۔

جب میں تم سے محبت کرتا تھا میری آنکھ پر پردہ پڑا ہوا تھا۔ اب یہ پردہ اٹھا تو نظر آیا کہ میں کتنی مصیبتوں میں گرفتار تھا۔

جو شخص جس میں چیز میں گھسا ہوا ہے اسے اس کے عیوب دکھائی نہیں دیتے

اور جو شخص اس میں داخل ہی نہیں ہوا اسے بھی عیوب نظر نہیں آتے البتہ جو شخص داخل ہو کر باہر نکل آیا ہو اسے اس کے تمام عیوب نظر آجاتے ہیں۔ اسی لئے تو وہ صحابہؓ جو کفر کے بعد اسلام میں داخل ہوئے ان سے بہتر ہیں جو مسلمان پیدا ہوئے۔

صوری اور ظاہری خرابی عاشق میں یہ ہوتی ہے کہ وہ مریض اور کمزور ہو جاتا ہے۔ کبھی کبھار تو نوبت موت تک جا پہنچتی ہے۔ حضرت ابن عباسؓ کے پاس عرفہ میں ایک نوجوان لایا گیا جس کی ہڈیوں پر صرف کھال ہی باقی رہ گئی تھی۔ آپؓ نے استفسار کیا کہ اسے کیا ہے؟ جواب ملا کہ عشق میں مبتلا ہے۔ یہ سن کر حضرت ابن عباسؓ دن بھر استغفار کرتے رہے۔

۸:۔ عشق جب عاشق کے دل میں راسخ ہوتا ہے تو اسے صرف اسی کا خیال رہتا ہے، یہی فکر اس کے ذہن پر مسلط ہوتی ہے کہ محبوب ایک لمحہ کے لئے بھی اس کے دل سے جدا نہیں ہوتا۔ اس کا اثر انسانی اور حیوانی قوتوں پر بھی پڑتا ہے۔ انسان کے افعال، مقاصد اور صفات جداگانہ روش اختیار کر لیتی ہیں اور انسانی صلاحیتیں بھی زنگ آلود ہو جاتی ہیں۔

عشق ابتداء بھی بہت بھلا اور میٹھا معلوم ہوتا ہے۔ پھر یہ غم اور دلی بیماریوں میں تبدیل ہو جاتا ہے اور آخری درجہ قتل ہے۔

ایک شاعر کہتا ہے۔

عشق نہ کرنا: کیونکہ ابتداء تو یہ میٹھا ہوتا ہے مگر درمیان میں بیماری اور آخر میں قتل بن جاتا ہے۔

عشق کے درجات

عشق کے تین درجے ہیں۔ ابتدائی درجہ، وسطانی درجہ اور انتہائی درجہ۔ اگر کوئی شخص ابھی ابتدائی درجہ پر ہو اور محبوب تک پہنچنا مشکل ہو تو اسے چاہیے کہ وہ خود

پر قابو رکھے اور آہستہ آہستہ اپنے دل سے اس خیال کو دفع کردے۔ اگر ایسا نہ کر سکے تو یہ ابتدائی درجہ نہیں بلکہ وسطانی اور انتہائی درجہ ہے اس صورت میں اسے چاہیے کہ وہ اسے چھپائے اور کسی پر ظاہر نہ کرے۔ اگر وہ کسی کے سامنے محبوب کی برائی کرے گا تو اسے دوگنا گناہ ہوگا شرک کا اور ظلم کا۔ اس باب میں ظلم سب سے بڑا ظلم ہوتا ہے کبھی اس ظلم کے سبب معشوق کو بہت بڑے نقصان کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ مثلاً یہ کہ معشوق کی عزت پر حرف آجاتا ہے کیونکہ اکثر لوگ ایسے ہیں جو ادنیٰ سے شبہ پر کسی کو برائی سے متہم کردیتے ہیں۔ اگر کسی کے متعلق یہ کہہ دیا جائے کہ اس نے فلاں کے ساتھ زنا یا لواطت کی ہے تو ایک آدمی اسے جھوٹ سمجھے گا اور نو سو ننانوے آدمی اسے سچ کہیں گے۔

اگر کوئی عاشق اپنے محبوب کے بارہ میں کچھ کہے تو اسے یقینی طور پر سچ سمجھا جاتا ہے اور اگر مفعول کوئی غلط بات عاشق کی طرف منسوب کردے تو اس کے جھوٹ سمجھے جانے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ بالخصوص اگر عاشق و معشوق کبھی ایک جگہ دیکھ لئے جائیں تو ان کی برائی میں کسی کو شک نہیں رہتا۔ کیونکہ تمام لوگ برائی میں اپنے خیالات و وہم اور جھوٹی باتوں کو بنیاد بنالیتے ہیں۔ اسی لئے حبیبہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہؓ کو ایک ہلکے سے شبہ کے سبب حضرت صفوان بن المعطلؓ کے ساتھ متہم کردیا گیا تھا۔ اگر اللہ تعالیٰ ان کی براءت قرآن کریم میں نازل نہ فرماتے تو معاملہ بہت بگڑ جاتا۔

الغرض اظہار عشق انسان کو ظلم تک پہنچا دیتا ہے اور بہت سے لوگوں کی غلط سوچوں کی تصدیق کرتا ہے۔ پھر عشق پر کسی اور سے مدد لینا ترغیب دے کر یا ڈرا دھمکا کر اور اسے واسطہ بنانا اپنے ظلم کو متعدی اور اسے دیوث بنانا ہے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے رائش پر جو رشوت دینے اور لینے والے کے درمیان واسطہ ہوتا

ہے اس پر لعنت فرمائی ہے تو اس دیوث کے بارہ میں آپ خود فیصلہ فرمائیں جو عاشق اور معشوق کے درمیان واسطہ ہے۔ عاشق اور یہ دیوث دونوں مل کر اس معشوق پر ظلم کرتے ہیں۔ کئی بار ایسا بھی ہوتا ہے کہ نوبت قتل تک پہنچ جاتی ہے۔ کتنے خاوند، سردار اور قریبی رشتہ دار صرف اسی عشق کے سبب قتل ہو جاتے ہیں؟ کتنی عورتیں اپنے خاوندوں کو، اور لونڈیاں اور غلام اپنے آقا کو اسی لئے قتل کر دیتے ہیں؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کرنے والے پر لعنت فرمائی اور برأت کا اظہار فرمایا ہے کیونکہ یہ بہت بڑا کبیرہ گناہ ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تو مردوں کو اپنے مسلمان بھائی کے پیغام نکاح پر پیغام دینے تک اور بھاؤ پر بھاؤ لگانے تک سے منع فرمایا ہے اور جو شخص خاوند اور بیوی کے درمیان تفریق ڈالے کیا اس کے لئے ایسا کرنا جائز ہوگا؟

عاشق اور ان کے مددگار دیوث اسے گناہ ہی نہیں سمجھتے۔ اگر انسان کوشش کر کے بیوی سے خاوند کو یا لونڈی سے آقا کو جدا کر دے تو اسے دوسرے پر ظلم کرنے کا گناہ ملے گا جو حق غیر ہے اور توبہ سے بھی معاف نہیں ہوتا۔ توبہ سے اگر چہ حقوق اللہ معاف ہو جاتے ہیں مگر حقوق العباد اس سے بھی معاف نہیں ہوتے بلکہ قیامت والے دن وہ حقوق ادا کرائے جائیں گے۔ اگر کوئی شخص کسی کے جگر کے ٹکڑے کو جو اسے جان سے بھی پیارا ہے یعنی اس کے لڑکے کو خراب کر دے یا کسی شوہر کی بیوی کی عصمت کو داغدار کر دے جس کا افسوس یقیناً اسے اتنا ہوگا کہ اگر اس کا سب اثاثہ اور سامان لٹ جاتا تو اسے اتنا افسوس نہ ہوتا تو کیا اس گناہ سے بڑھ کر کوئی گناہ ہو سکتا ہے؟ اور کیا یہ امید کی جا سکتی ہے کہ باپ یا شوہر اس کے اس گناہ کو معاف کر دیں گے؟ یقیناً قیامت کے دن ان سے کہا جائے گا کہ اس بد بخت کی نیکیاں لے لو جیسے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا ہے۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے

استفسار فرمایا کہ تمہارا کیا خیال ہے کیا اب بھی اس کے پاس کوئی نیکی بچ سکتی ہے؟ پھر بالخصوص جس کے ساتھ برائی کی ہے اگر وہ رشتے دار یا پڑوسی ہو تو اسے بدکاری کے ساتھ ساتھ ایذاء جار اور قطع رحمی کا بھی گناہ ہوگا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے قاطع رحم جنت میں داخل نہ ہوگا اور نہ وہ شخص جنت میں داخل ہوگا جس کا پڑوسی اس کے شر سے محفوظ نہ ہو۔

اگر عاشق وصال محبوب کے لئے جنات یا جادو وغیرہ کی مدد لیتا ہے تو وہ شرک اور ظلم کے ساتھ ساتھ سحر کے کفر میں بھی مبتلا ہے۔

الغرض اس کام میں کسی قسم کا تعاون بھی ظلم وزیادتی میں تعاون کرنا ہے۔ عاشق کے بارہ میں تو معلوم ہو چکا کہ وہ ظلم، شرک اور کفر وغیرہ تک کی برائیوں میں مبتلا ہو جاتا۔ لیکن کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ معشوق بھی اپنے مقاصد کے حصول کے لئے ظلم وتعدی پر اس کی مدد کرتا ہے بلکہ دونوں ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں۔ معشوق عاشق کے اہل وعیال اور قریبی رشتہ داروں کے خلاف اس کی مدد کرتا ہے اور عاشق معشوق کی اغراض پوری کرنے کے لئے اس کی مدد کرتا ہے۔ ظلم وتعدی کا گناہ ان کے تعاون کی وجہ سے اور بڑھ جاتا ہے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ عاشق معشوق کی غرض کو پورا کرنے کے لئے ناجائز امور اختیار کرتا ہے۔ کبھی چوری کرتا ہے، کبھی ڈاکے ڈالتا ہے، کبھی خیانت کرتا ہے اور کبھی جھوٹی قسموں سے اپنا مطلب پورا کرتا ہے حتی کہ کبھی کبھار تو قتل تک سے دریغ نہیں کرتا اور معشوق ان تمام کاموں میں اس کی معاونت کرتا ہے۔ یہ تمام آفات عشق مجازی سے پیدا ہوتی ہیں۔ کبھی کبھی تو انسان اس کے سبب صریح کفر میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ بہت سے مسلمان عشق کے سبب عیسائی بن گئے۔ ایک موذن اذان دینے کے لئے منارہ پر چڑھا اس نے ایک خوبصورت عورت دیکھی، اس کے عشق میں مبتلا ہوا۔ نیچے اتر کر اس کے قریب پہنچا اور اس سے شادی

کے لئے کہنے لگا۔ اس نے جواب دیا کہ میں عیسائی ہوں اگر آپ عیسائی بن جائیں تو میں آپ کے ساتھ شادی کرسکتی ہوں۔ یہ موذن عیسائی بن گیا۔ اسی روز کسی کام سے چھت پر چڑھا وہاں سے پاؤں پھسلا، نیچے گرا اور فوت ہوگیا۔ یہ واقعہ مولانا عبدالحق نے اپنی کتاب ''العاقبہ'' میں ذکر فرمایا ہے۔

چند عیسائیوں نے چاہا کہ ایک مسلمان قیدی کو عیسائی بنائیں۔ انہوں نے ایک خوبصورت لڑکی کو حکم دیا کہ اسے اپنی طرف مائل کرو۔ جب اس قیدی کے دل میں اس لڑکی کی محبت پیدا ہوگئی تو اسے کہا کہ ہمارے دین میں داخل ہو جاؤ میں تمہاری بات ماننے کے تیار ہوں۔

﴿يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ فِي الْاٰخِرَةِ وَ يُضِلُّ اللّٰهُ الظّٰلِمِيْنَ وَ يَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ﴾ (ابراہیم: ۲۷)

''اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو اُس پکی بات سے دنیا اور آخرت میں مضبوط رکھتا ہے اور ظالموں کو پھسلا دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔''

عشق میں عاشق اور معشوق دونوں ظلم پر ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں۔ ظلم پر مدد کرنا بھی ظلم کرنا ہے تو یہ دونوں خود پر بھی ظلم کرتے ہیں اور ایک دوسرے پر بھی۔ نیز ان کا ظلم دوسروں تک متعدی بھی ہوتا ہے جیسا کہ پیچھے گذر چکا ہے۔ اور سب سے بڑا ظلم شرک تک پہنچ جانا ہے۔

معشوق میں اگر خوف خدا نہ ہو تو وہ عاشق کو برباد کرتا ہے۔ مثلاً بن سنور کر اپنی طرف مائل کرتا ہے اور ناز و ادا سے اس کا دل لبھاتا ہے اور پھر اس سے اپنے مقاصد پورے کرتا ہے۔ اس سے مال و دولت حاصل کرتا ہے اور اپنی شہوت کو بھی

تسکین پہنچاتا ہے۔ عاشق بھی کبھی اپنی شہوت رانی کے لئے معشوق کو قتل کر دیتا ہے۔ عشق کے ہاتھوں کتنے معشوق اور عاشق قتل ہوئے؟ کتنوں کی عزتیں برباد ہوئیں، کتنوں کی دولت ضائع ہوئی؟ اور کتنوں کے مراتب ختم ہوئے؟ اور کتنوں کے گھر برباد ہوئے؟ جب عورت دیکھتی ہے کہ اس کا شوہر کسی اور پر فدا ہے تو وہ بھی اپنا تعلق کسی اور سے قائم کر لیتی ہے جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ مرد اسے طلاق دے دیتا ہے اور یوں گھر برباد ہو جاتا ہے۔

پس عقلمند وہی ہے جو اس سے دور رہے تاکہ ان مفاسد سے حفاظت ہو سکے۔ اگر کوئی شخص اس عشق میں مبتلا ہوتا ہے تو وہ اپنے ہی ہاتھوں مبتلا ہوتا ہے۔ اگر وہ بار بار معشوق کے چہرے کو نہ دیکھتا اور اس کے وصال کی خواہش نہ رکھتا تو اس کے عشق میں مبتلا نہ ہوتا۔ کیونکہ عشق کا سب سے پہلا سبب اچھا لگنا ہے خواہ دیکھ کر یا سن کر۔ اگر دیکھ کر یا سن کر اس کے ساتھ ساتھ ملاپ نہ رکھے تو عشق پیدا نہیں ہوتا۔ اگر وہ اس کے متعلق سوچتا ہی رہے اور نہ دینی خوف ہو اور نہ دنیاوی ہو تو اس کے دل میں اس کی محبت ضرور پیدا ہو جائیگی۔ دینی خوف تو یہ ہوتا ہے کہ جہنم سے ڈرے یا اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا خوف رکھے، اور دنیاوی خوف یہ ہوتا ہے کہ جان کا خطرہ ہو یا مال اور مرتبہ کے خاتمہ کا خطرہ ہو یا ذلت کا ڈر ہو وغیرہ وغیرہ۔ یا پھر یہ صورت ہو کہ اس کے دل میں پہلے ہی کسی کی محبت جاگزیں ہو اور وہ اتنی پختہ اور راسخ ہو کہ اس کے سوا کسی اور کی محبت اس کے دل میں نہ سما سکتی ہو تو پھر بھی اس کا عشق اس کی دل میں پیدا نہیں ہوگا۔ اگر یہ چیزیں نہ ہوں تو پھر اس کی طرف دل کا میلان ضرور ہوگا اور اس کی طرف دل ضرور کھنچے گا۔

اگر کوئی شخص کہے کہ آپ نے عشق کے مفاسد اور نقصانات کو ذکر فرمادئے مگر اس کے منافع اور فوائد ذکر نہیں کئے۔ حالانکہ اس کے بے شمار فوائد ہیں۔ مثلاً

طبیعت کی بشاشت، نفس کی راحت، دل کے بوجھ کا ختم ہونا، طبیعت میں شگفتگی، اچھی عادتوں کا پیدا ہونا۔ شجاعت، سخاوت اور نرمی وغیرہ کا پیدا ہونا۔

بعض حضرات تو یہاں تک فرماتے ہیں کہ عشق بلند مرتبہ لوگوں کے دلوں کی دوا ہے۔ اور بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ عشق وہی کر سکتا ہے جو ظاہراً بامروت ہو، جس کی عادات اچھی ہوں، جو صاحب زبان فاضل اور صاحب احسان کامل ہو اور جو ادبی ذوق رکھنے کے ساتھ ساتھ حسین بھی ہو۔

بعض حضرات کہتے ہیں عشق سے دل میں بہادری پیدا ہوتی ہے۔ ذہنی غباوت دور ہوتی ہے، بخیل سخی بن جاتا ہے۔ بادشاہوں میں تو اضع پیدا ہو جاتی ہے اور انسان میں عمدہ اخلاق پیدا ہو جاتے ہیں۔ عشق اس آدمی کا انیس ہے جس کا کوئی انیس نہیں اور اس آدمی کا جلیس ہے جس کا کوئی جلیس نہیں۔

بعض یہ بھی کہتے ہیں کہ عشق بوجھ کو ہلکا کر دیتا ہے، روح کو لطیف بنا دیتا ہے، دل کی صفائی کر دیتا ہے اور انسان میں بلند اخلاق پیدا کر دیتا ہے۔ بعض حکماء فرماتے ہیں، عشق نفس کے لئے مشقت ہے جو اخلاق کو اچھا بنا دیتا ہے اس کا اظہار طبعی امر ہے اور اس کا چھپانا قابل تکلیف ہے۔ ایک اور حکیم فرماتے ہیں جس شخص کے دل میں اچھی آواز اور اچھا چہرہ تلاطم نہ پیدا کرے وہ فاسد المزاج ہے جسے علاج کی ضرورت ہے۔ ایک شاعر کہتا ہے

اذا انت لم تعشق ولم تدر ما الهوی   فقم فاعتلف تبنا فانت حمار

اگر تو نے عشق نہیں کیا اور تجھے معلوم نہیں کہ محبت کیا ہوتی ہے؟ تو جا، گھاس چر کیونکہ تو گدھا ہے۔

بعض صاحب عفت عشاق کہتے ہیں۔ پاکدامن رہو، شرافت حاصل ہو گی اور عشق کرو، کامیابی ملے گی۔

ایک عاشق سے پوچھا گیا اگر تو اپنے محبوب کو حاصل کرلے تو کیا کرے گا؟ اس نے جواب دیا کہ میں اسکے دونوں رخساروں کو دیکھوں گا، اس سے باتیں کروں گا۔ جس کا اظہار اسے پسند نہیں وہ چھپاؤں گا۔ اس کے ساتھ کوئی برائی کرکے اپنا عہد نہیں توڑوں گا۔ پھر اس نے یہ اشعار پڑے۔

میں اس سے خلوت میں ملتا ہوں لیکن پھر بھی پاکدامن رہتا ہوں کیونکہ ایک تو میں بددیانتی سے ڈرتا ہوں، دوسرا میرے سامنے یہ رہتا ہے کہ میں عاشق ہوں اور عاشق ایسا نہیں کرتے۔ میری حالت ایسی ہی ہوتی ہے جیسا کہ روزہ دار کے ہاتھ میں پانی ہو اور اسے پیاس بھی محسوس ہو رہی لیکن وہ صبر کرتا ہے۔

ابو اسحاق بن ابراہیم فرماتے ہیں کہ عشاق کی روحیں لطیف عطر کی مانند اور ان کے اجسام خفیف اور ہلکے ہوتے ہیں۔ ان کی باتوں سے مردہ دل زندہ ہوتے ہیں اور ان کے اقوال عقل میں زیادتی کا باعث ہیں۔ اگر عشق ومحبت نہ ہوتی تو دنیا کی نعمتیں باطل ہو جاتیں۔

ایک اور بزرگ فرماتے ہیں عشق روحوں کے لئے ایسا ہی ہے جیسا کہ بدن کے لئے غذاء اگر اسے چھوڑ دیں تو نقصان دہ ہے اور اگر اس میں زیادتی کریں تو باعث ہلاکت ہے۔ ایک شاعر کہتا ہے۔

اے میرے محبوب محبت میں لذت بھی ہے اور دائمی شفا بھی لیکن اس میں غم بھی ہے۔ اچھے محبوب کے سوا زندگی کا کوئی مزا نہیں۔ اس کے بغیر نہ ہی دنیا میں کوئی بھلائی ہے اور نہ ہی کوئی مسرت۔

امام خرائطی نے حضرت ابوغسان سے روایت کی ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ ایک روز ایک لونڈی کے پاس سے گذرے جو یہ شعر پڑھ رہی تھی۔

میں اپنا دل ٹوٹنے سے پہلے اسے چاہتی تھی۔ میں محمد بن قاسم کی محبت میں

قتل کردی گئی۔

آپؒ نے اس سے پوچھا کہ وہ آزاد ہے یا لونڈی۔ اس نے جواب دیا کہ لونڈی۔ آپؒ نے اسے خریدا اور محمد بن قاسم بن جعفر بن ابی طالبؒ کے پاس بھیج دیا۔

ایک لونڈی حضرت عثمان بن عفانؓ کے پاس آئی اور ایک انصاری پر دعویٰ کیا۔ آپؓ نے پوچھا کہ تیرا کیا قصہ ہے۔ کہنے لگی کہ میں اس کے بھتیجے کی طرف مائل ہوں۔ حضرت عثمان نے اس انصاری سے فرمایا۔ یا تو تو اسے اپنے بھتیجے کو ہبہ کردے یا میں اپنے مال سے تجھے اس کی قیمت دے دیتا ہوں۔ وہ کہنے لگا اے امیر المومنین میں آپ کو گواہ بناتا ہوں کہ میں نے یہ لونڈی اسے ہبہ کردی۔

نیز ہم اس عشق کے بارہ میں نہیں کہتے جو برائی تک پہنچ جائے بلکہ ہم تو اس عشق کے بارہ میں کہہ رہے ہیں جو برائیوں سے بالکل پاک ہو جو خود میں مبتلا کے دین، عفت اور مروت کو ختم نہ کرے۔ یہ عشق تو سلف کرام اور ائمہ اعلام سے ثابت ہے۔ دیکھیں حضرت عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبۃ بن مسعود جو مشہور سات فقہاء میں سے ایک ہیں انہوں نے عشق کیا یہاں تک کہ ان کے عشق کا خوب چرچا ہو، مگر کسی نے بھی اس پر نکیر نہیں کی بلکہ انہیں ملامت کرنے والے کو ظالم گردانا گیا ہے۔

حضرت عمر بن عبد العزیز کے بارہ مشہور ہے کہ وہ فاطمہ بنت عبد الملک کی لونڈی پر عاشق ہو گئے جو بہت زیادہ خوبصورت تھی۔ وہ لونڈی آپ کو اچھی لگتی تھی آپ اپنی بیوی سے اسے مانگتے رہتے لیکن وہ انکار کردیتیں۔ جب آپ خلفیہ بنے تو حضرت فاطمہ نے اپنی لونڈی سے بناؤ سنگھار کرنے کو کہا۔ جب وہ بن سنور گئی تو اسے لے کر حضرت عمر بن عبد العزیز کے پاس پہنچی اور فرمانے لگیں اے امیر المومنین آپ کو میری فلاں لونڈی بہت پسند تھی۔ آپ مجھ سے مانگتے رہے اور میں انکار کرتی رہی۔ اب میرا دل چاہتا ہے کہ میں وہ لونڈی آپ کو ہبہ کردوں۔ جب آپ نے یہ سنا تو آپ کا چہرہ

مسرت سے کھل اٹھا۔ آپ نے فرمایا جلدی کرو۔ جب وہ لونڈی داخل ہوئی تو آپ کو پہلے سے بھی زیادہ اچھی لگی آپ نے فرمایا کہ اپنے کپڑے اتار دو۔ اس نے کپڑے اتار دیے تو آپ نے پوچھا کہ مجھے بتاؤ کہ تم کون ہو اور فاطمہ تک کیسے پہنچیں۔ وہ کہنے لگی کہ حجاج نے ایک عامل پر کچھ مال کا جرمانہ ڈالا میں اس کی لونڈی تھی مجھے پکڑا اور عبدالملک کے پاس بھیج دیا انہوں نے مجھے فاطمہ کو ہبہ کر دیا آپ نے پوچھا کہ اس عامل کا کیا بنا وہ کہنے لگی کہ فوت ہوگیا۔ آپ نے پوچھا کہ کیا کوئی اولاد چھوڑی ہے۔ اس نے جواب دیا کہ جی ہاں آپ نے پوچھا وہ کس حال میں ہیں جواب ملا کہ بری حالت میں۔ آپ نے فرمایا کہ اپنے کپڑے پہن لو اور اپنے گھر چلی جاؤ۔ پھر آپ نے عراق کے عامل کو خط لکھا کہ میرے پاس فلاں کو بھیج دو۔ جب وہ آپ کے پاس پہنچا تو آپ نے فرمایا کہ جو کچھ جرمانہ تم سے حجاج نے لیا تھا واپس لے لو۔ اس نے جو بھی کہا آپ نے اسے لوٹا دیا۔ پھر آپ نے حکم فرمایا کہ اسے لونڈی واپس کردو۔ اور اسے فرمایا اس لونڈی کو خود سے دور رکھنا ہوسکتا ہے کہ تمہارے والد اس کے ساتھ مشغول ہوئے ہوں۔ وہ آدمی کہنے لگا اے امیر المومنین یہ آپ کی ہے۔ آپ نے فرمایا مجھے اس کی کچھ ضرورت نہیں۔ وہ کہنے لگا آپ مجھ سے خرید لیں۔ آپ نے فرمایا پھر یہ نفس کو خواہش سے روکنا تو نہ ہوا۔ جب وہ آدمی لونڈی کو لے جانے لگا تو اس لونڈی نے آپ سے سوال کیا اے امیر المومنین اب آپ کی میرے متعلق کیا رائے ہے؟ آپ نے فرمایا پہلے جیسی بلکہ کچھ زیادہ ہوگئی ہے۔ وہ لونڈی ہمیشہ آپ کے دل پر چھائی رہی۔ یہاں تک کہ آپ کا وصال ہوگیا رحمہ اللہ رحمتہ واسعتہ۔ امام ابوبکر محمد بن داؤد ظاہریؒ جو فن فقہ، حدیث، تفسیر اور ادب کے امام تھے اور اکابر علماء میں سے تھے آپ کا عشق بھی مشہور ہے۔

حضرت نفطویہ فرماتے ہیں میں آپ کے مرض وفات میں حاضر خدمت ہوا

میں نے کہا کیسے مزاج ہیں؟ آپ نے فرمایا جسے آپ جانتے ہیں اس کی محبت نے میرا یہ حال کردیا جو آپ دیکھ رہے ہیں۔ میں نے کہا کہ جب آپ کو اس پر قدرت ہے تو اس سے استمتاع کرلیں۔ آپ نے فرمایا کہ استمتاع کی دو صورتیں ہیں۔ جائز نظر اور ناجائز لذت۔ نظر مباح نے میرا یہ حال کردیا جو آپ دیکھ رہے ہیں اور ناجائز لذت سے مجھے اس حدیث نے منع کیا ہوا ہے جو میرے والد نے مجھے سنائی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جس شخص نے عشق کر کے اسے چھپایا اور وہ پاکدامن و صابر رہا اللہ تعالیٰ اسکی مغفرت فرمادیں گے اور اسے جنت میں داخل کردیں گے۔ پھر آپ نے یہ اشعار پڑھے۔

دیکھ اس کی آنکھ سے صبح پھوٹ رہی ہے۔ اس کی نشیلی آنکھ کی سیاہی کو دیکھ۔ اس کے رخسار پر اس کے بالوں کو دیکھ گویا کہ وہ چونٹیاں ہیں جو ہاتھی دانت پر رینگ رہی ہیں۔

نیز یہ اشعار بھی پڑھے۔

وہ محبوب کے رخسار پر سیاہ بالوں کو کیوں اچھا نہیں سمجھتے حالانکہ وہ ٹہنیوں پر کالے پھولوں کو پسند کرتے ہیں۔ اگر رخسار پر بال عیب ہوتے تو آنکھوں کا عیب پلکوں کے بال ہوتے۔

میں نے ان سے کہا کہ آپ فقہ میں تو قیاس کی نفی کرتے ہیں اور اشعار میں جائز قرار دیے ہوئے ہیں۔ آپ نے فرمایا محبت کے غلبہ کی وجہ سے ایسا ہوا۔ اسی رات آپ کا انتقال ہوگیا۔ آپ نے اپنے محبوب کی وجہ سے کتاب ''الزہرہ'' تصنیف فرمائی ہے۔

حضرت عبداللہ بن معمر القیسی فرماتے ہیں۔ میں ایک سال حج کے لئے گیا اور ایک رات مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں قبر مطہر کی زیارت کے لئے حاضر ہوا۔

میں قبر اور منبر کے درمیان بیٹھا ہوا تھا میں نے رونے کی آواز سنی۔ میں نے غور سے سنا تو رونے والا کہہ رہا تھا تیرے رونے نے تجھے مزید غم زدہ اور تیرے دل کو مزید افسردہ کر دیا ہے۔ جب نیند کا وقت ہوتا ہے تجھے محبوب کے فکر گھیر لیتے ہیں۔ اے رات تو اس شخص کے لئے طویل ہو جا جو کم خوابی کی شکایت کرتا ہے اور جو کم صبرا ہے۔ تو اس شخص کے ساتھ سلامتی سے پیش آ جو محبوب کے ہجر میں انگاروں کی طرح دہک رہا ہے مجھے علم نہیں تھا کہ میں اس کے عشق میں گرفتار ہوں میں اس کے غم میں مبتلا ہو کر بھی اس سے بے خبر رہا۔

پھر آواز آنی بند ہوگئی۔ مجھے علم نہ ہو سکا کہ کہاں سے آ رہی ہے۔ تھوڑی دیر بعد پھر رونے کی آواز آئی۔ کوئی کہہ رہا تھا۔

ریا کے خیال نے مجھے اور غمگین کر دیا ہے جبکہ رات اپنے پر پھیلا کر جا رہی ہے میرے دل میں اس کا خیال اور محبت مضبوطی سے جڑ پکڑ چکے ہیں۔ میں نے ریا کو پکارا جبکہ گھٹاٹوپ اندھیرے چھائے ہوئے تھے۔ چاند آسمان میں ایسے چل رہا تھا جیسا کہ بادشاہ ہو اور ستارے اس کے سپاہی معلوم ہوتے تھے اے رات تو اس عاشق پر طویل ہوگئی ہے جس کے پاس صبح کی مساعدت کے علاوہ کچھ بھی نہیں۔ اس نے مجھے جواب دیا کہ مرجا اور جان لے کہ محبت دور حاضر کا کھیل ہے۔

جب اس کے یہ اشعار مکمل ہوئے تو میں اس کے پاس تھا۔ میں نے ایک نوجوان دیکھا جس کے آنسوؤں نے اس کے دونوں رخساروں میں نشان ڈال دیا تھا۔ میں نے اسے سلام کیا اس نے مجھے بیٹھنے کا کہا اور پوچھا کہ آپ کون ہیں؟ میں نے کہا عبد اللہ بن معمر القیسی وہ پوچھنے لگا کہ آپ کو کوئی کام ہے میں نے کہا میں روضہ اقدس کے پاس بیٹھا ہوا تھا آپ کی درد بھری آواز مجھے کھینچ کر آپ تک لے آئی۔ آپ کا کیا معاملہ ہے؟ اس نے کہا میں عتبہ بن حباب بن منذر بن جمعرح انصاری

ہوں۔ ایک روز صبح کے وقت میں مسجد احزاب گیا میں نے نماز پڑھی۔ نماز کے بعد میں مسجد سے کچھ دور ہی پہنچا تھا کہ میں نے کچھ عورتیں دیکھیں۔ ان کے درمیان میں ایک بہت ہی خوبصورت لڑکی تھی اس نے مجھے کہا۔ اے عتبہ تو اس کے وصال کے بارہ میں کیا کہتا ہے جو تیرا وصال چاہتی ہے۔ یہ کہہ کر وہ مجھے چھوڑ کر چلی گئی۔ پھر میں نے نہ اس کی کچھ خبر سنی اور نہ ہی مجھے اس کا کچھ علم ہوا۔ میں حیران ایک جگہ سے دوسری جگہ گھومتا رہا۔ وہ تھوڑی دیر کو خاموش ہوا اور پھر یہ شعر پڑھے۔

تم دور کے شہر میں ہو میں پھر بھی تمہیں اپنے دل میں دیکھتا ہوں کیا تم مجھے میرے دور ہونے کے باوجود اپنے دل میں دیکھتے ہو؟ میرا دل اور میری آنکھیں تم پر افسوس کرتی ہیں میری روح تمہارے پاس ہے اور تمہارا ذکر میرے پاس ہے۔ میرے لئے راحت کا وجود ہی نہیں جب تک کہ میں تمہیں دیکھ نہ لوں اگرچہ میں جنت الفردوس میں پہنچ جاؤں۔

میں نے کہا اے بھتیجے توبہ کر اور گناہوں پر استغفار کر۔ میں صبح تک اس کے ساتھ رہا پھر میں نے کہا ہم مسجد احزاب چلتے ہیں۔ ہوسکتا ہے اللہ تعالیٰ ہماری پریشانی دور فرمادے۔ ہم مسجد احزاب پہنچے۔ وہاں پہنچ کر اس نے یہ اشعار پڑھے۔

اے لوگو! بدھ والے دن سے کیا مجھے محرومی کے بعد کوئی خوشی حاصل نہیں ہوسکتی۔ اس روز ایک ہرن اچانک مسجد احزاب کے قریب آئی اور اس نے مجھے قتل کردیا۔

پھر ہم بیٹھ گئے یہاں تک کہ ہم نے ظہر کی نماز پڑھی۔ اس کے بعد چند عورتیں آئیں ان میں وہ لڑکی نہیں تھی۔ وہ عورتیں کہنے لگیں اے عتبہ تیرا اس لڑکی کے بارہ میں کیا خیال ہے جو تیرا وصال چاہتی ہے۔ عتبہ نے پوچھا کہ اس کا کیا حال ہے؟ وہ کہنے لگیں کہ اسے اس کے والد سا وہ لے گئے ہیں اس کا نام ریا ابنۃ العظر یف

السلمی ہے۔ یہ سن کر عتبہ نے ان عورتوں کو دیکھا اور کہا۔

میں اپنی دوست ریا کو تلاش کر رہا ہوں اسے کوئی اور سما وہ لے گیا ہے۔
میری دوست! میرے آنسو رو رو کر خشک ہو چکے ہیں کیا کسی کے پاس آنکھیں ہے
جنہیں میں مستعار لے لوں۔

میں نے کہا کہ میرے پاس بہت سامال ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ یہ سارا خرچ کردوں تاکہ تمہیں تمہارا مقصد حاصل ہوجائے۔ چلو ہم مسجد انصار چلتے ہیں۔ ہم مسجد انصار پہنچے وہاں کے سرداروں نے ہمارا استقبال کیا۔ میں نے کہا کہ عتبہ اور اس کے والد کے بارہ میں تمہاری کیارائے ہے۔ وہ کہنے لگے کہ عرب کے سرداروں میں سے ہیں۔ میں نے کہا کہ وہ کسی کی محبت میں گرفتار ہے۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ سماوہ کے سفر میں آپ ہماری مدد کریں۔ انہوں نے اسے قبول کرلیا۔ ہم اور دیگر افراد سوار ہوکر بنی سلیم تک پہنچے۔ عظریف کو ہمارے متعلق بتایا گیا۔ وہ بہت خوش ہوئے انہوں نے آکر استقبال کیا اور ہمارے لئے دنبے ذبح کرنے کا حکم دیا۔ ہمارے سامنے کھانا چُن دیا گیا لیکن ہم نے نہیں کھایا۔ ہم نے کہا کہ جب تک آپ ہماری ضرورت کو پورا نہیں کریں گے ہم نہیں کھائیں گے۔ انہوں نے پوچھا کہ آپ کی ضرورت کیا ہے۔ ہم نے کہا کہ ہم عتبہ بن حباب کے لئے آپ کی بیٹی کا رشتہ لینا چاہتے ہیں۔ وہ غصہ کی حالت میں اندر گھر میں داخل ہوئے۔ بیٹی نے غصہ میں دیکھ کر سوال کیا کہ ابا جان آپ غصہ کیوں ہیں۔ انہوں نے کہا کہ انصار آئے ہیں تمہارا رشتہ مانگ رہے ہیں بیٹی نے کہا کہ معزز لوگ ہے عرب کے سردار ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لئے استغفار فرمایا ہے لیکن کس کے لئے رشتہ مانگ رہے ہیں باپ نے کہا عتبہ بن حباب کے لئے۔ بیٹی کہنے لگی کہ واللہ میں نے سنا ہے کہ عتبہ ہر وعدہ پورا کرتا ہے اور جس کا قصد کرتا ہے پالیتا ہے۔ باپ نے جواب دیا میں نے قسم اٹھائی تھی کہ تمہاری اس

کے ساتھ ہرگز شادی نہیں کروں گا کیونکہ مجھے کسی نے تمہارے بارے میں باتیں کی ہیں۔ وہ لڑکی کہنے لگی کہ انصار ہمیشہ اچھے انداز میں ٹالتے ہیں۔ آپ بھی اچھے انداز میں ٹالیں۔ باپ نے پوچھا کہ وہ کیسے؟ بیٹی نے جواب دیا کہ مہر زیادہ کہہ دیں۔ باپ کو یہ بات پسند آئی اس نے باہر آکر ایک ہزار سونے کے مثقال۔ ایک سو سردی کے کپڑے اور عنبر کے پانچ ڈبے۔ انصار نے قبول کرلیا۔ فوراً ہی چند آدمیوں کو مدینہ بھیجا گیا وہاں سے مطلوبہ سامان پہنچا دیا گیا۔ پھر ولیمہ کیا گیا ہم وہاں کافی دن ٹھہرے۔ کچھ دنوں بعد ہم نے دلہن اور اس کے سامان کو جو تیس اونٹوں پر لدا ہوا تھا اپنے ساتھ لیا اور واپس مدینہ کوچ کیا۔ جب ہم مدینہ سے ایک منزل دور تھے تو ہم پر ڈاکوؤں کی ایک جماعت نے حملہ کردیا۔ عتبہ بن حباب ان کے مقابلہ میں سینہ سپر ہوئے۔ آپ نے ایک کو قتل کیا اور کچھ اوروں کو زخمی کیا لیکن آپ کو بھی ایک نیزہ لگا اور آپ کے جسم سے خون بہنا شروع ہوگیا۔ آپ واپس آکر گرے اور جان جاں آفریں کے سپرد کردی۔ ہم نے کہا ہائے افسوس عتبہ پر! دلہن نے یہ سن لیا۔ وہ اونٹ سے گری اور چیخنے لگی۔ پھر اس نے یہ شعر پڑھے مجھے صبر کرنا چاہیے لیکن میں صبر نہیں کرسکتی۔ میں چاہتی ہوں کہ میری روح آپ سے جا ملے۔ اگر میری روح انصاف سے کام لے تو اسے جنت میں آپ سے آگے ہونا چاہیے۔ تیرے بعد دنیا میں میرا کوئی دوست نہیں اور نہ کوئی ایسا ہے جس کے ساتھ میرا نباہ ہوسکے۔

پھر اس نے چیخ ماری اور فوت ہوگئی۔ ہم نے قبر کھودی اور دونوں کو اکٹھا دفن کردیا۔ پھر میں مدینہ آگیا اور وہاں سات سال رہا۔ پھر میں حجاز گیا۔ جب میں دوبارہ پھر مدینہ آیا تو میں نے ان کی قبر پر آنے کا ارادہ کیا۔ میں ان کی قبر پر پہنچا تو میں نے وہاں ایک درخت دیکھا جس کی سرخ اور زرد ٹہنیاں تھیں۔ میں نے پوچھا کہ اس درخت کا کیا نام ہے۔ لوگوں نے بتایا شجرۃ العروسین۔ اگر عشق کی اجازت نہ

ہوتی اور وہ اتنا ہی برا کام ہوتا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ حدیث کیوں ارشاد فرماتے۔ جو عشق کر کے عفیف رہا اور اس نے اسے چھپایا اور مر گیا تو وہ شہید ہے۔

نیز جب خود سید الاولین والاخرین نے حضرت زینبؓ بنت جحش کو دیکھا تو فرمایا تھا سبحان مقلب القلوب۔ پاک ہے وہ ذات جو دلوں کو پھیر دیتی ہے۔ حضرت زینب حضرت زید بن حارثہؓ کے تحت تھیں۔ جب اُن کا ارادہ ہوا کہ انہیں طلاق دے دیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا۔ اللہ سے ڈرو اور اپنی بیوی کو اپنے پاس ہی رکھو۔ جب انہیں طلاق ہوگئی تو خود اللہ تعالیٰ نے ان کے ولی بن کر سات آسمانوں پر ان کا نکاح حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کر دیا اور اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ آیات نازل فرمادیں۔

﴿وَاِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِیْٓ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِ اَمْسِكْ عَلَیْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللّٰهَ وَ تُخْفِیْ فِیْ نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ مُبْدِیْهِ وَ تَخْشَی النَّاسَ وَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشٰهُ﴾ (احزاب: ۳۷)

''اور جب آپ اس شخص سے فرما رہے تھے جس پر اللہ نے بھی انعام کیا اور آپ نے بھی انعام کیا کہ اپنی بی بی کو اپنی زوجیت میں رہنے دے، اور خدا سے ڈر۔ اور آپ اپنے دل میں وہ بات چھپائے ہوئے تھے جس کو اللہ تعالیٰ ظاہر کرنے والا تھا اور آپ لوگوں سے اندیشہ کرتے تھے۔ اور ڈرنا تو آپ کو خدا ہی سے زیادہ سزاوار ہے۔''

اسی طرح حضرت داؤدؑ کی ننانوے بیویاں تھیں۔ اس کے باوجود آپ نے ایک اور خاتون سے محبت کر کے شادی کی اور اپنی بیویوں کی تعداد سو تک پہنچائی۔

امام زہری فرماتے ہیں کہ اسلام میں سب سے پہلی محبت آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عائشہؓ میں تھی۔

حضرت عبد اللہ بن عمر کے غلام حضرت ابوقیس فرماتے ہیں مجھے حضرت عبد اللہ بن عمرؓ نے حضرت ام سلمہؓ کے پاس بھیجا تا کہ میں ان سے پوچھ سکوں کہ کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم روزہ کی حالت میں بوسہ لیتے تھے یا نہیں؟ حضرت ام سلمہؓ نے فرمایا نہیں انہوں نے کہا کہ حضرت عائشہ ؓ فرماتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم روزہ کی حالت میں بوسہ لیا کرتے تھے۔ حضرت ام سلمہؓ فرمانے لگیں کہ شاید حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہؓ کو دیکھ کر اپنی محبت پر قابو نہ رکھ سکتے ہوں مگر مجھ سے کبھی بوسہ نہیں لیا۔

حضرت سعد بن ابراہیم فرماتے ہیں حضرت ابراہیمؑ روزانہ شام سے براق پر بیٹھ کر حضرت ہاجرہ کو دیکھنے آتے تھے کیونکہ ان کے ساتھ محبت تھی اور ان کے بغیر صبر نہیں ہوسکتا تھا۔

حضرت خرائطی فرماتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ نے ایک لونڈی خریدی آپؓ اس سے بہت محبت رکھتے تھے۔ ایک دن وہ خچر سے گری تو آپ اس کے چہرے سے مٹی صاف کر رہے تھے اور فرما رہے تھے میرے خدا بہت اچھے ہیں۔ جب وہ بھاگی تو آپ پر ایک شدید وجد طاری ہوا اور آپ نے یہ شعر پڑھا۔

میں خود کو خوش قسمت سمجھتا تھا کہ لیکن جب وہ بھاگی تو مجھے علم ہوا کہ میں خوش قسمت نہیں ہوں۔

امام ابومحمد بن حزم فرماتے ہیں۔ بہت سے ائمہ راشدین اور خلفاء مہدیین نے محبت کی ہے۔ ایک آدمی نے حضرت عمرؓ سے عرض کیا اے امیر المومنین میں نے ایک عورت دیکھی اور میں اس کی عشق میں مبتلا ہوگیا تو آپؓ نے فرمایا یہ غیر اختیاری

چیز ہے۔

الجواب وباللہ التوفیق

تحقیق اس بارہ میں یہی ہے کہ جائز وحرام اور نافع و ضار محبت میں تمیز ہونی چاہیے۔لیکن اس کا علم ہمیں تب ہوگا جب ہمیں اس کے متعلقات معلوم ہو جائیں گے۔

محبت نافعہ

نافع ترین محبت وہ ہوتی ہے جو فطرتاً دل میں پیدا ہو۔ اسی کے سبب زمین و آسمان کا سارا نظام قائم ہے اور یہی لا الہ الا اللّٰہ کا راز ہے۔ الہ کہتے ہی اس کو ہیں جو محبت' اجلال، تعظیم اور خضوع وتعبد کے ساتھ دلوں کو مستحکم کرے اور عبادت صرف اسی کی ہوتی ہے۔ عبادت کہتے ہیں کمال محبت مع کمال حضوع وتذلل کو۔ اس عبادت میں شرک سب سے بڑا ظلم ہے جسے اللہ تعالیٰ کبھی معاف نہیں فرماتے اللہ تعالیٰ ہی کی ذات ایسی ہے جس سے بذاتہ محبت کی جاتی ہے۔ اس کے سوا جس سے بھی محبت کی جاتی ہے اس کے تابع ہو کر کی جاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کے ساتھ محبت کے وجوب پر تمام آسمانی کتابیں، رسولوں کی دعوت، فطرت سلیمہ اور تمام نعمتیں دلالت کرتی ہیں ۔ کیونکہ دل فطرتاً منعم اور محسن کی طرف کھنچتا ہے۔ پس جو ذات تمام احسانوں اور تمام نعمتوں کی مالک ہے یقیناً صرف وہی قابل محبت ہے۔ ارشاد باری ہے:

﴿وَمَا بِكُم مِّن نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللَّهِ ثُمَّ إِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فَإِلَيْهِ تَجْأَرُونَ﴾ (نحل:۵۳)

''اور تمہارے پاس جو کچھ بھی نعمت ہے وہ سب اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہے۔ پھر جب تم کو تکلیف پہنچتی ہے تو اُسی سے فریاد کرتے ہو۔''

اللہ تعالیٰ کی نعمتیں اس کے اسماء حسنیٰ اور صفات علیا کے ذریعے پہچانی جا سکتی ہیں۔ نیز اس کے جلال و عظمت اور اس کے کمالات سے بھی اس کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

محبت کے داعیے دو ہیں ۔ جمال اور جلال۔ اللہ تعالیٰ جمیل ہیں جمال کو پسند فرماتے ہیں۔ بلکہ جمال ہے ہی سارے کا سارا اللہ کے لئے ہے اسی طرح جلال بھی سارے کا سارا اللہ کا ہے۔ پس اللہ کے سوا کوئی ذات ایسی نہیں جس کے ساتھ بذاتہ محبت کی جا سکے۔

﴿قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ﴾

(ال عمران: ۳۱)

''آپ فرما دیجئے کہ اگر تم خدا تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو تم لوگ میرا اتباع کرو خدا تعالیٰ تم سے محبت کرنے لگیں گے''

پس اصل ولایت محبت ہے۔ اگر محبت نہ ہو تو کچھ ولایت نہیں جیسے کہ عداوت کی اصل بغض ہے۔ اللہ مومنوں کے ولی ہیں اور مومن اللہ کے۔ اللہ ان سے محبت رکھتے ہیں اور یہ اللہ سے ۔ لہٰذا اللہ اپنے بندے کا اتنا ہی ولی بنے گا جتنی بندے کو اس کے ساتھ محبت ہوگی۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اِس شخص پر سخت نکیر فرمائی ہے جو اس کے علاوہ اوروں سے دوستی رکھتا ہے، بخلاف اس کے جو اس کے اولیاء سے محبت رکھتا ہے بلکہ ان سے دوستی تو اللہ کے ساتھ کمال دوستی کے ضمن میں آ ہی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس پر بھی نکیر فرمائی ہے جو اللہ اور غیر کی محبت کے درمیان برابری رکھتا ہے۔ ارشاد ہے

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ اَنْدَاداً یُّحِبُّوْنَھُمْ کَحُبِّ اللّٰہِ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ﴾ (بقرہ: ۱۶۵)

''اور کچھ آدمی وہ ہیں جو علاوہ خدا تعالیٰ کے اوروں کو بھی شریک قرار دیتے ہیں اُن سے ایسی محبت رکھتے ہیں جیسی محبت اللہ سے ضروری ہے اور جو مؤمن ہے ان کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ نہایت قوی محبت ہے۔''

جو اللہ اور غیروں کی محبت میں برابری کرتا ہے وہ جہنم میں اپنے معبودوں سے کہے گا۔

﴿تَاللّٰهِ اِنْ كُنَّا لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ اِذْ نُسَوِّيْكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ (شعراء: ۹۷-۹۸)

''کہ بخدا بیشک ہم صریح گمراہی میں تھے جب کہ تم کو رب العالمین کے برابر کرتے تھے۔''

محبت میں اسی توحید کے لئے اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء مبعوث فرمائے۔ تمام کتابیں نازل کیں، اسی کے سبب زمین و آسمان کا تمام نظام بنایا گیا اور اسی کے لئے جنت اور جہنم بنائی گئی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قسم کھا کر فرمایا

کوئی شخص اس وقت تک مسلمان نہیں ہوسکتا جب تک کہ میں اسے اس کی اولاد، والدین اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔

جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا یہ حال ہے تو اللہ تعالیٰ کی محبت کا کیا حال ہوگا۔

حضرت عمرؓ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا۔ نہیں جب تک کہ میں تجھے اپنی جان سے بھی زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں یعنی تو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوسکتا جب تک کہ تیری محبت اس انتہاء تک نہ پہنچ جائے۔

جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہماری جانوں کے ہماری بہ نسبت زیادہ حق دار ہیں محبت اور اس کے لوازمات میں تو کیا اللہ تعالیٰ اپنی محبت اور عبادت میں زیادہ حقدار نہ ہونگے؟ اللہ تعالیٰ کی ہر ایک صفت اس کی محبت کی دعوت دیتی ہے۔ اس کے منع و عطاء، عافیت و ابتلاء، عدل و فضل، زندہ کرنا اور مارنا، اس کے لطف و کرم، بندے کی دعاء قبول کرنا، اس کی مشکلات کو ختم کرنا اور اس کی حاجت کو پورا کرنا یہ تمام چیزیں دل کو اس کی محبت کی طرف کھینچتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نہ صرف یہ کہ انسان کی اچھے کاموں پر معاونت فرماتے ہیں بلکہ انسان کے گناہ دیکھ کر اس کی پردہ پوشی بھی فرماتے ہیں اور اپنی نافرمانی کے باوجود اپنی مخلوق سے محبت بھی رکھتے ہیں ۔ تو کیا انسان ان تمام احسانات کا بدلہ برائی کے ساتھ دے؟ اللہ تعالیٰ نے اسے مال دیا، دولت دی، عزت دی اس کے عیوب پر پردہ پوشی کی اور انسان نے اس کا محتاج ہونے کے باوجود اس کی نافرمانی کی اس کے انعامات سے بہرہ مند ہونے کے باوجود گناہ کیے۔ کیا انسان کو اس کے احسانات دیکھ کر اس کی اطاعت نہیں کرنی چاہیے؟ کیا یہ بات قابل ملامت نہیں کہ انسان ایسی ذات سے محبت نہ رکھے اور غیر سے اپنا دل جوڑے؟

نیز دنیا میں جو شخص بھی کسی سے محبت رکھتا ہے اپنی ذاتی غرض اور منفعت کے لئے لیکن اللہ تعالیٰ انسان سے انسان کے فائدہ کے لئے محبت رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ ہر شخص تجھ سے اپنا فائدہ چاہتا ہے۔ اور میں تجھ سے تیرا ہی فائدہ چاہتا ہوں۔ جب اللہ تعالیٰ انسان پر اتنے مہربان ہیں تو اسے اللہ سے شرم کیوں نہیں آتی کہ وہ اس کی محبت کو چھوڑ کر غیر سے تعلق قائم کرتا ہے؟

یہ بات بھی ہے کہ اگر کسی شخص کو آپ سے کچھ نفع حاصل نہ ہو تو وہ آپ سے سودا نہیں کرتا۔ اور تعالیٰ اپنے بندہ سے اسی کے فائدہ کے لئے سودا کرتے ہیں کہ

اگر کوئی شخص ایک درہم اللہ کے راستہ میں خرچ کرے تو اسے بڑھا کر سات سو گنا یا اس سے بھی زیادہ فرما دیتے ہیں اور گناہ صرف ایک ہی لکھا جاتا ہے جو توبہ سے فوراً ختم ہو جاتا ہے۔

اور یہ بھی کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنے لئے پیدا کیا اور دیگر تمام چیزوں کو انسان کے لئے پیدا فرمایا تو ایسے خدا کی خوشنودی اور اس سے محبت کتنی ضروری ہے؟

نیز یہ کہ انسان کی بلکہ تمام مخلوق کی تمام خواہش اس کے قبضہ قدرت میں ہے۔ وہی سب سے زیادہ سخی اور کرم فرما ہیں جو انسان کو سوال سے پہلے ہی عطاء فرما دیتے ہیں، تھوڑے سے عمل کی بھی قدر کرتے ہیں۔ اور اس کو بڑھا دیتے ہیں، بڑی بڑی لغزشات کو معاف فرما کر ختم کر دیتے ہیں۔ اسی سے زمین و آسمان کی تمام چیزیں سوال کرتی ہیں۔ کسی کی بات کو سننا اسے دوسروں کی باتیں سننے سے روک نہیں سکتا، نہ ہی مانگنے والوں کی کثرت اسے مغالطہ میں ڈال سکتی ہے، نہ وہ آہ وزاری کرنے والوں کی آہ وزاری سے اکتاتا ہے بلکہ دعا میں آہ وزاری کو پسند کرتا ہے، سوال کو پسند کرتا ہے اور اگر سوال نہ کیا جائے تو ناراض ہوتا ہے۔ اسے بندے کے ہاتھ خالی لوٹانے سے شرم آتی ہے لیکن انسان کو اس کی نافرمانی سے شرم نہیں آتی۔ انسان اگر چہ اپنے راز فاش کرتا پھرے لیکن اللہ پھر بھی پردہ پوشی فرماتے ہیں۔ اگر چہ انسان خود پر رحم نہ بھی کرے لیکن اللہ پھر بھی اس پر رحم فرماتے ہیں۔ اس نے اپنے احسانات اور نعمتوں کے ذریعے انسان کو اپنی محبت کی دعوت دی اور اپنے انبیاء کو یہ پیغام دے کر بھیجا جو مجھ سے سوال کرتا ہے میں اسے دیتا ہوں جو مجھ سے مغفرت چاہتا ہے میں اسے معاف کر دیتا ہوں۔ انسان اس ذات سے کیوں محبت نہ کرے جس کے سوا نہ کوئی نیکیوں کو قبول کر سکتا ہے نہ کوئی گناہ معاف کر سکتا ہے، نہ کوئی دعائیں قبول کر سکتا ہے۔ وہی توبہ قبول کرتا اور گناہ ختم کرتا ہے، وہی پردہ پوشی کرتا ہے، وہی غم اور تکلیف کو دور کرتا

ہے اور وہی مصیبت میں گھرے لوگوں کی فریادرسی کرتا ہے۔

بندہ پر اس کا یہ حق ہے کہ اسی کا ذکر وشکر کرے، اسی کی عبادت کرے اور اسی کی تعریفیں کرے۔ وہی سب سے بڑا مددگار، سب سے زیادہ مہربان بادشاہ، سب سے بڑا سخی سب سے زیادہ دینے والا، جتنا ماں بچے پر شفقت کرتی ہے اس سے بھی زیادہ اپنے بندے پر مہربان اور اپنے بندے کی توبہ سے اس سے بھی زیادہ خوش ہوتا ہے جتنا کہ بھوک پیاس سے نڈھال آدمی جو موت کے منہ میں پہنچ جائے اور بھوک پیاس کے سبب جاں بلب ہوجائے اسے اگر کھانا یا پینا مل جائے۔ وہی بادشاہ ہے جس کا کوئی شریک نہیں، اکیلا ہے جس کا کوئی ساجھی نہیں، اس کے سوا ہر چیز ختم ہو جائے گی، اسی کے حکم سے ہر کام ہوتا ہے، اس کے علم کے بغیر کوئی گناہ نہیں ہوسکتا، اگر لوگ اس کی اطاعت کریں تو ان کی قدر کرتا ہے، اگر نافرمانی کریں تو ان کی نا فرمانی کو معاف کردیتا ہے، بہت زیادہ معاف کرنے والا ہے اگرچہ اس کا حق ہی سب سے زیادہ ضائع ہوتا ہے، وہی قریب ترین محافظ ہے، وہی عدل وانصاف کرنے والا ہے، اس کے نزدیک پوشیدہ بھی ظاہر اور غیب بھی مکشوف ہے۔ ہر ایک اسی کا محتاج ہے۔

چہرے اسی کے نور سے روشنی حاصل کرتے ہیں، عقول اس کی حقیقت کے ادارک سے عاجز ہیں۔ فطرت کا یہی تقاضا ہے اور دلائل بھی یہی بتاتے ہیں کہ اس جیسا کوئی اور نہیں ہوسکتا۔ اس کے نور سے ظلمات ختم ہوتی ہیں، زمین و آسمان منور ہوتے ہیں اور تمام مخلوق اس سے مستفید ہوتی ہے۔ وہ ایسی ذات ہے جو کبھی نہیں سوتی۔ اسی کی طرف دن اور رات کے اعمال پیش کیے جاتے ہیں

کمال لذت محبوب کامل اور کمال محبت میں ہوتی ہے

ہر انسان اس بات سے بہ خوبی آگاہ ہے کہ کمال لذت، فرحت اور خوشی

دو چیزوں پر موقوف ہے۔

ا:۔محبوب کو اپنی ذات اور جمال میں کمال حاصل ہو تبھی اس کی محبت کو ہر ماسوا کی محبت پر ترجیح دی جاتی ہے

۲:۔کمال محبت۔ کہ محبوب کے قرب کے حصول کے لئے انسان ہر قسم کی قربانی دینے کے لئے تیار ہو۔

ہر انسان جانتا ہے کہ محبوب سے جتنی محبت ہوگی اس کے حصول میں اتنی ہی لذت ہوگی۔ محبت جتنی قوی ہوگی لذت اتنی ہی کامل ہوگی۔ جس شخص کو پیاس شدت کے ساتھ لگی ہوئی ہو اسے پانی اتنا ہی لذیذ معلوم ہوتا ہے۔ اسی طرح جسے شدید بھوک لگی ہوئی ہو اسے کھانا اتنا ہی مزے دار معلوم ہوتا ہے۔

لذت اور مسرت وفرحت ایک مقصودی چیز ہے ہر عاقل اس کا خواہاں ہے لیکن اگر کم لذت کے بعد بڑا غم سہنا پڑے تو یہ انسان کے لئے بہتر نہیں ہے یا تھوڑی سی مسرت کے بعد ہمیشہ کی حسرت عقلمندی کی بات نہیں۔

﴿بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةُ خَیْرٌ وَّاَبْقٰی﴾

(اعلیٰ:۱۶۔۱۷)

''بلکہ تم اپنی دنیوی زندگی کو مقدم رکھتے ہو۔ حالانکہ آخرت بدرجہا بہتر اور پائدار ہے۔''

جب جادوگر ایمان لائے تو انہوں نے فرعون سے کہا تھا

﴿فَاقْضِ مَا اَنْتَ قَاضٍ اِنَّمَا تَقْضِیْ هٰذِهِ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا اِنَّآ اٰمَنَّا بِرَبِّنَا لِیَغْفِرَلَنَا خَطٰیٰنَا وَمَآ اَكْرَهْتَنَا عَلَیْهِ مِنَ السِّحْرِ وَاللّٰهُ خَیْرٌ وَّاَبْقٰی﴾ (طٰہٰ:۷۲۔۷۳)

''تجھ کو جو کچھ کرنا ہے کر ڈال، تو بجز اس کے کہ اس دنیوی

زندگانی میں کچھ کر لے اور کر ہی کیا سکتا ہے؟ پس اب تو ہم اپنے پروردگار پر ایمان لا چکے۔ تا کہ ہمارے گناہ معاف کر دے اور تو نے جو جادو میں ہم پر زور ڈالا اس کو بھی معاف کر دے۔''

اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو اسی لئے پیدا فرمایا ہے تا کہ وہ دائمی لذت حاصل کر سکیں۔ دنیا کی لذتیں تو فانی اور ختم ہو جانے والی ہیں۔ البتہ آخرت کے نعمتیں دائمی اور ہر قسم کے تفکرات سے پاک ہیں۔ وہاں انسان جو چاہے گا اسے ملے گا اور وہاں اس کا قیام عارضی نہیں بلکہ ابدالآباد تک ہوگا۔ وہاں ایسی ایسی نعمتیں ہیں جو کسی کان نے سنی نہیں، کسی آنکھ نے دیکھی نہیں اور کسی کے دل میں ان کا خیال تک نہیں گذرا

﴿یٰقَوْمِ اتَّبِعُوْنِ اَھْدِکُمْ سَبِیْلَ الرَّشَادِ۔ یٰقَوْمِ اِنَّمَا ھٰذِهِ الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا مَتَاعٌ وَّ اِنَّ الْاٰخِرَةَ ھِیَ دَارُ الْقَرَارِ﴾ (غافر: ۳۸۔۳۹)

''اے بھائیو! تم میری راہ پر چلو میں تم کو ٹھیک رستہ بتلاتا ہوں۔ اے بھائیو! یہ دنیوی زندگانی محض چند روزہ ہے۔ اور ٹھہرنے کا مقام تو آخرت ہے۔''

اللہ تبارک و تعالیٰ ارشاد فرما رہے ہیں کہ دنیاوی نعمتیں تو ختم ہو جائیں گی آخرت کی نعمتیں ہمیشہ باقی رہنے والی ہیں

یہ بھی معلوم ہو جانا چاہیے کہ دنیاوی لذتیں آخرت کی نعمتوں کا وسیلہ اور ذریعہ ہیں اسی لئے یہ مذموم نہیں ہیں کیونکہ ان کے سبب آخرت کی سرمدیں نعمتیں حاصل ہوتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا دیدار

آخرت کی سب سے عظیم نعمت اور لذت اللہ تعالیٰ کا دیدار اور اس سے قرآن کریم کا سننا ہے۔ حدیث شریف میں ہے

اللہ کی قسم انہیں کوئی چیز اللہ تعالیٰ کے دیدار سے زیادہ پسند نہیں آئے گی۔

ایک اور حدیث میں ہے:۔

جب جنتی اللہ تعالیٰ کا دیدار کریں گے تو تمام لذتیں بھول جائیں گے۔

نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دعا بھی منقول ہے۔

میں تیرے دیدار کی لذت کا سوال کرتا ہوں اور تیری ملاقات کے شوق کا سوال کرتا ہوں۔

ایک اور حدیث میں منقول ہے:۔

جب جنتی اللہ تعالیٰ سے قرآن سنیں گے تو انہیں محسوس ہوگا کہ انہوں نے کبھی قرآن سنا ہی نہیں تھا۔

اس تمام تفصیل سے ظاہر ہوگیا کہ دنیا کی سب سے بڑی اور نعمت لذت اللہ تعالیٰ کی معرفت اور اس کی محبت ہے۔ انسانی بدن، دل اور روح چونکہ اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ ہیں لہذا اس میں محبت بھی اللہ ہی کی ہونی چاہیے۔ اسی کی محبت ہی روح کی لذت، دلوں کی بشاشت اور دنیا کی نعمت و مسرت ہے۔ دنیا سے تو انسان مزید پریشانیوں اور مصیبتوں میں گرفتار ہوتا ہے۔ پاکیزہ زندگی وہی ہے جو محبت خداوندی سے سرشار ہو۔

بعض عشاق تو کہتے ہیں کہ اگر جنتی ہمارے جیسی راحتوں میں ہوئے تو یقیناً ان کو اچھی زندگی حاصل ہوگی۔ یہ بھی گذر چکا ہے کہ بعض عشاق کہتے ہیں کہ اگر بادشاہوں کو علم ہو جائے کہ ہمارے پاس کیا کچھ ہے تو وہ تلواریں لے کر ہمارے ساتھ لڑائی شروع کردیں گے۔

جب دنیاوی محبت جو دل کے لئے عذاب سے کم نہیں کے بارہ میں کہا جاتا ہے۔

''جولوگ عشق و محبت نہیں کرتے ان میں کچھ خیر نہیں ہوتی۔

یا

اگر کوئی شخص دنیا میں آ کر عاشق یا معشوق نہیں بنا تو اس پر افسوس ہے

یا

جو شخص تنہا اور غیر عاشق ہو تو اسے دنیا یا اس کی نعمتوں سے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

یا

کسی سے دل لگا اور اس کی محبت کا لطف اٹھا۔ زمانہ گذر گیا اور تو ابھی تک اکیلا ہی ہے۔

تو اللہ تعالیٰ کی محبت جو روح کی غذا اور قلوب کی غذا ہے اس کے بارہ میں کیا کہا جائے گا؟ کیونکہ اس کے بغیر نہ دل کو کوئی فرحت وسکون حاصل ہوتا ہے اور نہ ہی اسے زندگی اور نور نصیب ہوتا ہے۔ جب کسی دل سے محبت الٰہی ختم ہو جاتی ہے تو ایسا ہی ہے جیسا کہ آنکھ کا نور ختم ہو جائے۔ یا جیسے کان کی قوت ختم ہو جائے یا جیسے ناک کی قوت شامہ ختم ہو جائے یا جیسے زبان کی قوت گویائی ختم ہو جائے۔ اگر بدن روح سے خالی ہو جائے تو اتنا برا نہیں ہے جتنا کہ دل کا محبت الٰہی سے خالی ہونا۔

الغرض دنیا کی سب سے بڑی لذت وہی ہے جو آخرت کی لذات کے حصول کا ذریعہ ہو۔ دنیاوی لذات کی تین قسمیں ہیں۔

ا:۔سب سے بڑی اور کامل ترین لذت وہ ہے جو آخرت کی لذات کے حصول کا ذریعہ ہے۔ انسان کو ہر ایسی نیکی پر ثواب دیا جاتا ہے۔ اگر انسان اچھا لباس پہنے یا عمدہ کھانے کھائے اور اس سے مقصود اللہ تعالیٰ کی رضا ہو تو اسے اسی کا ثواب دیا جائے گا۔ ایمان، معرفت، محبت اور اللہ کے دیدار کی لذت کس قدر عمدہ ہے؟

۲:۔ وہ لذت جو آخرت کی لذات سے محروم کر کے غموں اور پریشانیوں میں مبتلا کردے۔ یہ ان لوگوں کی لذت ہے جو اللہ کے سوا اوروں سے اتنی محبت رکھتے ہیں جتنی اللہ تعالیٰ سے رکھنی چاہیے۔ ان لوگوں کی جب آخرت میں اللہ تعالیٰ سے ملاقات ہوگی تو یہ کہیں گے۔

﴿رَبَّنَا اسْتَمْتَعَ بَعْضُنَا بِبَعْضٍ وَّ بَلَغْنَآ اَجَلَنَا الَّذِیْٓ اَجَّلْتَ لَنَا ؕ قَالَ النَّارُ مَثْوٰكُمْ خٰلِدِیْنَ فِیْهَآ اِلَّا مَاشَآءَ اللّٰهُ ؕ اِنَّ رَبَّكَ حَكِیْمٌ عَلِیْمٌ ○ وَكَذٰلِكَ نُوَلِّیْ بَعْضَ الظّٰلِمِیْنَ بَعْضًا بِمَا كَانُوْا یَكْسِبُوْنَ﴾ (انعام: ۱۲۸۔۱۲۹)

''اے ہمارے پروردگار ہم میں ایک نے دوسرے سے فائدہ حاصل کیا تھا اور ہم اپنی اُس معین میعاد تک آپہنچے جو آپ نے ہمارے لئے معین فرمائی۔ اللہ تعالیٰ فرما دیں گے کہ تم سب کا ٹھکانہ دوزخ ہے جس میں ہمیشہ ہمیشہ کو رہو گے۔ ہاں اگر خدا ہی کو منظور ہو تو دوسری بات ہے۔ بیشک آپ کا رب بڑی حکمت والا اور بڑا علم والا ہے اور اسی طرح بعض کفار کو بعض کے قریب رکھیں گے ان کے اعمال کے سبب۔''

نیز یہ لذت ان لوگوں کیلئے ہے جو زمین پر فساد پھیلاتے ہیں اور برائیوں اور ظلم میں مبتلا رہتے ہیں۔

یہ لذتیں درحقیقت انسان کو مصائب اور ہلاکت کی طرف لے جاتی ہیں۔ جیسے کہ اگر کسی شخص کو زہر آلود عمدہ کھانا پیش کیا جائے۔ وہ اگرچہ بہت اچھا ہو لیکن اس کا انجام ہلاکت اور بربادی ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ وَ اُمْلِيْ لَهُمْ اِنَّ كَيْدِيْ مَتِيْنٌ﴾ (اعراف: ۱۸۲-۱۸۳)

''ہم ان کو بتدریج لئے جا رہے ہیں اس طور پر کہ اُن کو خبر بھی نہیں اور ان کو مہلت دیتا ہوں بیشک میری تدبیر بڑی مضبوط ہے۔''

بعض سلف نے اس کی تفسیر یہ بیان کی ہے کہ وہ جب بھی کوئی گناہ کرتے ہیں ان کے لئے اللہ تعالیٰ ایک مہلت پیدا فرما دیتے ہیں۔

﴿حَتّٰى اِذَا فَرِحُوْا بِمَا اُوْتُوْآ اَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً فَاِذَاهُمْ مُبْلِسُوْنَ ○ فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ (انعام: ۴۴-۴۵)

''یہاں تک کہ جب ان چیزوں پر جو کہ ان کو ملی تھیں وہ خوب اِترا گئے ہم نے ان کو دفعۃً پکڑ لیا پھر تو وہ بالکل حیرت زدہ رہ گئے۔ پھر ظالم لوگوں کی جڑ کٹ گئی۔ اور اللہ کا شکر ہے جو تمام عالم کا پروردگار ہے۔''

اس لذت میں مخمور لوگوں کے بارہ میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں

﴿يَحْسَبُوْنَ اَنَّمَا نُمِدُّهُمْ بِهٖ مِنْ مَّالٍ وَّ بَنِيْنَ نُسَارِعُ لَهُمْ فِي الْخَيْرٰتِ بَلْ لَا يَشْعُرُوْنَ﴾ (مومنون: ۵۵-۵٦)

''کیا یہ لوگ یوں گمان کر رہے ہیں کہ ہم ان کو جو کچھ ہے مال و اولاد دیتے چلے جاتے ہیں۔ تو ہم ان کو جلدی جلدی فائدے پہنچا رہے ہیں۔ بلکہ یہ لوگ نہیں جانتے۔''

﴿فَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي

الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَ تَزْھَقَ اَنْفُسُھُمْ وَ ھُمْ کٰفِرُوْنَ﴾(توبہ:۵۵)

''سو ان کے اموال اور اولاد آپ کو تعجب میں نہ ڈالیں، اللہ کو صرف یہ منظور ہے ان چیزوں کی وجہ سے دنیوی زندگی میں ان کو گرفتارِ عذاب رکھے اور ان کی جان کفر ہی کی حالت میں نکل جائے۔''

یہ لذت آخرت میں بہت بڑی پریشانی میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ ایک شاعر کہتا ہے جو چیزیں دنیا میں بہت میٹھی محسوس ہوتی تھیں وہی آخرت میں عذاب بن جاتی ہیں۔

۳۔ وہ لذت جس کے بعد نہ تو پشیمانی اور پریشانی ہوتی ہے اور نہ ہی لذت۔ وہ اخروی لذات کے حصول کا ذریعہ ہے۔ اس لذت میں مشغولیت مباح ہے لیکن انسان کو چاہئے کہ اس سے بہتر لذات یعنی اخروی لذات کے حصول کی فکر کرے۔

اسی لذت کے بارہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے

انسان جو کھیل بھی کھیلتا ہے سب باطل ہے سوائے اس کے کہ کمان کے ساتھ کھیلے یا گھوڑے کو سدھارے یا بیوی کے ساتھ دل لگی کرے کہ یہ اس کا حق ہے۔

جو چیز بھی لذت مطلوبہ کے لئے مددگار ہوگی وہ حق ہے اور جو مددگار نہ ہوگی وہ باطل ہے۔

محبت غیر مذمومہ

یہ محبت ایسی ہے جو قابل مذمت نہیں بلکہ قابل ستائش ہے۔ اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت۔ اور محبت سے مراد وہ خاص محبت ہے جو دل کو ہر وقت محبوب کے ذکر اور فکر سے آباد رکھے وگرنہ تو ہر مسلمان کے دل میں اللہ اور اس کے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ہوتی ہے ۔ کیونکہ اس محبت کے بغیر تو اسلام میں داخلہ بھی ممکن نہیں ۔ البتہ لوگوں کے درجات اس محبت میں مختلف ہیں ۔ یہی محبت تکالیف کو دور کر کے انسان کے بوجھ کو ہلکا کرتی ہے ۔ یہی محبت بخیل کو سخی، بزدل کو بہادر اور کند ذہن کو ذہین، بناتی ہے ۔ زندگی کی اصل پاکیزگی اسی محبت سے حاصل ہوتی ہے ۔ اسی محبت سے چہرے پر نور آتا ہے اور انسان کو شرح صدر حاصل ہوتا ہے ۔ یہی محبت دل کی حیات کا باعث ہے ۔

اللہ تعالیٰ کے کلام سے محبت اسی محبت کی علامت ہے ۔ اگر کوئی اللہ کے ساتھ اپنی محبت معلوم کرنا چاہے تو اسے چاہیے کہ وہ اپنے دل میں قرآن کی محبت دیکھے ۔ یقیناً قرآن سننے کی لذت گانے سننے کی لذت سے زیادہ ہے ۔ یہ واضح بات ہے کہ جب انسان کو کسی سے محبت ہوتی ہے تو اس کا کلام بھی اسے محبوب ہوتا ہے ۔ ایک شاعر کہتا ہے ۔

اگر تو میری محبت کا گمان رکھتا ہے تو تو نے میری کتاب کیوں چھوڑ دی؟ کیا تو نے غور نہیں کیا کہ میں نے کتنے میٹھے انداز میں تجھ سے خطاب کیا ہے ۔

حضرت عثمان بن عفانؓ فرماتے ہیں ۔

اگر ہمارے دل پاک صاف ہوں تو کبھی بھی کلام اللہ سے سیر نہ ہوں ۔ انسان اپنے محبوب کے کلام سے کیسے سیر ہوسکتا ہے حالانکہ یہی اس کا مطلوب ومقصود ہے؟

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن عبد اللہ بن مسعودؓ سے فرمایا مجھے قرآن سناؤ! انہوں نے عرض کیا میں قرآن سناؤں؟ حالانکہ آپ پر تو یہ نازل ہوا ہے ۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں دوسرے سے سننا پسند کرتا ہوں ۔ انہوں نے سورۃ نساء پڑھنا شروع کی جب اس آیت تک پہنچے ۔

﴿فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ بِشَهِيْدٍ وَّ جِئْنَابِكَ عَلٰى

هٰٓؤُلَاۤءِ شَهِيدًا﴾ (النساء: ۴۱)

''سو اُس وقت بھی کیا حال ہوگا جب کہ ہم ہر ہر امت میں سے
ایک ایک گواہ کو حاضر کریں گے اور آپ کو اُن لوگوں پر گواہی
دینے کے لئے حاضر لائیں گے۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کافی ہے۔ انہوں نے سر اٹھا کر دیکھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دونوں آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔

صحابہؓ جب اکٹھے ہوتے اور ان میں حضرت ابو موسیٰؓ بھی ہوتے تو صحابہؓ انہیں فرماتے اے ابو موسیٰؓ ہمیں ہمارا رب یاد دلائیں۔ وہ قرآن کریم کی تلاوت کرتے اور دیگر صحابہؓ سنتے تھے۔ گانے سننے والوں کو جتنی حلاوت، لذت اور سرور نصیب ہوتا ہے قرآن کی تلاوت سننے والوں کو یقیناً اس سے زیادہ مزہ آتا ہے۔ ایک مقولہ ہے

تجھ پر پورا قرآن کریم تلاوت کیا جاتا ہے لیکن تو پتھر کی طرح جامد ہی رہتا ہے۔ اس کا تجھ پر کچھ اثر نہیں ہوتا اور اگر ایک شعر سنا دیا جائے تو تو نشہ کرنے والوں کی طرح جھومتا ہے۔

یہ اس بات کی دلیل ہے کہ تیرا دل اللہ اور اس کے کلام کی محبت سے خالی اور شیطانی سماع کی محبت سے لبریز ہے۔

خلاصہ یہ کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں بے شمار فوائد ہیں بلکہ اس سے بڑھ کر کوئی محبت بھی نافع نہیں ہوسکتی۔

بیویوں سے محبت

بیویوں سے محبت بھی قابل ملامت نہیں بلکہ یہ کمال کا ایک حصہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اس محبت کو بطور احسان ذکر فرماتے ہیں۔

﴿وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا

لِتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَوَدَّةً وَّ رَحْمَةً ط اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ﴾ (الروم: ۲۱)

''اور اُس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اُس نے تمہارے واسطے تمہاری جنس کی بیبیاں بنائیں تا کہ تم کو ان کے پاس آرام ملے اور تم میاں بیوی میں محبت اور ہمدردی پیدا کی۔ اس میں اُن لوگوں کیلئے نشانیاں ہیں جو فکر سے کام لیتے ہیں۔''

اللہ تعالیٰ نے عورت کو مرد کے لئے باعث تسکین بنایا ہے اوران کے درمیان خالص محبت رکھ دی ہے جس کے ساتھ رحمت بھی ملی ہوئی ہے۔

نیر اللہ تعالیٰ نے محرم اور غیر محرموں کا تذکرہ کرنے کے بعد ارشاد فرمایا۔

﴿يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ وَ يَهْدِيَكُمْ سُنَنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَ يَتُوْبَ عَلَيْكُمْ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ۔ وَاللّٰهُ يُرِيْدُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْكُمْ وَ يُرِيْدُ الَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الشَّهَوٰتِ اَنْ تَمِيْلُوْا مَيْلًا عَظِيْمًا۔ يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّخَفِّفَ عَنْكُمْ وَ خُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيْفًا﴾ (النساء: ۲۶۔۲۸)

''اللہ تعالیٰ کو یہ منظور ہے کہ تم سے بیان کرے اور تم سے پہلے لوگوں کے احوال تم کو بتلا دے۔ اور تم پر توجہ فرمادے۔ اور اللہ تعالیٰ بڑے علم والے ہیں، بڑی حکمت والے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کو تمہارے حال پر توجہ فرمانا منظور ہے۔ اور جو لوگ شہوت پرست ہیں وہ یوں چاہتے ہیں کہ تم بڑی بھاری کجی میں پڑ جاؤ۔ اللہ تعالیٰ کو تمہارے ساتھ ہی تخفیف منظور ہے اور آدمی کمزور پیدا کیا گیا ہے۔''

حضرت سفیان ثوریؒ اس آیت کی تفسیر میں حضرت طاؤس سے اور وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے ایک عورت کو دیکھا اور صبر نہ کر سکے۔

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک عورت کو دیکھا تو گھر حضرت زینبؓ کے پاس تشریف لائے اور حاجت پوری کی اور فرمایا عورت شیطان کی صورت میں آتی اور جاتی ہے اگر تم میں سے کوئی کسی عورت کو دیکھے جو اسے اچھی لگے تو اپنی بیوی کے پاس آجائے کیونکہ اس سے اس کی حاجت پوری ہو جائے گی۔

اس حدیث میں بہت سے فوائد ہیں

۱۔ اس حدیث میں یہ تسلی موجود ہے کہ اسی جنس سے مطلوب حاصل کیا جاسکتا ہے جیسے کھانا کھانے کا اور کپڑا کپڑے کا بدل بن سکتا ہے۔

۲۔ اگر کوئی عورت اچھی لگے تو اس مرض کی نافع ترین دوا اپنی بیوی سے حاجت پوری کرنا ہے کیونکہ اس سے شہوت ختم ہو جاتی ہے۔ اسی طرح اگر کوئی مرد اور عورت آپس میں محبت رکھتے ہوں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی دوا یہ تجویز فرمائی کہ ان دونوں کا نکاح کردو۔ کیونکہ عشق کی دوا یہی ہے کہ انسان اپنی محبوبہ سے شادی کرلے جیسا کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے کیا تھا اور اللہ کا نبی حرام کام کا ارتکاب نہیں کرسکتا۔ انہیں ایک عورت کے ساتھ محبت ہوئی تو اس کے ساتھ نکاح کرلیا۔ پھر اپنی شان کے مطابق توبہ فرمالی۔ اس بارہ میں ہم اس سے زیادہ کچھ نہیں کہہ سکتے۔ حضرت زینب بنتِ جحشؓ کا قصہ بھی مشہور ہے کہ جب حضرت زید نے انہیں طلاق دینے کا پختہ ارادہ فرمالیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مشورہ کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا کہ طلاق نہ دو بلکہ اپنے پاس ہی رکھو۔ جب حضور صلی اللہ

علیہ وسلم نے دیکھا کہ ان کی جدائی ناگزیر ہے تو اجازت مرحمت فرمادی۔ آپ یہ چاہتے تھے کہ حضرت زیدؓ سے جدائی کے بعد حضرت زینب سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح ہوجائے۔ لیکن آپ لوگوں کی اس بات سے ڈرتے تھے کہ دیکھو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بہو سے نکاح کرلیا کیونکہ حضرت زیدؓ نبوت سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے متبنی تھے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے مصالح عباد کے سبب اسے مشروع فرمادیا۔ جب حضرت زیدؓ نے طلاق دے دی اور مدت مکمل ہوگئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زیدؓ کو پیغام نکاح دے کر بھیجا۔ حضرت زیدؓ تشریف لائے اور دروازے سے پیٹھ لگا کر پوچھنے لگے۔ اے زینب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تجھے پیغام نکاح بھیجا ہے۔ انہوں نے جواب میں کہا کہ میں کچھ نہیں کہتی جب تک کہ میں اپنے رب سے مشورہ نہ کرلوں ۔ یہ کہہ کر آپ اٹھیں اور نماز پڑھنا شروع کردی۔ اللہ تعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح کے لئے ان کے خود ولی بنے اور اپنے عرش پر خود نکاح کیا اور یہ وحی نازل فرمائی۔

﴿فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا﴾ (احزاب: ۳۷)

”پھر جب زید کا اس سے جی بھر گیا ہم نے آپ سے اس سے اس کا نکاح کردیا۔“

آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسی وقت اٹھے اور ان کے گھر تشریف لے آئے۔
حضرت زینبؓ دیگر امہات المومنین پر فخر فرمایا کرتی تھیں کہ تمہارا تمہارے گھر والوں نے کیا ہے اور میرا نکاح اللہ تعالیٰ نے سات آسمان اوپر کیا ہے۔

بے شک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی بیویوں سے محبت تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ مجھے تمہاری دنیا کی دو چیزیں پسند ہیں۔ عورت اور خوشبو۔ اور

میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز ہے۔ حدیث کے الفاظ یہی ہیں نہ کہ جو روایت کیئے جاتے ہیں کہ مجھے تمہاری دنیا کی تین چیزیں پسند ہیں۔

حضرت امام احمد نے کتاب الزہد میں یہ اضافہ بھی نقل فرمایا ہے۔ میں کھانے اور پینے سے تو صبر کرسکتا ہوں۔ ان سے صبر نہیں کرسکتا۔ دشمن خدا یہودیوں نے اس پر حد کی اور کہنے لگے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو بس نکاح ہی چاہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کا رد فرمایا:

﴿اَمْ یَحْسُدُوْنَ النَّاسَ عَلٰی مَآ اٰتٰھُمُ اللّٰہُ مِنْ فَضْلِہٖ ۚ فَقَدْ اٰتَیْنَآ اٰلَ اِبْرٰھِیْمَ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَۃَ وَ اٰتَیْنٰھُمْ مُّلْکًا عَظِیْماً﴾ (النساء:۵۴)

''یا دوسرے آدمی اُن چیزوں پر جلتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے فضل سے عطا فرمائی ہیں سو ہم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے خاندان کو کتاب اور حکمت بھی دی ہے اور ہم نے اُن کو بڑی بھاری سلطنت بھی دی ہے۔''

حضرت ابراہیم خلیل اللہ کے ہاں دنیا کی حسین ترین عورت حضرت سارہ تھیں لیکن آپؑ نے حضرت ہاجرہ سے محبت فرمائی اور ان سے نکاح فرمایا۔

حضرت داؤدؑ کے پاس ننانوے بیویاں تھیں۔ انہوں نے مزید ایک عورت سے محبت کی اور اس کے ساتھ شادی کر کے بیویوں کی تعداد سو تک پہنچائی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے زیادہ کون محبوب ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عائشہؓ۔

نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خدیجہؓ کے بارہ میں ارشاد فرمایا مجھے اس کی محبت عطاء کی گئی۔

پس عورتوں سے محبت کمال انسانی کا حصہ ہے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں۔ اس امت میں اکثر عورتیں ہونگی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار محبوبہ سے سفارش کی تھی کہ وہ اپنے عاشق سے نکاح کرلیں۔ حضرت مغیثؓ کو جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ وہ حضرت بریرہؓ کے پیچھے چل رہے ہیں اور ان کی آنکھوں سے آنسو رواں ہیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بریرہؓ سے فرمایا اگر تم اس سے نکاح کرلو۔ انہوں نے عرض کیا یارسول اللہ کیا آپ فرما رہے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا نہیں میں تو مشورہ دے رہا ہوں۔ تو وہ کہنے لگیں مجھے نکاح کی کوئی ضرورت نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا حضرت عباسؓ سے فرمایا کیا آپ کو تعجب نہیں ہوتا کہ مغیثؓ بریرہؓ سے کتنی محبت رکھتے ہیں اور وہ کتنی نفرت کرتی ہیں؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی محبت پر نکیر نہیں فرمائی

آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بیویوں کی باری میں برابری فرمایا کرتے تھے اور ارشاد فرماتے، اے اللہ! یہ میری تقسیم ہے اس چیز میں جس کا میں مالک ہوں۔

پس مجھے غیر اختیاری چیز پر ملامت نہ فرمانا[1] یعنی محبت میں۔ ارشاد باری ہے۔

﴿وَلَنْ تَسْتَطِيْعُوْٓا اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَآءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ﴾

(النساء: ۱۲۹)

''اور تم سے یہ تو کبھی نہ ہو سکے گا کہ سب بیبیوں میں برابری رکھو۔ گو تمہارا کتنا ہی جی چاہے۔''

یعنی محبت اور جماع میں۔ خلفاء راشدینؓ بھی سفارش فرمایا کرتے تھے کہ عاشق کو اس کا جائز محبوب مل جائے۔ جیسے حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عثمانؓ کا قصہ گذر چکا ہے۔ اسی طرح حضرت علیؓ کا واقعہ ہے کہ ان کے پاس ایک عربی لڑکا لایا گیا جو

---

[1] مسند احمد، سنن اربعہ، حاکم۔ علامہ اقبال نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔

رات کو کسی کے گھر میں پکڑا گیا تھا، حضرت علیؓ نے اس سے قصہ معلوم کیا تو وہ کہنے لگا میں چور نہیں ہوں۔ لیکن اس گھر میں داخل ضرور ہوا جس کے حسین منظر سے چاند بھی شرماتا ہے۔ جس میں مرتبے والی حسین رومی لڑکیاں ہیں کہ جن پر حسن بھی فخر کرتا ہے۔ میں اس گھر کی دیوار پر چڑھا جس کے شوق کی آگ میرے دل میں لگی ہوئی ہے۔ گھر والے جلدی جلدی آئے انہوں نے مجھے پکڑا اور شور ڈال دیا کہ یہ چور ہے اسے قید کردو یا قتل کردو۔ حضرت علیؓ اس کے یہ اشعار سن کر نرم دل ہوئے اور مہلب بن رباح سے کہنے لگے اسے وہ لڑکی دے دو۔ انہوں نے کہا اے امیر المومنین پوچھیں تو یہ کون ہے؟ انہوں نے جواب دیا نہاس بن عیینہ۔ حضرت مہلب فرمانے لگے وہ لڑکی لے لو آج سے وہ تمہاری ہے۔

حضرت معاویہؓ نے ایک لونڈی خریدی جو آپ کو بہت اچھی لگتی تھی۔ ایک روز آپ نے دیکھا کہ وہ یہ شعر پڑھ رہی تھی

اس سے جدا ہونے کے بعد میری وہ حالت ہوگئی ہے جو سخت آندھی میں درخت کی شاخ کی ہوتی ہے۔

حضرت امیر معاویہؓ نے اس سے پوچھا تو اس نے بتایا کہ میں اپنے آقا سے محبت رکھتی ہوں۔ یہ سن کر آپؓ نے وہ لونڈی واپس کردی لیکن اپنے دل سے اس کی یاد محو نہ کرسکے۔

امام زمخشریؒ فرماتے ہیں کہ حضرت زبیدہ نے ایک بار مکہ کے راستہ میں ایک دیوار پر لکھا دیکھا

کیا اللہ کے بندوں یا بندیوں میں کوئی ایسا نہیں ہے جو اس آدمی پر رحم کرے جس کی عقل ختم ہو رہی ہے، جس کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جگہ خون نکل رہا ہے اور جس کے دل میں عشق کی آگ بھڑک رہی ہے۔ یہ اشعار پڑھ کر ان کے دل

میں یہ خیال پیدا ہوا کہ اس آدمی کی مدد کرنی چاہیے۔ تاکہ اسے اس کی محبوبہ مل جائے۔ایک روز آپ مزدلفہ میں جارہی تھیں کہ آپ نے پھر یہی اشعار سنے جنہیں ایک شخص پڑھ رہا تھا۔آپ نے اسے بلا کر حقیقت حال دریافت کیا تو اس نے بتایا کہ میں چچا کی لڑکی سے محبت کرتا ہوں لیکن اس کے گھر والے میرے ساتھ اس کی شادی نہیں کرنا چاہتے۔آپ نے اس کی مدد کی اور اس کے لئے اپنا بہت سامال خرچ کیا حتیٰ کہ ان دونوں کی شادی ہوگئی۔آپ فرماتی تھیں۔ مجھے اس سے زیادہ کسی چیز کی خوشی نہیں کہ میری وجہ سے ان دونوں کی شادی ہوگئی۔

امام خرائطی فرماتے ہیں کہ سلیمان بن عبدالملک کا ایک غلام اور ایک باندی تھی۔ وہ دونوں آپس میں محبت رکھتے تھے۔ایک روز غلام نے باندی کو یہ اشعار لکھے۔

میں نے تمہیں خواب میں دیکھا کہ تم نے مجھے اپنا مبارک لعاب دیا۔ تیرا ہاتھ میرے ہاتھ میں تھا اور ہم نے ایک ہی بستر پر رات گذاری۔ میں تمام دن اس لئے سونے کی کوشش کرتا رہا کہ تمہیں خواب میں دیکھ لوں،لیکن مجھے نیند نہیں آئی۔

لونڈی نے اس کے جواب میں یہ اشعار لکھے۔

تو نے جو کچھ دیکھا صحیح دیکھا۔حاسدوں کی توقعات کے بخلاف میں تجھے ضرور مل جاؤں گی مجھے امید ہے کہ تو میرے ساتھ ہوگا اور میرے سینے پر تو رات گذارے گا۔ میں دیکھ رہی ہوں کہ تو میری بانہوں میں اور میرے جسم پر ہوگا۔

سلمان کو اس بات کا علم ہوا تو اس نے ان دونوں کا آپس میں نکاح کردیا۔

حضرت جامع بن برخیہ فرماتے ہیں کہ میں نے مفتی مدینہ منورہ حضرت سعید بن المسیب سے پوچھا کہ کیا محبت کا گناہ ہوتا ہے؟انہوں نے فرمایا کہ گناہ اختیاری کام کا ہوتا ہے۔ واللہ مجھ سے یہ سوال کبھی کسی نے نہیں کیا اگر کوئی بھی مجھ سے پوچھتا تو میں یہی جواب دیتا۔

عورتوں کے عشق کی قسمیں

عورتوں کے عشق کی تین قسمیں ہیں۔

۱۔ اپنی بیوی یا لونڈی کے ساتھ عشق کرنا۔ یہ عشق نافع ہے جو اس مقصد کو پورا کرتا ہے جس کے لئے اللہ تعالیٰ نے نکاح مشروع فرمایا ہے۔ اس کے سبب انسان کی نگاہ غیر کی طرف نہیں اٹھتی اور نہ ہی دل میں غیر کا خیال پیدا ہوتا ہے۔ اسی لئے اس عاشق کی تعریف اللہ کے ہاں بھی ہوتی ہے اور لوگوں کے ہاں بھی۔

۲۔ وہ عشق جو بندے کو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور کردے۔ اس سے زیادہ انسان کو دینی یا دنیاوی نقصان پہنچانے والی کوئی چیز نہیں ہے۔ یہ عشق وہ ہے جو انسان کو خوبصورت لڑکوں کے ساتھ ہوتا ہے۔ جو شخص اس میں مبتلا ہوتا ہے وہ اللہ کی نظر سے گر جاتا ہے۔ اس سے دل اللہ کی یاد سے غافل ہوجاتا ہے یہ بہت دبیز پردہ ہے جو اللہ اور بندے کے درمیان حائل ہوجاتا ہے۔

بعض سلف کا قول ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کسی کو اپنی نظر سے گرانا چاہتے ہیں تو اسے لڑکوں کے عشق میں مبتلا کردیتے ہیں۔ اسی عشق کے سبب قوم لوطؑ کے ساتھ جو کچھ ہوا سبھی کے سامنے ہے۔ ارشاد باری ہے

﴿لَعَمْرُكَ اِنَّهُمْ لَفِيْ سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُوْنَ﴾ (الحجر: ۷۲)

''آپ کی جان کی قسم وہ اپنی مستی میں مدہوش تھے۔''

اس مرض کی دواء یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کے سامنے گڑگڑائے اور اسی سے التجاء کرے۔ اسی کی یاد میں مگن رہے۔ اسی کی محبت اور اسے کے قرب کی تمنا رکھے، اور اس مصیبت کو مدنظر رکھے جو اس کی پاداش میں بھگتنی پڑے گی۔ اگر انسان

پھر بھی اللہ پر لڑکوں کو ترجیح دے تو اس کا جنازہ نکل چکا ہے اسے سمجھ لینا چاہیے کہ وہ ضرور کسی نہ کسی مصیبت میں گرفتار ہوگا۔

۳۔ عشق مباح:۔یہ وہ عشق ہے جس میں انسان بغیر ارادہ کے مبتلا ہو جاتا ہے۔ جیسے کہ اگر کسی حسین عورت کی تعریف کسی مرد کے سامنے کی جائے۔ یا مثلاً کسی حسین لڑکی پر اچانک نظر پڑ جائے اور اس کے دل میں اس کی محبت پیوست ہو جائے۔ یہ عشق گناہ نہیں ہے لیکن انسان کو چاہیے کہ نافع عشق کا خواہاں ہو۔ اس عشق کو چھپائے اور صبر سے کام لے۔ انشاء اللہ تعالیٰ اس کے صبر کا پھل اسے ضرور عطاء فرمائیں گے اور اپنی خوشنودی سے ہمکنار فرمائیں گے۔

عشق میں مبتلا لوگوں کی اقسام

عشق میں مبتلا لوگوں کی تین قسمیں ہیں۔ بعض لوگ تو وہ ہیں جو مطلق خوبصورتی کو پسند کرتے ہیں، ہر وادی میں گھومتے ہیں اور ہر ایک پر فریفتہ ہوتے ہیں۔ بعض وہ ہوتے ہیں جو محض خوبصورتی کو پسند کرتے ہیں خواہ وصال کے خواہاں ہوں یا نہ ہوں۔ بعض وہ ہیں جو صرف اس کے ساتھ محبت رکھتے ہیں جس کے وصال کے خواہاں ہوں۔

ان تینوں قسموں میں قوت وضعف کے اعتبار سے فرق ہے۔ مطلق خوبصورتی کے پرستار تو ہر جگہ منہ مارتے ہیں۔ ایک شاعر کہتا ہے

کبھی جزوی میں ہوتا ہوں کبھی عقیق میں، کبھی غریب میں ہوتا ہوں اور کبھی خلیصاء میں۔

یہ عشق بہت وسیع ہوتا ہے لیکن بہت جلد تبدیل ہو جاتا ہے۔ بقول شاعر۔

میرا دل اب اس پر عاشق ہے اور اب کسی اور پر، میں صبح کے وقت ہر ایک سے جدا

ہو جاتا ہوں۔

مخصوص جمال پر عاشق اپنے عشق میں زیادہ ثابت قدم ہوتے ہیں، ان کی محبت پہلی قسم کے لوگوں سے زیادہ پائیدار ہوتی ہے۔ لیکن وصال کی عدم دلچسپی ان کی محبت کو کمزور کر دیتی ہے۔

وہ عشاق جو اپنے محبوب کے وصال کی طمع رکھتے ہیں ان کی محبت سب سے زیادہ قوی ہوتی ہے۔ اس لئے کہ وصال کی طمع اس محبت کو قوی کرتی رہتی ہے۔

حدیث من عشق فعفف کی تحقیق

اس حدیث کو سوید بن سعید نے ذکر فرمایا ہے لیکن حفاظ اسلام نے اس پر نکیر وارد کی ہے۔ حضرت ابن عدی اپنی کتاب کامل میں فرماتے ہیں

یہ ان احادیث میں سے ہے جن میں سوید پر نکیر کی گئی ہے۔

امام بیہقی نے اور ابن طاہر نے ذخیرہ اور تذکرہ میں اسی طرح بیان فرمایا ہے۔ علامہ ابن جوزی نے بھی اسے موضوع بیان فرمایا ہے اور ابو عبداللہ الحاکم نے فرمایا کہ مجھے اس پر تعجب ہے۔ میں کہتا ہوں صحیح یہ ہے کہ یہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا قول ہے۔ سوید نے اسے مرفوع بیان کر کے غلطی کی ہے۔

محمد بن خلف بن المرزبان فرماتے ہیں کہ ہمیں ابوبکر ازرق نے بیان فرمایا ہے کہ سوید کو اس کے مرفوع نہ ہونے کے بارہ میں کہا گیا اس کے بعد سے انہوں نے اس حدیث کو مرفوع بیان کرنا ختم کر دیا تھا۔ ویسے بھی یہ حدیث کلام نبوت کے مشابہ نہیں ہے۔

باقی رہی وہ روایت جو خطیب صاحب نے امام زہری سے روایت کی ہے اس میں ہے

عن هشام بن عروة عن ابيه عن عائشة یہ بالکل غلط ہے۔ جس کو

فن حدیث سے کچھ مناسبت ہے وہ اسے صحیح نہیں سمجھ سکتا۔ ہم گواہی دیتے ہیں کہ نہ تو یہ روایت حضرت عائشہؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کی ہے، نہ ہی ان سے عروہ نے کی ہے اور نہ ہی ہشام نے حضرت عروہ سے کی ہے۔

اور ماجشون والی روایت کی بھی تکذیب کی گئی ہے کہ یہ موضوع ہے۔ اس متن میں ایسی سند کیسے آسکتی ہے؟

امام ابن جوزی نے بیان فرمایا ہے کہ عن محمد بن جعفر حدثنا نا یعقوبؒ الخ یہ بالکل غلط ہے کیونکہ محمد بن جعفر خرائطی کی وفات ۳۲۷ھ کی ہے۔ یہ محال ہے کہ انہوں نے شیخ یعقوب کا زمانہ پایا ہو۔ نیز خرائطی روایت کرنے میں ضعیف سمجھے جاتے ہیں۔ علامہ جوزی نے انہیں کتاب الضعفاء میں شمار کیا ہے۔

الغرض اس حدیث کے بارہ میں حفاظ اسلام کی بات ہی راجح ہے کہ کسی نے بھی اسے راجح قرار نہیں دیا۔ البتہ حضرت ابن عباسؓ سے اس کی نکیر ثابت نہیں۔

امام ابو محمد بن حزم فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عباسؓ سے شہید محبت کے بارہ میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا شہید محبت کی نہ کوئی دیت ہے اور نہ قصاص۔

میدان عرفات میں آپ کے پاس ایک کمزور نوجوان لایا گیا۔ آپ نے پوچھا اسے کیا ہوا؟ جواب ملا عشق۔ آپ اس روز سے عشق سے پناہ مانگتے تھے، یہ واقعہ پیچھے گذر چکا ہے۔ درج ذیل حدیث سے بھی ثابت ہو رہا ہے کہ قتیل محبت شہید نہیں ہے کیونکہ ایک حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سے شہداء بیان فرمائے لیکن قتیل محبت کو بیان نہیں فرمایا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شہید وہ ہے جو میدان جنگ میں مارا جائے، پیٹ کے درد میں مبتلا ہو کر مرے، جل کر مرے، عورت بچہ کی پیدائش کے وقت مر جائے غرق ہو کر مر جائے .... آپؐ نے عاشق کا ذکر نہیں فرمایا۔

البتہ حضرت ابن عباسؓ کا یہ اثر اس قتیل محبت کے بارہ میں ہوسکتا ہے جو

صبر کرے، محبوب پر قدرت کے باوجود عفیف رہے اور اپنی محبت کو اللہ کے لئے چھپائے۔ اور اللہ کی محبت اور اس کی رضا اور خوف کو ہر چیز پر مقدم رکھے، پھر وہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے تحت داخل ہوجائے گا۔

﴿وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى۔ فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى﴾ (النازعات: ۴۰۔۴۱)

''اور جو شخص اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا ہوگا اور نفس کو خواہش سے روکا ہوگا سو جنت اُس کا ٹھکانہ ہوگا۔''

اور اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کا مصداق بن جائے گا۔

﴿وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ﴾ (الرحمٰن: ۴۶)

''اور جو شخص اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرتا رہتا ہو اس کے لئے دو باغ ہوں گے۔''

ہم عظیم اللہ سے سوال کرتے ہیں جو عرش کریم کے رب ہیں کہ ہمیں ایسا بنادے کہ ہم اس کی محبت کو اپنی خواہشات پر ترجیح دیں۔ اے اللہ ہمیں اپنی محبت کے سبب اپنا قرب اور رضا عطاء فرما۔ امین ثم امین۔

وصلى الله تعالىٰ على خير خلقه محمد
وعلى اله واصحابه واتباعه اجمعين
اللهم ارزقنا حبك وحب
من يحبك واجعل حبك
احب الي من كل شئ برحمتك
يا ارحم الراحمين۔

امین ثم امین

مظلوم صحابہؓ کی داستانیں

یعنی

مصائب الصحابہؓ

ظالم و جابر کفار و مشرکین کی طرف سے صحابہ کرامؓ
پر ہونے والے مظالم و شدائد کی لرزہ خیز داستانیں

مؤلف
مولانا نور الحسن بخاری

بیت العلوم
۲۰- نابھہ روڈ، پرانی انارکلی، لاہور- فون [illegible]

عذابِ جہنم کی مستحق عورتیں

اُردو ترجمہ

النساء المبشرات بالنار

مؤلف

منصور عبد الحکیم

مترجم

لجنۃ المصنفین لاہور

مولانا محمد انس صاحب

مولانا خالد محمود صاحب

مولانا عبد العظیم صاحب

بیت العلوم

۲۰- نابھہ روڈ، پرانی انارکلی، لاہور۔ فون: ۷۳۵۲۲۸۳

تعطیر الانام فی تعبیر المنام

خوابوں کی تعبیر کا انسائیکلوپیڈیا

انسانی زندگی میں روزمرہ پیش آنے والے بے شمار خوابوں کی ہزارہا
تعبیرات پر مبنی سب سے مفصل، مستند اور جامع ترین کتاب
تعطیر الانام فی تعبیر المنام کا انتہائی مفید اور سلیس ترجمہ

مؤلف
علامہ عبد الغنی نابلسی

ترجمہ و تحقیق
مولانا خالد محمود صاحب
(فاضل جامعہ اشرفیہ لاہور)

بیت العلوم
۲۰۔ نابھہ روڈ، پرانی انارکلی لاہور۔ فون: ۳۵۲۲۸۳

بیت العلوم کی مطبوعات
ایک نظر میں

قرآنِ حکیم انسائیکلوپیڈیا ــــــــــ ڈاکٹر ذوالفقار کاظم
محمدؐ عربی انسائیکلوپیڈیا ــــــــــ ڈاکٹر ذوالفقار کاظم
صحابہ کرامؓ انسائیکلوپیڈیا ــــــــــ ڈاکٹر ذوالفقار کاظم
خوابوں کی تعبیر کا انسائیکلوپیڈیا ــــــــــ علامہ عبدالغنی نابلسیؒ
خواتین کے لئے اصلاحی بیانات ــــــــــ مولانا ناظم اشرف
حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ ــــــــــ مولانا عمران اشرف عثمانی
گناہوں کے نقصانات اور ان کا علاج ــــــــــ علامہ ابن القیم جوزیؒ
اصلاحی مواعظ ــــ ۴ جلد ــــ مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ
اصلاحی تقریریں ــــ ۴ جلد ــــ مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہ
ازواجِ مطہراتؓ کے دلچسپ واقعات ــــــــــ جناب محمد خرم
اسلامی احکام اور اُن کی حکمتیں ــــــــــ شیخ عبدالقادر معروف الکردیؒ
تاریخ المشاہیر ــــــــــ قاضی سلیمان سلمان منصورپوریؒ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دن اور رات ــــــــــ شیخ ابوبکر ابن سنیؒ
فضائل اہل بیت صحابہ کرامؓ و تابعینؒ ــــــــــ امام محمد بن علی شوکانیؒ
قصص معارف القرآن ــــــــــ مولانا مفتی محمد شفیع عثمانیؒ
کھجور کی اہمیت و افادیت ــــــــــ مولانا محمد یوسف خان مدظلہ
مقالاتِ عثمانیؒ ــــــــــ مولانا ظفر احمد عثمانیؒ
قیامت کی نشانیاں ــــــــــ علامہ عماد الدین ابن کثیرؒ
اولاد کی تربیت قرآن و حدیث کی روشنی میں ــــــــــ احمد خلیل جمعہ
مصائب الصحابہؓ ــــــــــ مولانا نور الحسن بخاریؒ